بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر فتح المنان

المشہور

تفسیر حقانی

عمدۃ المحدثین فخر المفسرین الشیخ ابو محمد عبد الحق حقانی الدہلوی

مقدمہ

حصہ اول

الفیصل ناشران و تاجران کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی انزل الکتاب ۔ والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء محمد الذی اوتی الحکمۃ وفصل الخطاب ۔ وعلی آلہ واصحابہ الذین قطعوا عرق الشک والارتیاب اما بعد مقصد سے پہلے چند ضروری باتیں کہ جو تفسیر میں نہایت کار آمد ہیں بطور مقدمہ کے بیان کرتا ہوں ۔ اس میں تین باب اور ایک خاتمہ ہے ۔

باب اول

فصل اول: وجود خدا اور انبیاء کی نبوت میں

ہر ذی عقل یہ خوب جانتا ہے کہ یہ عالم (کہ جس میں رنگ برنگ کی صنعتیں اور طرح طرح کے استحکام و انتظام ہیں) از خود نہیں بلکہ ضرور اس کا بنانے والا اور عدم سے ہستی میں لانے والا کوئی بڑا حکیم قوی قادر ہے کہ جس کا نہ کوئی شریک نہ کوئی سہیم ہے۔ سب عیوب سے پاک اور ہر کام میں بے نیاز اپنی ذات و صفات میں ممکنات سے ممتاز ہے۔ ان امور کے ثبوت میں دلیل کی ضرورت نہیں کیونکہ کسی صاحب عقل سلیم کو انکار کی کوئی صورت نہیں۔ ذرا غور فرمایئے کہ جب ہمارے روبرو کوئی صندوقچی یا کوئی تخت آتا ہے یا کوئی مکان کمرہ حویلی وغیرہ دکھائی دیتا ہے تو ہم کو (بغیر اس بات کے کہ ہم نے اس کے بنانے والے کاریگر کی صورت دیکھی ہو بنتے دیکھنا تو درکنار) کس قدر یقین آتا ہے کہ ضرور اس کا کوئی نہ کوئی بنانے والا ہے اور ہمارا یہ یقین کسی طرح غلط نہیں ہو سکتا۔ اب اس عالم حیرت افزا کو دیکھ کر کہ جو صندوقچی وغیرہ سے بدرجہا عجیب و غریب ہے اس کے کاریگر کے یقین نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں اور یوں سوفسطائیہ[1] لا ادریہ اور سوفسطائیہ عندیہ کے فضول شکوک اور بیہودہ وسواس کا تو کچھ علاج ہی نہیں۔ اب میں کلام کو اسی بات پر تمام کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ جو صانع عالم اور صفات کمالیہ سے متصف ہے اس کے موجود ہونے کا یقین کرنا ہر شخص کی فطرت اور جبلت میں داخل ہے والیہ یشیر قولہ تعالیٰ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا پس جس طرح کہ اس کا یقین فطری ہے ویسے ہی اس کا رحیم ہونا بھی فطری ہے اسی لیے اس نے ہر نوع مخلوقات کا نظام لائق اور بندوبست فائق کر رکھا ہے۔ چونکہ اشرف المخلوقات حضرت انسان کے سوا جس قدر محسوسات ہیں (جیسا کہ شجر، حجر، حیوانات یعنی گھوڑا، گدھا، گائے، بھینس وغیرہ پرند) بوجہ نہ ہونے عقل کلی کے سعود و سعادت فکر سے آزاد ہیں یہ بار گراں حضرت انسان ہی نے اٹھایا اور یہ حقیقی امانت اسی کے حصہ میں آیا کما قال اللہ تعالیٰ[2] إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ الآیہ پس ان کے لیے بھی رحمت ہے کہ ان کو ان کے مناسب دنیاوی امور کے انتظام عطا فرمائے۔ بہتری کے حد میں وہ اسباب عطا کیا کہ جس سے وہ اپنا گھر بناتی اور اس میں

---

[1] سوفسطائیہ حکماء کے ایک فرقہ کا نام ہے ان کی تین قسم ہیں ایک عنادیہ کہ سبب عناد کے یوں کہتے ہیں کہ دنیا کی ہر چیز وہم و خیال ہے اصل میں کچھ نہیں دوسرے عندیہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہر چیز انسان کے عندیہ پر موقوف ہے جو کچھ ہیں اس کے خیالات ہیں فی الاصل کچھ نہیں۔ تیسرا لا ادریہ وہ کہتے ہیں ہم کوئی چیز اچھی طرح معلوم نہیں ہر بات میں ہم کو شک ہے۔

[2] "ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑ کے آگے امانت پیش کی پس وہ اس کے اٹھانے سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھا لیا۔"

ان ان چیزوں کے الہام ہونے پھر ان کی وجہ سے عالم میں سب نے نفع حاصل کیا اسی طرح انسان کے جسمانی معالجہ کے طریقے تعلیم ہوئے طبیبوں اور ڈاکٹروں نے طرح طرح کی فائدہ بخش چیزیں تیار کیں۔

انتظام معاد: کا یہ طور رکھا کہ انسان کو ایک قوت عقلیہ عطا کی جس کی وجہ سے ہر شخص اپنے خالق کی طرف رجوع کرتا اور نیک و بد باتوں میں حتی المقدور تمیز کرتا ہے اور اس قوت کو عقل کہتے ہیں۔ ہر چند عقل سلیم نے امور آخرت کو حتی الامکان دریافت کیا چنانچہ فن الٰہیات سے یہ بات ظاہر ہے لیکن ان وجوہ سے عقل تنگ آ گئی اور الہام کی محتاج ہوئی۔

اول یہ کہ قوت واہمہ اکثر جگہ عقل سے مقابلہ پیش آتی ہے۔ کبھی غالب ہو جاتی ہے۔ دیکھو جب کسی تنہا مکان میں رات کو مردہ دکھائی دیتا ہے تو بعض کو خوف معلوم ہوتا ہے حالانکہ عقل کا یہی فتویٰ ہے کہ جسم بے حس سے کچھ ضرر متصور نہیں۔ اسی طرح جب دو بلند دیواروں کے درمیان ایک تختہ کو جو بالشت برابر چوڑا ہو رکھ دیا جائے تو اس پر چلتے وقت وہم اس قدر غالب آتا ہے کہ اکثر اوقات لڑکھڑا کر آدمی گر پڑتا ہے حالانکہ حکم عقل اسی تختہ پر بشرطیکہ زمین پر دھرا ہو بخوبی چل سکتا ہے۔

دوم عقل بذریعہ حواس کام کرتی ہے اور جو چیز حواس خمسہ سے باہر ہو وہاں اس کے دریافت کرنے میں مقدمات ترتیب دے کر نتیجہ نکالنا پڑتا ہے۔ پس وہاں طرح طرح کی غلطیاں واقع ہوتی ہیں کہ جن کے اہل منطق شاہد ہیں۔ الغرض جو چیزیں کہ محسوس نہیں ہوتیں ان کے دریافت کرنے میں عقل کو بڑی دقت پیش آتی ہے عالم آخرت کے حالات اور خدا کی ذات و صفات وغیرہا بھی محسوس نہیں ان کے دریافت کرنے میں بھی عقل کا ناطقہ تنگ ہے۔

سوم بدن کے حالات صحت و مرض بھوک اور پیاس خوشی و غم وغیرہا کے متغیر ہونے سے انسان کی عقل ہر وقت یکساں نہیں رہتی لڑکپن کی عقل اور جوانی کی اور بڑھاپے کی اور تندرستی کے وقت عقل کی اور حالت ہوتی ہے بیماری کے وقت اور خدا تعالیٰ کا یہ قول اس بات پر شاہد عدل ہے حَتّٰىٓ اِذَا بَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ [۲] اکثر وجوہ سے عقلاء کا باہم اختلاف کوئی کسی بات کو اچھا کوئی برا جانتا ہے۔ الٰہیات میں ایک مسئلہ علم باری ہی دیکھئے اس میں کس قدر مختلف اقوال ہیں۔ ایک حکیم کچھ کہتا ہے تو دوسرا کچھ اور اس کے بعد عالم کے حدوث و قدم میں کس قدر اختلاف ہے۔ غیر الٰہیات میں تو اختلاف ہونا کچھ بعید نہیں آپ طبیعیات اور ریاضیات ہی کے مسائل کو ملاحظہ فرما لیجئے کہ کس قدر مختلف اقوال ہیں مدت تک قدماء کا یہی قول مانا جاتا تھا ہر ایک مرکب کے یہ چار اصل الاصول عنصر بسیط ہیں۔ آگ پانی ہوا خاک

ا بعض جاہلوں نے اس ابہام کو الہام انبیاء سمجھ کر بعضوں کو نبی فرض کر کے مصنف علامہ پر اعتراض کر دیا حالانکہ اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ نبوت کا دعویٰ کرے بلکہ انسان میں جو حالت ودیعت ہے اس کے مراتب میں ترقی کرتا ہے ابوالحسن حقانی

۲ "جب آدمی چالیس برس کو پہنچتا ہے تو یہ دعا کرتا ہے کہ اے رب مجھ کو یہ توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا کہ جو مجھ کو اور میرے ماں باپ کو دیں شکریہ ادا کروں اور ایسے اچھے کام کروں کہ جو تجھ کو پسند ہوں۔ اے رب میری اولاد میں صلاحیت دے میں نے تیری طرف رجوع کیا اور میں تیرے حکم بردار بندوں میں سے اول" ۱۲ ترجمہ

نذیر کہتے ہیں اور جب حکمت الٰہی اور رحمت نامتناہی خلق کی اصلاح چاہتی ہے[1] تو ان سب میں اعلیٰ شخص کو (کہ جس کی نافرمانی پر خدا کی ناراضی اور اطاعت پر خوشنودی مرتب ہو اور جس کے موافق کو عالم بالا میں محبوب اور مخالف کو ملعون سمجھتے ہوں) پیدا کرتا ہے کہ وہ خلق کو تاریکی سے روشنی میں لاتا ہے اور اس کا نفس قدسی اس وجہ صاف ہوتا ہے کہ جو اوروں کو بڑی ریاضت سے مکاشفہ یا تجلی عالم جبروت و ملکوت ہوتی ہے تو اس کو اولیٰ توجہ سے یہ بات حاصل ہو جاتی ہے اور اس کا نفس قدسی آفتاب جہاں تاب کی مانند روشن ہوتا ہے کہ اس کی روشنی سے لوگ منور ہوتے ہیں اور یہ شخص عقل کو غلطیوں کی دلدل سے نجات دیتا ہے اور یہ شخص جب حظیرۃ القدس کی طرف متوجہ ہو کر ہمت کرتا ہے تو عالم اجسام بلکہ عالم ملکوت میں اس کا تصرف ہو جاتا ہے جو باتیں عادت کے خلاف ہیں وہ اس سے سرزد ہو جاتی ہیں۔ ہزاروں وہ چیزیں کہ جو حس بصر سے خارج ہیں اس کو دکھائی دیتی اور اس سے کلام کرتی ہیں روحانی لوگ اس کی اطاعت کرتے ہیں (ان امور کو معجزات کہتے ہیں)۔

نبی اور رسول اور اولیاء میں فرق: ایسے شخص کو نبی ﷺ کہتے ہیں اگر اس کو شریعت جدید اور کتاب آسمانی بھی دی ہے تو اس کو رسول کہتے ہیں اور اس کے پیروؤں میں جس کو وہ نفس قدسی عطا ہوتا ہے کہ اس میں اس کے انوار اس طرح منعکس ہوتے ہوں کہ جس طرح آفتاب کے انوار آئینہ میں اور پھر کبھی اس سے بھی خوارق عادات سرزد ہونے لگتے ہیں (کہ جن کو کرامت کہتے ہیں) تو اس شخص کو ولی کہتے ہیں پھر اولیاء کے بہت سے اقسام ہیں غوث قطب وغیرہ کہ جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں، یہاں سے آپ کو یہ بھی خوب معلوم ہو گیا کہ نبی ایسے برگزیدہ کو کہتے ہیں کہ جس کو یہ کمالات حاصل ہوں نہ یہ کہ نبوت کسی جسمانی قوت کا نام ہے کہ جو انسان کے اعضاء دل و دماغ کے مانند اور قویٰ سے تعلق رکھتی ہو نہ یہ کہ جس میں اخلاق انسانی کی تعلیم و تربیت کا ملکہ بمقتضی اس کی فطرت کے خدا سے عنایت ہوتا ہے وہ پیغمبر کہلاتا ہے جیسا کہ مصنف تفسیر القرآن کے صفحہ ۲۸ میں لکھتے ہیں اور اس کو ایک ملکہ بتلاتے ہیں کہ جیسا لوہار بڑھئی کو اپنے فن کا ملکہ ہوتا ہے کہ جس کی وجہ سے وہ اپنے فن کا پیغمبر کہلاتا ہے۔ اب ہم اصل مدعا کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ الغرض جو شخص اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ اس عالم حادث کا کوئی موجد (کہ جس میں سب صفات کمال پائے جاتے ہیں) ضرور ہے تو وہ اس بات پر بھی ضرور تو یقین رکھتا ہے کہ جس رحیم نے اپنی رحمت کاملہ اور حکمت بالغہ سے ہر چیز کا انتظام لائق اور اصلاح فائق فرمائی ہے[2] کما قال أَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى[3] کیا اس نے انسان کی اصلاح نفس کی بھی کوئی نہ کوئی تدبیر کی ہے اور وہ یہ انسان تنہا عقل

---

[1] حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں خدا نے کوئی ایسا خاصہ رکھا تھا ... رکھے ہیں جو خلق کی ہدایت میں کارآمد ہیں۔ کسی انسان کامل خلیفہ ... صفات کے القاب سے ملقب کئے جاتے ہیں ہر ایک پھول میں ایک قسم کی خوشبو ہوتی ہے مگر آنحضرت ﷺ ... میں یہ جملہ صفات موجود ہیں اس لیے آپ جملہ القاب سے ملقب ہوتے ہیں اور کبھی ان انبیاء علیہم السلام کے اتباع اور جانشینوں میں بھی وہ وصف خاص منتقل ہوتا ہے جیسا کہ شاگرد رشید میں استاد کے کمالات کا ظہور ہوتا ہے اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم بالخصوص خلفائے اربعہ ... میں ان اوصاف کے مختلف جوہر نمایاں تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں ... حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں سیاست و انتظام ملت کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں مروت اور حیا کے حضرت علی رضی اللہ عنہ میں انکشاف اسرار و علم غیب اور حقائق الانبیاء کے ... حضرات حسنین رضی اللہ عنہما اور آپ کی بعض ذریات ... صورت ... ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔ ۱۲ ابو المحسن حقانی

[2] ان اقسام میں صفات کلی کوئی فرق اعتباری بھی ہوتی ہے بعض جہلاء ان کو نہیں سمجھتے۔ ۱۲ منہ

[3] "ہر چیز کو اس کے لائق صورت پیدا کیا پھر اس کو اصلاح کے اسباب کی طرف رہنمائی کی۔"

قصے کو حسب وقت بلا ترتیب تقدیم و تاخیر کئی بار ٹکڑے ٹکڑے کر کے بیان کرنے کی ضرورت پڑتی ہے چنانچہ قرآن مجید میں اسی لیے موسیٰ علیہ السلام و فرعون وغیرہما کے قصوں کو بلا لحاظ ترتیب وقوع چند جگہ ذکر کیا ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ قوموں کے آیندہ حالات یا ان پر آنے والے مصائب یا انعام بطور پیشین گوئی کے ذکر کر دے تاکہ اس وقت کے لوگوں کو کار آمد ہوں چنانچہ حضرت محمد ﷺ نے اسی غرض سے بہت سی چیزوں کی خبر دی ہے۔ اس فصل میں یہ چند چیزیں خوب طرح ثابت ہو گئیں (۱) خدا تعالیٰ کا وجود۔ (۲) اس میں صفات کمالیہ کو پایا جانا۔ (۳) عیوب سے پاک ہونا۔ (۴) نبی کا مبعوث کرنا۔ (۵) نبی وہ شخص ہے کہ جس میں وہ کمالات ہوں کہ جن کا ہم نے ذکر کیا۔ (۶) نبی کا معصوم ہونا اور رذائل خصائل سے پاک و صاف ہونا۔ (۷) اس کو تہذیب نفس سے متعلق کلام کرنا۔ (۸) اور غیر ذالک باتوں سے سکوت فرمانا الا بقدر ضرورت۔

فصل دوم: معجزات

شاید آپ کو ہمارے بیان سابق سے کچھ تردد پیدا ہوا ہو کہ نبی کا کام تو ہدایت روحانی ہے۔ یہ علم میں تصرفات اور معجزات کے جو بظاہر قانون قدرت کے برخلاف ہیں کیا چیز ہیں؟ غالباً یہ پرانے خیالات ہیں کہ جو ابتدا عمر سے سنتے سنتے دلوں میں ایسے راسخ ہو گئے ہیں کہ ان کا منکر کافر شمار کیا جاتا ہے اور آج کل کے اہل یورپ (کہ جن کی تحقیقات کے آگے افلاطون و ارسطو طفل مکتب ہیں) ان پر قہقہہ مار کر ہنستے ہیں۔ اس لیے اب مجھ کو اس مقام پر چند باتوں کی تحقیق ضروری ہوئی۔

(۱) یہ کہ معجزہ کیا چیز ہے۔ (۲) وہ ممکن بھی ہے کہ نہیں۔ (۳) وہ نبی سے کس حکمت کے لیے صادر ہوتا ہے آیا نبی کی نبوت کی تصدیق کر سکتا ہے یا نہیں۔ پہلی بات کی تحقیق: جو چیز کہ خلاف عادت اور برخلاف قانون قدرت یعنی بغیر اس بات کے کہ وہ اپنے اسباب عادیہ پر مبنی ہو کسی شخص سے سرزد ہو تو اس کو خارق عادت کہتے ہیں مثلاً عادت یوں جاری ہے کہ بھوک پیاس کھانے پینے سے دور ہوتی ہے یا درخت اور پتھر اور حیوانات گائے بھینس وغیرہ انسان سے کلام نہیں کرتے کوئی درخت یا پتھر کسی کے بلانے سے بجز کسی آلہ کے نہیں آ سکتا یا کوئی شخص دریا پر زمین خشک کی طرح نہیں چل سکتا یا ایک آدمی کا کھانا صدہا آدمیوں کو سیر نہیں کر سکتا۔ یا کوئی شخص ایک مشت خاک سے صدہا آدمیوں کو اندھا کر سکتا ہے وغیر ذالک۔ پس جو کوئی ایسا کر دے تو یہ کام اس کا خارق عادت ہے اب یہاں سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ جو کام بذریعہ آلات و اسباب ہوں خواہ وہ اسباب مخفی ہوں یا ظاہر جیسا دوا سے بیمار کا تندرست کرنا کشتی کے ذریعہ سے دریا کو عبور کرنا خارق عادت نہیں۔ پس جو باتیں کہ سحر اور طلسم کے ذریعہ سے ہوں یا نیرنجات کے شعبدے ہوں وہ بعض محققین کے نزدیک خارق عادت نہیں کیونکہ ان کے اسباب مخفی ہیں کہ ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آ سکتے۔ لیکن میں نے جو تحقیق کیا تو یوں معلوم ہوا کہ سحر کا ایک طور یوں بھی ہے کہ بذریعہ ارواح خبیثہ و شیاطین کام کیے جاتے ہیں ان کے لیے اسباب عادیہ میں سے کوئی سبب نہیں ہوتا۔ اس لحاظ سے اس کو خارق عادت کہہ سکتا ہوں۔ ہاں اگر ان شیاطین و ارواح خبیثہ کو سبب مخفی قرار دیا جاوے تو خارق عادت نہیں۔ معجزہ: پھر یہ خارق عادت اگر مدعی نبوت سے ظاہر ہو تو اس کو معجزہ کہتے ہیں کہ مخالف کو اس کے مثل کام کرنے سے عاجز کر دیتا ہے۔ خواہ

* ہے تو پہلے اس فعل کی ممانعت ہوئی یا قصہ کے بعد یوں فرمایا کہ یہ تمہارے لیے ہے تو اس کی ترتیب ہوگی قرآن مجید میں قصوں سے احکام ثابت ہیں بخلاف انجیل کے کہ وہاں محض قصائد و تاریخ مقصود ہے اس لیے وہاں کا اعتراض سرے سے غلط ہے۔ ۱۲ ابو الحسن حقانی

مدعی نبوت سے یہ معجزہ ایک معمولی طور سے صادر ہو یا اس وقت نبوت کا دعویٰ بھی ہو اگرچہ خوارق عادت نبی کے ہاتھ سے صادر ہو اگر وہ ولی ہے تو اس کو کرامت کہتے ہیں اور اگر غیر ولی مومن صالح سے صادر ہو تو اس کو معونت کہتے ہیں۔ ارہاص و استدراج جو نبی سے قبل نبوت سرزد ہو تو اس کو ارہاص کہتے ہیں اور اگر بد شخص سے صادر ہو تو اس کو استدراج کہتے ہیں۔

دوسری بات کی تحقیق: کہ کسی کام کا کرنا اس کے فاعل کی قوت پر موقوف ہے پس جس قدر فاعل کی قوت ہوگی اسی قدر اس سے قوی فعل سرزد ہوگا یہ مقدمہ بدیہی ہے۔ اس پر دلیل کی حاجت نہیں۔ اور اسی میں قوت کا اجسام اور جواہر مجردہ میں لطافت اور کثافت کے لحاظ سے قوی اور ضعیف ہوتا رہتا ہے۔ یہی تجربہ ہے کہ خاک کی قوت سے پانی کی قوت زور اور پانی سے ہوا کی قوت زیادہ ہوتی ہے اور آگ کی قوت اس کی لطافت کی وجہ سے سب سے زیادہ ہوتی ہے اگرچہ ہوا بھی اس قدر لطیف ہے کہ حس بصر سے محسوس نہیں ہوتی نہ بغیر آمیزش غبار کے دکھائی دیتی ہے لیکن آگ اس سے بھی لطیف ہے ہم کو اس دعویٰ پر دلیل لانے کی کچھ ضرورت نہیں جس نے علم العناصر کی دو ایک کتابیں بھی پڑھی ہوں گی وہ اس بات کی خوب تصدیق کرے گا لیکن ناظرین کے سمجھانے کو دو چار مثالیں پیش کرتا ہوں۔ دیکھئے ریل گاڑی جو ہزار ہا من بوجھ ایک دن میں کہاں سے کہاں لے جاتی ہے یا دخانی جہاز کس قدر بوجھ کس قدر مسافت پر پہنچاتا ہے یا انجن کیسا جلد جلد کام کرتی ہیں یہ سب انجن کی حرارت ہے کہ جو بھاپ کے زور سے چلتے ہیں اور وہ بھاپ اجزاء آبی اور اجزاء ہوائیہ ہیں کہ جو آگ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس سے بڑھ کر ان ابخرات کی قوت ہے کہ جو آگ اور ہوا سے پیدا ہوتے اور پھر زمین میں کسی وجہ سے بند ہو جاتے ہیں کہ جس سے وہ زلزلہ پیدا ہوتا ہے کہ جو تمام زمین کو ہلا دیتا اور بڑے بڑے پہاڑوں اور مکانوں کو گرا دیتا ہے۔ اسی کی وجہ سے سمندر ایسا الٹ پلٹ ہوتا ہے کہ صدہا کوس کی خشک زمین پانی میں ڈوب جاتی ہے اور بہت جا سمندر میں سے ٹاپو نکل آتے ہیں۔ بجلی کی قوت پر تو ہر روز ملاحظہ فرمائیے کہ وہ اور بھی غضب ہے۔ بادلوں میں سے نیچے گر کے جو کچھ آفت برپا کرتی ہے اس کو تو ہر ایک جانتا ہے مگر اس کی کس قدر قوت ہے کہ جب کہ برقی مشین میں جمع کر کے کسی تار کو حرکت دی جاتی ہے تو اس کی حرکت صدہا کوس آن کی آن میں پہنچتی ہے کہ وہاں تک اتنی دیر میں ہماری پلک بھی نہیں جا سکتی۔ پھر اس حرکت کے اشاروں یا اس کی کھڑکھڑاہٹ کی آواز سے (کہ جس سے حروف و اصوات مصطلحہ پیدا ہوتے ہیں) کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اسی لیے جن کے تمام بدن میں جزو ہوائی غالب ہوتا ہے (جیسا کہ غول بیابانی وغیرہ مخلوقات کہ جو ہر وقت دکھائی نہیں دیتے) کہ جن کو اہل ہند بھوت کہتے ہیں ان کے افعال خاکی چیزوں سے بہت قوی ہوتے ہیں۔ جن کے قوام میں جزو ناری غالب ہوتا ہے تو ان کے افعال اور قوی ہوتے ہیں جیسا کہ جن وغیرہ مخلوقات۔ اسی طرح ملائکہ یعنی فرشتے کہ ان کا مادہ اور بھی زیادہ لطیف ہوتا ہے ان کے افعال ان سے زیادہ تر قوی ہوتے ہیں اسی طرح نفس ناطقہ کہ جس کو روح بھی کہتے ہیں لطافت کی وجہ سے بشرطیکہ کثافت جسمانی اس پر غالب نہ ہو بڑے قوی اور نہایت عجیب و غریب کام کرتی ہے۔ مقدمہ اول: روحانی قوت کے آگے عالم عناصر و عالم اجسام علویات آفتاب ماہتاب ستارے وغیرہ سب مسخر ہیں اسی روحانی قوت ہی کی وجہ سے چاند[3] پھٹ گیا۔ درخت[4] بلانے سے چلے آئے اور دو

---

۱ یعنی الٰہی مدد ۲ قرآن مجید میں اس کی تصریح ہے۔ ۱۲ منہ

۳ اشارہ ہے معجزہ شق القمر کی طرف۔ منہ ۴ آنحضرت ﷺ کے اس معجزہ کی طرف اشارہ ہے کہ درخت آپ کے بلانے سے چلے آئے تھے۔ ۱۲ منہ

چار قطرے سے پیاسا سیر اور سیر پانی نے اس کے ہاتھ لگانے سے لشکر کو سیراب کر دیا۔ شجر و حجر اس سے کلام کرتے اور اس کے
شوق میں روتے ہیں۔ ایک عالم کے قلوب اس کی طرف کھنچے آتے ہیں۔ عصا مارنے سے پتھر پانی بہاتا ہے۔ اس کی دم سے
سے مردہ زندہ ہو جاتا ہے۔ اندھے کوڑھی ابرص شفا پاتے ہیں اس کی ذرا سی نظر مسمریزم ہی کو دیکھئے کہ قوت روحانی سے کیا
کیا عجائب ظاہر ہوتے ہیں۔ اور جو فقراء کے حلقہ توجہ میں بیٹھ کر فیض یاب ہوا ہے وہ تو اس قوت روحانی کا مزہ اٹھا کے
اور اس پر ایمان لائے بیٹھا ہے [illegible] ایسے تماشے ہی سمجھا اور نہ چکھی۔ مگر اس قوت روحانی کے دو ظہور ہیں ایک
تو یہ عام طور عادت کے موافق اور قوانین قدرت کے مطابق جیسا کہ یہ پھرنا چلنا، عمدہ عمدہ کلیں بنانا، طرح طرح کی صنعتیں
ایجاد کرنا۔ الغرض یہ سب کاروبار جو عالم اسباب میں انسان سے واقع ہوتے ہیں قوت روحانی کے کام ہیں۔ یہ کسی شرط تجرد
وغیرہ پر موقوف نہیں بلکہ اس کو جسمی کثافت کے ساتھ ہی خوب کر سکتا ہے بلکہ بعض کام تو عالم اسباب میں جسم میں کثافت ہی
کی وجہ سے ظہور کرتے ہیں کیونکہ جسم ان کے لیے شرط ہوتا ہے اور اسی لیے اکثر طبعیات وغیرہ سے متعلق عجیب عجائب
اختراع و ایجاد انہیں لوگوں سے ظہور میں آتے ہیں جو سوائے نفسانی خواہشوں کھانے پینے، جماع کرنے کے اور کچھ کمال انسانی
نہیں رکھتے۔ یہ سب کام گو بظاہر جسم اور اس کے قویٰ کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں مگر درحقیقت یہ سب روح کے طفیل سے
ہوتے ہیں۔ جب روح جسم سے تعلق اٹھا لیتی ہے جس کو عرف میں موت کہتے ہیں تب کوئی کام نہیں ہوتا۔ کام تو درکنار وہ جسم
ہی اس کی محافظت بغیر گل سڑ جاتا ہے اور یہاں سے یہ بھی خوب ثابت ہو گیا کہ ان افعال کا مبدء روح ہے نہ جسم ایک آلہ
ہے کیونکہ جسم کو قدرت کہاں؟ اس مقام پر اعتقاد مذکورہ کے بطلان پر فقط دو ہی دلیلوں پر اکتفا کرتا ہوں۔

دلیل اول: اگر یہ افعال جسم ہی کے ہوں تو چاہیے کہ کسی معاملہ نیک و بد میں کوئی شخص دنیا میں بھی ماخوذ نہ کیا جاوے نہ
چور کو سزا دی جاوے نہ قاتل سے قصاص لیا جاوے کیونکہ جب اس نے وہ کام کیا تھا وہ اور تھا اب یہ جسم اور ہے اس لیے کہ ہر
آن میں حرارت بدن سے انسان کے اجزاء بدن تحلیل ہوتے رہتے ہیں اور ان کے بدل غذا سے دوسرے اجزاء قائم ہوتے
رہتے ہیں اس لیے اگر کسی کی لڑکپن اور جوانی پھر بڑھاپے کی تصویروں کو روبرو رکھ کے دیکھا جاوے تو ایک دوسرے سے غیر
معلوم ہوگی علاوہ اس کے ناخن اور بالوں ہی کو دیکھئے کہ ہر روز نئے نکلتے اور پہلے کس قدر قوت مقصودہ کی وجہ سے کٹتے
رہتے ہیں پھر بڑھ جاتے ہیں بلکہ نباتات میں بھی یہی حال ہے اور اگر اس بات پر باور نہ آوے تو غذا کو روک کر اس کے قوام
اور بالیدگی کو ملاحظہ فرما لیجئے۔

دلیل دوم: کسی فعل ارادی کا کرنا (بالخصوص اپنے افعال کا کہ جن سے انسان قابل مدح اور ذم اور مستحق ثواب و

---

1 اس معجزہ آنجناب علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے کہ جو بارہا آپ سے ظاہر ہوا ۱۲ منہ
2 جیسا کہ آنحضرت ﷺ کے واسطے واقع ہوا اور ستون حنانہ آپ کے شوق میں رویا ۱۲ منہ
3 حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کی طرف اشارہ ہے ۱۲ منہ
4 حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی طرف اشارہ ہے ۱۲ منہ
5 یہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی طرف اشارہ ہے ۱۲ منہ

اور اس کا نفع عام لوگوں کو پہنچاوے جو لوگ کہ طبیعت سلیمہ اور قوائے فطریہ رکھتے ہیں وہ تو اس نبی کو اس طرح پہچان جاتے ہیں کہ جس طرح بچہ بغیر کسی کے کہے سنے اپنے ماں باپ کو جان جاتا ہے کما قال تعالیٰ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ بھی جو شخص سعید ہو وہ ولادت میں بچہ کہ اس کی چھاتیاں لٹکاتا[1] ہے وہی لوگوں کو مربی روحانی نبی کی خبر دیتا ہے لیکن بعض وہ لوگ کہ جن کی طبیعت میں کچھ کجی ہوتی ہے بغیر کسی علامت دیکھنے کے تصدیق نہیں کرتے جیسا کہ بعض بیمار دوا کو بغیر شیرینی ملائے نہیں پی سکتے۔ پس جس طرح طبیب شفیق اس میں شیرینی ملا دیتا ہے اسی طرح وہ حکیم رحیم بھی نبی کے ہاتھ کوئی امر خارق عادت کہ جس کو معجزہ کہتے ہیں ان کے لیے صادر کرتا ہے اور اس معجزہ سے بہت فوائد ظاہر ہیں۔ (۱) ان منکروں کو نبی کی تصدیق نصیب ہو جاتی ہے۔ (۲) غالباً وہ معجزہ فی نفسہا کوئی خیر اور عام فائدہ کی چیز ہوتا ہے۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا اپنی انگلیوں سے پانی جاری کر کے ایک جم غفیر کو اس پانی مبارک سے سیراب کرنا پھر لوگوں کے دلوں میں اس سے نور پیدا ہونا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بغیر پل کے بنی اسرائیل کو پار اتار کر موذی سے نجات دینا یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مائدہ سے لوگوں کو تقویت دینا۔ (۳) اس معجزہ سے مومنوں کا یقین اور زیادہ مستحکم ہو جاتا ہے۔ (۴) خدا اور اس کے رسول کی عظمت لوگوں پر ظاہر ہو جاتی ہے اور یہی حکمت ہے کہ معجزہ کو آیت کہتے ہیں جس کے معنی علامت اور نشانی کے ہیں۔ (۵) کبھی منکروں کی تہدید و تعذیب اس سے مقصود ہوتی ہے کہ جس سے اور لوگ عبرت پکڑیں کہ ان کے حق میں یہ معجزہ قہر الٰہی ہے کہ اوروں کے لیے رحمت الٰہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ انبیاء کی دعا سے صورتوں کا مسخ ہو جانا یا ایک مٹھی کنکریوں سے صدہا لوگوں کی آنکھیں بند ہو جانا۔ علاوہ اس کے اور بہت سی مصلحتیں ہیں کہ جن کو وہ حکیم ہی خوب جانتا ہے۔ دوسری اور تیسری اور چوتھی بات میں تو کوئی کلام نہیں کرتا۔ ہاں اول بات میں بعض نے بزور فلسفہ کلام کیا ہے اور پھر تاویلات رکیکہ کے ذریعہ سے قرآن اور مسلمانوں کی کتابوں سے استدلال کیا ہے جو سراسر مسخ کاری ہے مسلمانوں میں بانیٔ فلسفہ قدیمہ ایک فرقہ پیدا ہوا تھا جس کو معتزلہ کہا جاتا تھا ان کے نزدیک قرآن اور اسلام کی یہی خیر خواہی اور بڑی خدمت تھی کہ وہ قرآن اور پیغمبر ﷺ کی حدیثوں کو تاویلات کے ذریعہ سے فلسفۂ یونانی کے موافق کیا کرتے تھے اور جہاں موافقت نہ ہو سکتی تھی وہاں اس حدیث کا انکار کر دیتے تھے۔ یہ اس لیے کہ ان کے نزدیک اس وقت کا فلسفہ سراسر حق ثابت ہو گیا تھا۔ پھر ایسا کرنے میں اسلام فلسفہ کی ٹکر سے محفوظ رہتا تھا ورنہ ان کے نزدیک چورا ہو جاتا۔ آج کل بعض ہندوستان کے مسلمان فلسفۂ حال کے مطابق کرنے میں وہی طرز عمل اختیار کیے ہوئے ہیں مگر مسلمانوں نے معتزلہ کی تمام کوشش کو بے کار جانا اور بڑی حقارت کی نظر سے دیکھا اور خوب ہی کیا کس لیے کہ جب پرانے فلسفہ کا آج نئے فلسفہ کی ٹکر سے چورا ہو گیا تو اس کے مطابق اسلام کا بھی چورا ہو جاتا۔ اسی طرح موجودہ فلسفہ کا اگر آگے چل کر غلط ہونا ثابت ہو گیا اور ہو گا اور ہوتا جاتا ہے تو پھر اس کے مطابق اسلام کا کیا حشر ہوگا۔

دوم انبیاء علیہم السلام کے انکشاف روحانی کے مقابلہ میں فلسفی انکشاف جو محدود ہے کیا اصل رکھتا ہے۔ قرآن مجید میں خود بہت سی جگہ ایسی ہیں کہ جہاں معجزہ کو آیت کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ اس مقام پر آیت قرآنی مراد

[1] [illegible]

ہو نہیں سکتی اذا لجملہ یہ ہے۔ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً "یہ خدا کی اونٹنی تمہارے لیے نشانی (معجزہ) ہے" دیکھئے یہاں صاف طور پر فرما دیا کہ یہ اونٹنی آیت ہے۔ اس مقام پر جب سید صاحب سے کچھ بن نہ آیا تو غلط توجیہ کی کہ "قوم ثمود کو جو احکام حضرت صالح علیہ السلام نے بنسبت ناقہ کے بتائے اس سبب سے اس پر بھی آیت کا لفظ اطلاق ہوا" انتہی۔ خواہ کسی سبب سے ہو مگر یہ تو آپ نے بھی ناچار ہو کر تسلیم کر ہی لیا کہ یہاں آیت کا لفظ ناقہ پر بولا گیا کہ جو نہ آیت قرآنی تھی نہ کوئی حکم رحمانی اور آپ کا یہ قول (کیونکہ وہ اونٹنی فی نفسہٖ کوئی معجزہ نہ تھی) بالکل غلط ہے کیونکہ وہ اونٹنی بڑا معجزہ حضرت صالح علیہ السلام کا تھا کہ جو ان کی دعا سے خود بخود پیدا ہو گئی تھی۔ چنانچہ اس کا بھی ذکر آگے آوے گا اذا لجملہ یہ آیت ہے وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ "ہم اس لیے نشانیاں نہیں بھیجتے کہ ان کو پہلی امتوں نے جھٹلا دیا تھا" دیکھئے اس مقام پر آیات سے قرآن کی یا کسی اور کتاب کی آیتیں مراد ہو نہیں سکتیں چند وجہ سے:

اول یہ کہ اگر آیات سے معجزات مراد نہ ہوں بلکہ آیات قرآنیہ یا اوامر احکام جیسا کہ سید صاحب فرماتے ہیں تو لازم آوے کہ خدا نے حضرت ﷺ پر نہ کوئی آیت قرآنیہ نازل فرمائی نہ کوئی حکم بھیجا وفسادہ ممالا یخفی۔

دوم اس سے پیشتر کی آیت میں یہ ذکر ہے کہ کفار مکہ آنحضرت علیہ السلام سے یوں کہتے تھے

قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ط "کہ ہم تجھ پر جب تک ایمان نہ لاویں گے (۱) جب تک آپ ہمارے لیے زمین پھاڑ کر چشمے نہ نکالیں یا (۲) کھجور اور انگور کا ایسا باغ نہ بنا دیں کہ اس میں سے نہریں بہتی ہوں یا (۳) آسمان کے ہم پر ٹکڑے نہ گرا دیں یا (۴) خدا اور فرشتوں کو ہمارے پاس نہ لا دیں یا (۵) ایک گھر سونے کا نہ بنا دیں (۶) یا آسمان پر چڑھ نہ جاویں یا (۷) کوئی ایسی کتاب نازل ہم پر نہ کریں کہ اس کو ہم پڑھ لیا کریں۔ ان باتوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو یوں فرماتا ہے کہ ان سے کہہ دو کہ میں فقط رسول ہوں (خدائی اختیار مجھ کو حاصل نہیں) اور اللہ تعالیٰ ان کی خواہش کے موافق معجزات ظاہر نہ کرنے کا یوں سبب بیان فرماتا ہے کہ اگلے لوگوں نے انبیاء کے معجزوں کو جھٹلا دیا تھا کہ جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہوئے پس اس لیے ہم تمہارے کہنے کے موافق یہ معجزے کہ جو تم مانگتے ہو نہیں ظاہر کرتے چونکہ یہ آیت کفار کے جواب میں واقع ہے اور وہ ان سات چیزوں کا سوال کرتے تھے تو اس کے جواب میں الآیات سے بسبب لام عہدی کے یہی سات چیزیں مراد ہونی ضرور ہیں نہ کہ مطلق معجزات۔ سید صاحب اس مقام پر قاضی ابن رشد کا قول دربارہ نفی معجزات نقل کر کے یوں کہتے ہیں اور اس کا ثبوت خود قرآن مجید سے پایا جاتا ہے۔ انتہی۔

اور اس دعویٰ کی دلیل میں یہی آیات ذکر فرماتے ہیں۔ میں سید صاحب کی پریشان بیانی سے سخت حیران ہوں کیونکہ جب آیات سے (اس مقام پر جس کے آنحضرت علیہ السلام پر حسب استدعاء کفار نازل نہ ہونے کی وجہ خدا فرماتا ہے) قرآن کی آیتیں مراد ہوویں جیسا کہ سید صاحب کہتے ہیں تو بداہۃً یہ امر لازم آیا کہ آنحضرت ﷺ پر وہ آیات کہ جن کو کفار

جو چاہتے تھے نازل نہ ہوئیں، معجزات کے نازل ہونے یا نہ ہونے کا تو کچھ ذکر ہی نہ رہا پھر یہ کہنا کہ یہاں سے نفی معجزات ثابت ہوتی ہے محض لغو ہے۔

دوم آپ جب بفرض اس بات کے آنحضرت ﷺ کیا بلکہ کسی نبی سے کوئی معجزہ ثابت نہیں ہوا، لفظ آیات سے معجزات مراد لینا پڑا (حالانکہ یہ آپ کے قول کے صریح مخالف ہے) تو پہلے انبیاء سے تو ضرور معجزات کا صادر ہونا تسلیم کرنا پڑے گا کہ جن کو پہلے لوگوں نے جھٹلایا تھا اور آنحضرت ﷺ سے مطلق معجزات کی نفی نہ ہوگی بلکہ بقرینہ جواب و بقرینہ کلام مہدی ان معجزات کی نفی کہ جن کا عناداً وہ سوال کرتے تھے اس مقام پر جیسا کہ سید صاحب کو صریح مغالطہ ہوا۔ اسی طرح پادری فنڈر وغیرہ معاندین نے بھی منہ کی کھائی۔ اگر یوں کہئے کہ سید صاحب کی مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے بوقت دعوتِ اسلام کوئی معجزہ ثابت نہیں ہوا تو میں اس کے جواب میں یوں کہتا ہوں کہ اگر یہ آپ کی مراد تسلیم بھی کی جائے تو اس کا ثبوت اس آیت سے جب ہی ہو سکتا ہے کہ آیت سے معجزات مراد لیے جاویں اور پھر بعد اس کے یہ بھی کسی دلیل قوی سے ثابت کر دیا جاوے کہ الآیات سے بقرینہ جواب امر عہدی وہ معجزات مسئولہ کے اور کوئی معجزہ نہیں دکھایا، وہ ان پر قوی کا ثبوت محال ہے۔ (علاوہ اس کے) یہ تو پھر بھی ماننا ضرور ہوگا کہ اور انبیاء علیہم السلام سے وہ معجزات کہ جن کا کفار نے تقاضا کیا تھا ضرور صادر ہوئے ہیں۔ اب کسی اہل اسلام کی تو کیا جرأت ہے کہ وہ یوں کہے کہ اور انبیاء علیہم السلام سے تو یہ معجزات صادر ہوئے مگر آنحضرت سے نہ ہو سکے اور یہ بھی کسی اہل عقل کی شان نہیں کہ یوں کہے کہ آنحضرت علیہ السلام سے دعوتِ اسلام کے وقت کوئی معجزہ صادر نہ ہوا اور دیگر اوقات میں صادر ہوئے ازانجملہ یہ آیت ہے وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا [3] سورۂ بنی اسرائیل۔ یہاں صاف تصریح ہے کہ آیات کا اطلاق ان معجزات پر ہوا ہے کہ جن کو لوگوں نے جھٹلا دیا تھا منجملہ ان کے ناقہ ثمود تھی کہ جس کی انہوں نے بے حرمتی کی تھی اس مقام پر سید صاحب فرماتے ہیں قولہ اس آیت سے قاضی ابن رشد نے استدلال کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ادعاءِ نبوت کے ساتھ کوئی معجزہ کسی کو نہیں دکھایا جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ و قول قاضی ابن رشد اگر کوئی ذی علم شخص ہیں تو اس آیت سے کا ہے کو استدلال کریں گے اور اگر کوئی ایسی ہی سوئی سمجھ کے ہیں تو وہی جواب پاویں گے جو

1. خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر آیات سے اس مقام میں قرآن کی آیتیں مراد لی جاویں تو پھر اس آیت کا منشا سے معجزات کی نفی کرنا درست ہے اور اگر معجزات ہی مراد ہوں وہاں تو سید صاحب کا قول آیت کا اطلاق معجزات پر نہیں باطل ہو گا۔ دوم اگلے انبیاء سے تو ضرور معجزات کا صادر ہونا پایا گیا کہ جن کی تکذیب سے ان کو عذاب ہوا۔ اب رہی یہ بات کہ آنحضرت ﷺ سے ثبوت معجزات کو یہ آیت معارض ہے سو یہ بھی غلط کیونکہ اس میں یہ کہیں نہیں کہ آنحضرت ﷺ سے کوئی معجزہ صادر نہیں ہوا بلکہ صرف یہ کہ چند معجزات کہ جن کی کفار محض عناد سے تمنا کرتے تھے وہ آپ سے صادر نہیں ہوئے جیسا کہ وہ عہدی اور قرینہ جواب اس کا شاہد ہے۔ ۱۲ منہ

2. حوالہ اس کے قرآن مجید میں اور پہلی کتابوں میں انبیاء کے معجزات کی تصریح ہے۔ آنحضرت ﷺ کے معجزات بھی مذکور ہیں پھر ان کے انکار کی سوا اس بات کے کہ قرآن اور کتب مقدسہ کا انکار کیا جاوے اور کیا صورت ہے

3. اور اس لیے نشانیاں (معجزات) نہیں بھیجے کہ پہلوں نے ان کو جھٹلا دیا تھا اور ثمود کو ہم نے بصیرت دینے والی اونٹنی دی تھی کہ جس پر انہوں نے ظلم کیا اور ہم نشانیاں (معجزات) نہیں بھیجتے مگر ڈرانے کو۔ ۱۲

آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا۔ اس کے بعد سید صاحب فرماتے ہیں قولہ اور اس سے پایا جاتا ہے کہ قاضی ابن رشد نے اس آیت میں جو لفظ آیات ہے اس سے معجزات مراد لیے ہیں۔ صاحب تفسیر بیضاوی نے بھی یہی سمجھا ہے الخ۔ لو سید صاحب اب تو آپ کے قاضی ابن رشد بھی آپ کے مخالف ہو گئے اور بیضاوی کیا بلکہ کوئی اہل علم بھی کہ جس کو کچھ بھی عربیت کی استعداد ہوگی یہ نہ فرمادے گا جو آپ تمام اہل عقل و نقل کے مخالف ہو کر فرماتے ہیں۔

یہاں سے ہماری تیسری بات (کہ تمام اہل عقل و نقل اس بات پر متفق ہیں کہ لفظ آیت کا اطلاق معجزہ پر بھی ہوتا ہے) ثابت ہو گئی۔ سید صاحب قاضی ابن رشد اور بیضاوی وغیرہ جمہور کی تفسیر کو یوں رد فرماتے ہیں اور تمسک کر کے آیت کا یہ جواب دیتے ہیں قولہ صفحہ ۳۹ مگر اس تفسیر میں چند نقصان ہیں اول تو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ خدا نے لوگوں کے نہ ماننے یا جھٹلانے سے کیوں معجزوں کا بھیجنا بند کر دیا۔ الخ۔ تحقیقی جواب تو یہ ہے کہ کل معجزات کا بھیجنا بند نہیں کیا بلکہ خاص ان کا کہ جن کی ضد کر کے طلب کرتے تھے تاکہ پھر تکذیب اور مقابلہ سے بلا نازل نہ ہو۔ اور الزامی یہ جواب ہے کہ اگر اس سے احکام مخصوصہ ہی مراد ہیں جیسا کہ آپ آگے چل کر فرماتے ہیں۔ قولہ تو یہ سمجھ میں نہیں آسکتا کہ خدا نے لوگوں کے نہ ماننے یا جھٹلانے سے کیوں احکام مخصوصہ کا بھیجنا بند کر دیا۔ دوسرے آدم سے عیسیٰ علیہ السلام تک برابر کیوں بھیجتا رہا اور کیوں انکی بے رخی سے اگلوں کو غارت کرتا رہا۔ از انجملہ یہ آیت ہے وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَا اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَا اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً یہاں سے صاف صاف لفظ آیت کا اطلاق رات اور دن پر ہوتا ہے۔ از انجملہ یہ ہے لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا کہ پاک ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے محمد (ﷺ) کو رات کو مکہ سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی تاکہ ہم اس کو اپنی نشانیاں دکھائیں۔ یہاں سے بھی آیات سے مراد عجائبات قدرت ہیں کیونکہ اگر آیت قرآنی مراد ہوتیں تو ان کو مسجد اقصیٰ میں لے جا کر سنانا تھا نہ کہ دکھانا۔ از انجملہ یہ ہے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ الآیہ کہ ہم نے موسیٰ کو ۹ نشانیاں عصا ید بیضا وغیرہ دیں یہاں بھی احکام مراد نہیں ہو سکتے۔ بلکہ یہاں تو صفت بینات بھی معجزات کی ظاہر کر رہی ہے۔ از انجملہ یہ ہے ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ سورۂ کہف دیکھئے یہاں اصحاب کہف کو آیت اللہ کہا ہے۔ از انجملہ یہ ہے قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْۤ اٰيَةً قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ الآیہ۔ یہاں بھی لفظ آیت زکریا علیہ السلام کے کلام نہ کرنے پر بولا گیا علاوہ اس کے اور بہت سے ایسے مواقع[1] ہیں کہ جہاں لفظ آیت بلکہ بعض جگہ بینات معجزات پر بولا گیا ہے۔ سید صاحب اگر آپ کو قرآن پر آگاہی نہ تھی تو کیوں اتنا بڑا دعویٰ کر بیٹھے کہ قرآن میں لفظ آیت کا سوائے احکام یا آیات قرآنیہ کے اور کسی پر اطلاق نہیں ہوا ہے۔ افسوس آپ کو یہ خیال نہ آیا کہ اہل علم میری بے اصل باتوں پر ہنسیں گے؟ اب یہ بات بخوبی ثابت ہو گئی کہ آیات کا اطلاق معجزہ پر بھی ہوتا ہے اور جو اس کا انکار کرتا ہے وہ محض جاہل ہے۔

امر دوم کی تحقیق: امر دوم کی تحقیق اس طرح پر ہے

اول لفظ آیت کے اطلاق کرنے کے واسطے نشانی کے معنی پایا جانا ضرور ہے سو وہ معجزہ میں پائے جاتے ہیں۔

---

[1] سب سے زیادہ خود سید صاحب کا قول جو تفسیر آل عمران کے صفحہ ۴۳ میں واقع ہے ہمارے واسطے بڑی دلیل ہے قولہ آیت کا لفظ قرآن مجید میں فرعون، اصحاب کہف، اور مجموعہ قوم فرعون و اصحاب سفینہ پر بھی اطلاق ہوا ہے۔ انتہیٰ ابو محمد حقانی

والی چیز معجزہ ہے، جس کا بیان ابھی ہو چکا۔ اگر منکرِ رسالت ضد کرے تو یہ اور بات ہے۔ قولہ انسانوں میں سے ایسے انسان کے ہونے پر متکلمین نے دنیا کے حالات پر قیاس کر کے استدلال کیا ہے۔ جناب دنیا کے حالات پر ہرگز قیاس نہیں بلکہ تفہیم عام کے لیے ایک مثال دیتے ہیں جس کا بیان گزرا۔ اور یہ استدلال متکلمین کی طرف سے نہیں یہ محض آپ کا یا آپ کے قاضی ابن رشد کا افتراء ہے کہ ہم اس استدلال کو پسند نہیں کرتے مگر انصاف یہ ہے کہ اس پر جو کچھ رد کیا ہے وہ محض بیہودہ دوری ہے۔ قولہ۔ وہ رد کہتے ہیں یعنی متکلمین بطریق استدلال کے یہ بات تو ثابت ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ متکلم ہے اور صاحب ارادہ اور بندوں کا مالک اور دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ ایسا شخص مجاز ہے کہ بندوں کے پاس اپنا ایلچی بھیجے تو خدا کی نسبت بھی ممکن ہے کہ مملوک بندوں کے پاس اپنا رسول بھیجے۔ یہ دلیل بعثت کی ہے اور یہ بھی بات دنیا میں دیکھی جاتی ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ میں بادشاہ کا ایلچی ہوں اور بادشاہی نشانیاں اس کے پاس ہوں تو واجب ہوتا ہے کہ اس کا ایلچی ہونا قبول کیا جاوے۔ یہ دلیل اس بات کی ہے کہ معجزہ نبوت کی دلیل ہے۔ اس کے بعد سید صاحب قاضی ابن رشد کو مددگار بنا کے ان دونوں دلیلوں کو رد کرتے ہیں۔ قولہ ابن رشد فرماتے ہیں کہ یہ دلیل عام لوگوں کے لیے کسی قدر مناسب ہو مگر جب غور سے دیکھا جاوے تو ٹھیک نہیں ہے۔ الخ اس کے بعد سید صاحب نے جو اعتراض کیا ہے وہ دو فیر مربوط تقریر دو ورق میں ہے لیکن اس کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے: یہ دلیل جب صحیح ہو سکتی ہے کہ اول یہ مان لیا جاوے کہ وہ نشانیاں جو ایلچی لاتا ہے وہ بادشاہ کے ایلچی ہونے کی ہیں یا اس طرح سے کہ بادشاہ خود کہہ دے کہ یہ نشانیاں جس کے پاس ہوں وہ میرا ایلچی ہے یا یوں کہ بادشاہ کی عادت سے معلوم ہو گیا ہو کہ وہ یہ نشانیاں بجز اپنے ایلچی کے اور کو نہیں دیتا۔ (دوم) یہ بھی تسلیم کر لیا جاوے کہ معجزہ کا صادر ہونا کسی انسان سے ممکن ہے۔

سوم رسول کا وجود بھی تسلیم کر لیا جاوے۔

اول بات ثابت ہو نہیں سکتی کیونکہ شرع سے تو ثبوت کرنا فضول ہے کہ ہنوز شرع کا وجود ہی نہیں اور عقل سے معلوم ہو نہیں سکتا۔

دوسری بات یہ بھی ثابت نہیں ہو سکتی کیونکہ کسی شے کا امکان جب ثابت ہوتا ہے کہ جب اس کا وقوع بار بار مان لیا جاوے کہ کبھی وہ شے ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی اور اگر یہ امکان تسلیم بھی کر لیا جاوے تو اس سے وقوع لازم نہ آوے گا اور نظر بندی اور شعبدہ بندی کا احتمال قائم رہے گا اور تجربہ اور عادت سے بھی اس کے رسول ہونے کا ثبوت نہیں ہو سکے گا بجز اس کے کہ معجزے رسول ہی دکھایا کریں اور کوئی نہ دکھا سکے حالانکہ خرق عادت جس کا ایک نام معجزہ بھی ہے رسول اور غیر رسول دکھا سکتے ہیں اور متکلمین اس بات کے قائل ہیں کہ شے معجز بھی جادوگر سے اور ولی سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔

تیسری بات بھی ثابت نہیں ہو سکتی اس لیے کہ جو امکان موجودات کی طبیعت میں پایا جاتا ہے وہ اس لیے پایا جاتا ہے کہ وہ شے کبھی موجود ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی جیسا کہ مینہ کا حال ہے کہ کبھی برستا ہے کبھی نہیں برستا۔ پس جو شخص کسی ایک رسول ہونے کا بھی قائل ہو گیا ہو تو اس کے مقابلہ میں کہا جا سکتا ہے کہ رسولوں کا ہونا ممکن ہے مگر جو شخص رسول ہونے کا قائل ہی نہ ہو تو اس کے مقابلہ میں اس کا امکان رکھنا جہالت ہے اور چونکہ لوگوں کی طرف سے ایلچی کا ہونا ممکن مانا گیا ہے تو اس جب

جن اس مخلوقِ الٰہی پر بولا جاتا ہے کہ جو (بسبب لطافت مادہ کے) حسِ بصر سے پوشیدہ رہتی ہے۔ قرآن مجید میں اس قسم کی مخلوق پر کئی جگہ یہ لفظ بولا گیا ہے قال تعالیٰ وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝ الآیہ کہ ہم نے جن کو آگ کے شعلہ سے پیدا کیا' اور اسی طرح اور کئی جگہ یہ لفظ آیا پس جن وہ مخلوقِ الٰہی ہے کہ جس کا مادہ غالب آگ[1] یا ہوا ہو اور چونکہ آگ ہوا سے بھی زیادہ لطیف ہے اس لیے وہ نظر نہیں آتی۔ وہ جو چیزیں اس سے مرکب ہوتی ہیں وہ بھی محسوس نہیں ہوتیں۔ پھر نار کی لطافت اور کثافت کے لحاظ سے (جو بسبب کسی دوسرے جزو کی آمیزش کے ہوتی ہے) جنوں کے چند اقسام ہیں جو خالص نار اور اس کے صاف شعلہ سے مرکب ہیں ان میں اور ملائکۂ ارضیہ میں نہایت مناسبت ہے بلکہ بعض کہتے ہیں کہ یہ بھی ایک قسم کے ملائکہ ہیں اور قرآن میں جو شیطان کو ملائکہ میں شامل کر کے سجدہ کا حکم دیا اور پھر اس کو کَانَ مِنَ الْجِنِّ کہہ دیا اس لیے کہ وہ جن بھی تھا اور فرشتہ بھی تھا کیونکہ ملائکۂ ارضیہ اور جن قسم اعلیٰ ایک ہی چیز ہیں۔ پس اسی لحاظ سے کبھی اس کو جن اور کبھی فرشتہ کہا۔ اور جن میں کہ مادہ ناریہ یا دخانیہ غالب ہے وہ شر کی طرف اکثر مائل ہیں اور ان کے مادہ و صورت نوعیہ کے موجب ان سے آثار اور افعال سرزد ہوتے ہیں۔ اسی نظر سے بعض محققین نے جن اور ملائکہ میں عموم اور خصوص من وجہ قرار دیا ہے۔ پس جن وہ چیز کہ جو اپنے مادہ متوسطہ (یعنی اللطافۃ والکثافۃ الحقیقۃ) کی وجہ سے خیر و شر دونوں چیزوں کے سرزد ہونے کی لیاقت رکھے اور ملک[2] یعنی فرشتہ وہ ہے کہ جو خیر کی صلاحیت رکھے (بسبب لطافت مادہ کے) اور بدی اس سے سرزد نہ ہوئے اور شیطان وہ ہے کہ جو بسبب غلبۂ مادہ کے شر ہی کی استعداد رکھے گو ماہیت سب میں ایک ہے۔ اسی لیے ابلیس نے آدم کے مقابلہ میں خدا سے کہا تھا کما حکی اللہ تعالیٰ عنہ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ۝ ''کہ آپ نے مجھ کو آگ سے اور آدم کو خاک سے بنایا''۔ عرب کے محاورہ میں جنوں پر باعتبار اوصاف کے چند الفاظ بولے جاتے تھے جو جن کہ آدمیوں کے ساتھ رہتے تھے ان کو عامر کہتے تھے کہ جن کو ہماری زبان میں ہمزاد کہتے ہیں اور جو کہ لڑکوں بالوں کو ستاتے ہیں ان کو ارواح کہتے تھے کہ جس کو اہلِ ہند بھوت یا آسیب کہتے ہیں اور جو خبیث اور سخت تکلیف دینے والے ہوتے ہیں ان کو شیطان کہتے ہیں اور جو ان سے بھی زیادہ سرکش ہوتے تھے ان کو مارد کہتے تھے اور جو اس سے بھی بڑے قوی ہوتے ہیں ان کو عفریت کہتے تھے اور جو جنگل میں آواز دیتے اور چیختے ہیں ان کو ہاتف کہتے ہیں اور بعض جو مسافروں کو راہ بھولی بتلا دیتے ہیں ان کو رجال الغیب کہتے ہیں اور جو بیابانوں میں کبھی ایک شتر اور مشعل وغیرہ سی چیزیں دکھائی دیتی ہیں تو ان کو شہاب کہتے ہیں اور جو رات میں یا بعض اوقات دن میں اجاڑ جنگلوں میں کبھی چھوٹے چھوٹے لڑکوں کی صورت میں دکھائی دیتے اور پھر دفعتاً کسی اور شکل میں ظاہر ہو جاتے ہیں الغرض طرح طرح کی صورتیں بدلتے ہیں ان کو چھلاوا کہتے ہیں۔ الغرض ایسی مخلوقات الٰہی کی (کہ جن میں جزو ہوائی یا جزو ناری غالب ہے اور اس وجہ سے وہ دکھائی نہیں دے سکتیں) ہزارہا اقسام ہیں کہ جن پر مطلع ہونا اسی علیم و خبیر کا کام ہے۔ لیکن اہلِ عقل جو حقیقت میں اس بات پر اکثر متفق ہیں کہ جسم ناری مختلف بالاشکال مختلف اسی وجہ سے

---

[1] اگر کوئی شبہ کرے کہ آگ دکھائی دیتی ہے جس کا جواب یہ ہے کہ یہ آگ خالص نہیں بلکہ اس میں آمیزش ہے جس طرح کہ ہوا خالص اور جس کو ... کہتے ہیں نظر آتی ہے خالص نہیں نظر آتی۔ ۱۲ منہ

[2] یہاں ملک سے مراد ملائکۂ سفلیہ ہیں اور اسی لحاظ سے کہ اس قسم کے ملائکہ جن ہیں ان سے بھی اگر کوئی شر سرزد ہو تو عجب نہیں جیسا کہ شیطان سے یا ہاروت و ماروت کا قصہ مشہور ہے تحقیق ذکر کے معنی میں سے۔ ملائکہ علوی ہیں وہ عقل محض ہیں اور تسبیح میں غرق ہیں۔ حقانی

جنوں کا آدمیوں کے ساتھ باتیں کرنا اور بھی عجائب غرائب حرکات سے پیش آنا مشاہدہ میں آچکا ہے۔ زمانہ جاہلیت کے لوگ کہ جن کی زبان میں قرآن اترا ہے ایسی چیزوں کے قائل تھے اور کبھی ان کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے اور کبھی ان کی پرستش کرتے تھے۔ قال تعالیٰ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ط الآیہ "کہ کفار نے خدا اور جنوں میں رشتہ قائم کیا" اور قرآن مجید میں بھی بہت جگہ انسانوں کے مقابلہ میں جنوں کا ذکر ہے۔ سورۂ جن میں ان کا ذکر ہے اور علاوہ اس کے بہت جگہ ذکر ہے
قال تعالیٰ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۔ قال اللہ تعالیٰ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ○ وقال تعالیٰ یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ الآیہ

(ب) قبل اس کے کہ منکر کے دلائل کی طرف رجوع کروں چند امور ضروری بیان کرتا ہوں۔

(۱) یہ کہ قرآن مجید کی بے شمار آیات سے یہ بات صاف صاف معلوم ہوتی ہے کہ ملائکہ کسی کے قوائے بدنیہ کسی شے کے اعراض و صفت نہیں بلکہ (۱) متحیز بالذات (۲) اور کلام کرتے اور (۳) چلتے پھرتے اور (۴) ڈرتے اور (۵) عبادت کرتے ہیں بلکہ ان کے لیے (۶) بازو اور پر بھی ہیں اور (۷) وہ آدمیوں سے کلام بھی کرتے ہیں۔ (۸) اور خدا کا عرش بھی اٹھاتے ہیں اور (۹) لوگوں کی ارواح بھی قبض کرتے ہیں اور (۱۰) بعض کفار عرب ان کو خدا کی بیٹیاں بھی کہتے تھے۔ کما قال تعالیٰ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ○ بلکہ اسی آیت میں اور اس کے علاوہ اور آیات میں صاف تصریح ہے کہ (۱۱) وہ عباد الرحمٰن یعنی خدا کی مخلوق بندے ہیں کہ جو ہمیشہ تسبیح و تہلیل کرتے ہیں اور عالم کے ہر جزو پر تدبیر و تصرف کرتے رہتے ہیں۔ یہاں سے صاف معلوم ہوا کہ وہ قویٰ یا کسی شے کے اوصاف نہیں کیونکہ قویٰ اور اوصاف کا موصوف سے منفصل ہو کر چلنا پھرنا، کلام کرنا، مجسم ہو کر ظاہر ہونا، خدا سے ڈرنا، ہو کر جنگ کرنا، صف بستہ ہونا، شب و روز عبادت کرنا، عرش اٹھانا، خدا سے ہر وقت ڈرتے رہنا، قرآن کو لے کر نازل ہونا، جنت و دوزخ کے لوگوں سے کلام کرنا، عرش کے گردا گرد حلقہ باندھ کر کھڑا ہونا، قال تعالیٰ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ حضرت مریم ؑ کے پاس بشر کی صورت میں آکر کلام کرنا۔ قال تعالیٰ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (مریم کے پاس ہم نے اپنی روح یعنی جبرئیل کو بھیجا تو اس کو خوبصورت بشر کی صورت میں دکھائی دیا) اور حضرت ابراہیم ؑ کے پاس آنا اور پھر لوط کی قوم پر پتھر برسانا اور ان کو غارت کر دینا جیسا کہ سورۂ ہود وغیرہ میں اور تورات سفر خلیقہ میں مذکور ہے وغیرہ ذلک عقلاً محال ہے اور نقل بھی اسی کی شاہد عادل ہے۔

(۲) قوم جن کا ثبوت بھی قرآن مجید کی آیات سے اس صفت کے ساتھ ہے کہ وہ آگ سے پیدا ہوئے ہیں۔

(۳) اور جو آسمانوں میں اڑ کر پہنچتے ہیں کما فی القرآن وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا یعنی جن کہتے ہیں کہ ہم نے آسمان جا چھوا تو اس کو بڑے بڑے سخت پاسبانوں سے بھرے ہوئے پایا یعنی ملائکہ سے اور کفار ان کی عجائب حرکات سے ان کی عبادت کرتے تھے کما قال تعالیٰ یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اور مشرکین جنات کے نام کی دہائی دیا کرتے تھے۔ قال تعالیٰ وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ اور جن آسمانوں کے قریب جا کر فرشتوں کی باتیں سن آیا کرتے تھے قال تعالیٰ وَاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ○ ط یعنی جن

۱؎ اس کی حقیقت بیان اس کے سمجھنے سے [illegible] ۱۲ منہ

کہتے ہیں کہ ہم پہلے آسمانوں کے پاس خبر سننے کے مواضع میں جا بیٹھا کرتے تھے اور اب جو کوئی وہاں جاتا ہے تو اس کے لیے شعلہ آگ کا (جس کو ستارا ٹوٹنا کہتے ہیں) گھات لگائے ہوئے ہے (یعنی اب آسمانی خبریں نہیں لا سکتے اور جو کوئی وہاں جاتا ہے تو اس پر فرشتے انگارے برساتے ہیں) سو یہی اب جو کوئی محض لغوی معنی جن پر (کہ جو پوشیدہ ہوتا ہے) خیال کر کے جن کی نوع کا انکار کرے اور کسی پہاڑی قوم جنگلی باشی کو جو لوگوں سے پوشیدہ رہتی ہوگی (بقول منشی چراغ علی صاحب) نوع جن کا مصداق بنا دے تو وہ ان آیات کا صریح منکر ہے کیونکہ اگر ہم کوئی ایسی قوم بھی فرض کر لیویں جو بقول منشی صاحب و سید صاحب لوگوں سے پوشیدہ رہتی تھی تو عرب کا اس کی عبادت کرنا اور اس سے فلاں فلاں دہائی دے کر مدد مانگنا اور پھر اس قوم کا ذکر آسمانوں تک جانا اور ان کا برخلاف انسان کے دھواں آتش سے پیدا ہونا کما قال تعالیٰ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ اور قرآن میں اس قوم سے ہر جگہ انسانوں کے مقابلہ میں خطاب کرنا کما قال مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ وقال تعالیٰ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ اور ان کے لیے گوبر اور ہڈی کا غذا ہونا[1] (جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت نبی علیہ السلام کے پاس ایک قوم جن کی اسلام لانے اور مسائل سیکھنے آئی اور آنحضرت ﷺ رات کو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر جنگل میں گئے اور کچھ دیا ہیں بیٹھے رہنا اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو سوائے آوازوں کے اور کچھ معلوم نہ ہوتا تھا اور جنوں نے کہا کہ اپنی امت کو ارشاد فرما دیجئے کہ ہڈی اور گوبر سے استنجا نہ کریں کیونکہ یہ ہماری غذا ہے) انسان کی کسی قوم پر صادق نہیں آ سکتا کما یشہد بہ العقل والنقل اور اسی طرح انجیل متی و لوقا وغیرہ میں بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کئی آدمیوں میں سے جن نکالا اور اس جن نے نکلتے وقت کلام کیا اور اب بھی ایسے واقعات اکثر مشاہدہ میں آتے ہیں بلکہ ایک شخص جنوں کے بڑے عامل تھے بہت سے لوگوں کے روبرو انہوں نے عجائب غرائب باتیں دکھلائیں کہ جو شعبدہ اور نیرنجات سے غیر تھیں اور میرے ایک دوست کے ساتھ جن کا عجیب ماجرا گذرا ہے کہ جس کے سننے سے حیرت ہوتی ہے۔

(۳) تحقیق شیطان: شیطان کے لغت میں معنی باطل کے ہیں۔ بعض علماء لغت کہتے ہیں کہ نون اس کا اصلی ہے یعنی شیطان بوزن فیعال شطن سے مشتق ہے کہ جس کے معنی دور ہونا صلاح وغیرہ ہیں۔ پس جو شخص خیر و صلاح سے دور ہوا اس کو بھی شیطان کہتے ہیں اور بعضے کہتے ہیں کہ نون زائد ہے شط بمعنی بطل سے مشتق ہے جس کے معنی باطل کے ہیں بہر حال ہر شخص کو شیطان کہتے ہیں اس لحاظ سے اس کا اطلاق انسانوں میں سے بدکاروں پر بھی ہوتا ہے کما قال تعالیٰ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ اور اسی طرح ابلیس بھی بلس سے مشتق ہے (کہ جس کے معنی نا امید یا مکار) کے ہیں ہر مکار پر بولا جاتا ہے خواہ وہ انسان ہو خواہ کوئی اور۔ لیکن اب کلام اس میں ہے کہ جس پر یہ لفظ ابلیس و شیطان قرآن میں جا بجا بولا گیا ہے آیا وہ کوئی آدمی ہے یا آدمی کی قوت بہیمیہ اور نفس امارہ ہے یا کوئی اور شخص مخالف الحقیقت ہے؟ جمہور اہل اسلام اس کے قائل ہیں کہ وہ ایک شخص خاص از قسم جن ہے کہ جس نے حضرت آدم علیہ السلام کے بارہ میں نافرمانی کی اور راندہ گیا۔ اہل کتاب یہود و عیسائی بلکہ کوئی اس

---

[1] یہاں ایک مشکل ہے کہ گوبر اور ہڈی جنات کی غذا ہونے پر ایک اعتراض واقع آتا ہے کہ جسم غیر مرئی کی غذا مرئی کیسے ہو سکتی ہے اور اگر مان بھی لیا جائے تو یہ ہے کہ ہر ہڈی اور گوبر موجود رہتا ہے کچھ کم نہیں ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی لطیف چیز ان کی غذا ہو جو غیر مرئی ہو اب درست ہو گیا کہ غیر مرئی کی غذا غیر مرئی ہوئی۔ ۱۲ حقانی

کا ایک وجود جداگانہ مانتے ہیں چنانچہ انجیل متی کے چوتھے باب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شیطان سے آزمایا جانا لکھا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ نہ تو عیسائی لوگ اس شیطان سے کوئی آدمی مراد رکھتے ہیں نہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوت بہیمیہ یا نفس امارہ اور اسی طرح تورات سفر خلیقہ میں بھی ہے کہ سانپ نے حوا کو بہکا کر وہ درخت کھلوا دیا اور یہ ظاہر ہے کہ وہ شیطان ہی تھا کہ جو سانپ کی صورت میں ظاہر ہوا تھا ورنہ سانپ کے بہکانا؟ اور اسی طرح زبور میں ہر جملے کے اول اعوذ باللہ کا ترجمہ (یعنی پناہ مانگتے ہیں ہم دیو گمراہ کرنے والے سے) لکھا رکھا ہے کہ جس سے یہی مدعا سمجھا جاتا ہے اور قرآن مجید کی تو بہت سی آیات سے یہ ثابت ہے کہ وہ شیطان آدمی ہے نہ آدمی کی قوت بہیمیہ یا نفس امارہ بلکہ وہ ایک چیز جداگانہ مخلوق مادۂ ناری سے ہے کہ جس کا نام مشہور عزازیل ہے۔ ازانجملہ یہ آیت ہے ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ترجمہ "جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ (تعظیم) کرو تو سب نے کیا مگر ایک ابلیس نے نہ کیا خدا نے اس سے کہا کہ جب ہم نے تجھ کو حکم کیا تو تو نے کیوں نہ سجدہ کیا۔ بولا میں آدم سے کہیں بہتر ہوں تو نے اس کو خاک سے مجھ کو آگ سے بنایا۔" اس آیت سے صاف ظاہر ہوا کہ اس کا مادہ ناری ہے اور نار چونکہ لطیف ہے اس لیے وہ محسوس بحس بصر نہیں ہو سکتا کما قال تعالٰی اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۝ الآیہ "کہ وہ شیطان اور اس کی ذریت تم کو دیکھتی ہے اور تم کو وہ نظر نہیں آتے" اور اسی لیے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جب تم بیت الخلاء میں جایا کرو تو یہ کہہ لیا کرو اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَآئِثِ کیونکہ شیاطین بنی آدم کو ننگا دیکھتے ہیں رواہ الترمذی۔ ازانجملہ یہ آیت ہے كَانَ مِنَ الْجِنِّ الآیۃ "کہ شیطان قوم جن سے تھا" اور جن کی پیدائش آگ سے ہے کما قال تعالٰی خَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝ (سید صاحب کہتے ہیں کہ شیطان قوت بہیمیہ یا نفس امارہ کے سوائے اور کوئی چیز نہیں ان کے اس خیال کے غلط کرنے کے لیے تو یہی آیات کافی ہیں کیونکہ قوت بہیمیہ آدمی کی ایک صفت ہے اس کا سجدہ سے انکار کرنا اور مادۂ آتشی سے پیدا ہونا اور اس کا جن کی قوم سے ہونا اور اس کا اور اس کی ذریت کا بنی آدم کو دیکھنا پھر اس کا سوال و جواب کرنا اور اپنے آپ کو آدم سے بہتر بتلانا اور وجہ امتیاز کی یہ بیان کرنا کہ میرا مادہ آتش اور آدم کا مادہ خاک ہے اور پھر اس کا جنت سے نکالا جانا اور اپنے لیے دعا کرنا کہ مجھ کو حشر تک زندہ رکھ کہ آدم کی اولاد کو بہکا کر اپنا دل ٹھنڈا کروں اور پھر خدا کا اس کو اور اس کے متبعین کو جہنم میں ڈالنا قوت بہیمیہ پر ہرگز صادق نہیں آتا اور کوئی تاویل ہو نہیں سکتی۔ ہاں اگر ہنود کے طرز کو اختیار کرلے اور جس طرح وہ برہما بشن مہادیو کو خدا کی تین صفات کہتے ہیں اور پھر ان کو مجسم ہو کر جداگانہ متمیز بالذات اور کھانا پینا جماع کرنا بھی مانتے ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ گنگا جمنا کو عورت بھی کہتے ہیں اور دیوی بتلاتے ہیں پھر دریا بھی کہتے ہیں یا عیسائی طور کو پسند کرلے کہ باپ خدا بیٹا خدا روح القدس خدا پھر ایک خدا۔ الغرض جو ایسے محالات عقلیہ کا قائل ہو جائے تو پھر اس سے ہمارا کلام نہیں وہ جو دل چاہے سو کہے۔ ازانجملہ یہ آیت ہے قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ یعنی اتر جنت سے تجھ کو یہاں رہ کر تکبر کرنا شایاں نہیں نکل یہیں سے اور ذلیل و خوار۔ ازانجملہ یہ ہے قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ شیطان نے عرض کیا کہ الٰہی مجھ کو قیامت تک زندہ رکھ جواب آیا کہ جا تجھ کو ایک وقت معین تک مہلت ہے قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ

عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ○ یعنی "شیطان نے کہا کہ تو نے مجھ کو گمراہ تو کر ہی دیا ہے میں بھی آدم کی اولاد کو تیری سیدھی راہ سے بہکاؤں گا۔" اور مجھ پر ہے کہ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ أَجْمَعِينَ ○ "میں تجھ سے اور تیرے سب پیروؤں سے جہنم بھر دوں گا۔ سید صاحب فرمائیے اگر شیطان آدم کی قوت بہیمیہ تھی تو وہ آدم کا وصف تھا پھر اس نے کیا مجھ کو کہہ دیا کہ میرا مادہ آتش ہے؟ اچھا اس نے کہا تھا خدا پاک نے کیوں اس کو جن کہا اور مادۂ آتشی اس کی اصل قرار دیا؟ پھر آپ فرماتے ہیں کہ "فرشتوں کا آدم کو سجدہ کرنا اور شیطان کا نہ کرنا ایک معما ہے کہ جس کے یہ معنی کہ قوائے ملکیہ نے آدم کی اطاعت کی اور بہیمیہ نے نہ کی۔ الخ" اے جناب باجماع اہل اسلام یہ نہیں تو اور کیا ہے کیونکہ جب آپ نے ملائکہ سے مراد قوائے ملکیہ لی اور ان کو آدم کے لیے مسخر بنایا تو اب آدم کی قوت بہیمیہ کیونکر سرکشی کر سکتی ہے؟ اور اگر قوت بہیمیہ نے سرکشی کی کہ جس کو آپ شیطان کہتے ہیں (حالانکہ یہ خلاف ہے اس آیت کے إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ کیونکہ اس آیت کے حسب قرارداد آپ کے یہ معنی ہوئے کہ خدا کے بندوں پر قوت بہیمیہ غالب نہیں آتی) تو پھر قوت ملکیہ کی اطاعت چہ معنی دارد۔

خرابی میں پڑا ہے بیچنے والا دین و ایمان کا
جو یہ مانا تو وہ ابھرا جو وہ ابھرا تو یہ کانٹا

پھر وہ قوت بہیمیہ جہنم میں کیوں کر جائے گی اور وہ جنت سے کیونکر نکالی گئی؟" الغرض قافیہ تنگ ہے۔

(۴) امر چہارم: جس کلام کے جب تک حقیقی معنی مراد ہو سکیں ان کو چھوڑ کر مجازی معنی مراد لینا عقل و نقل کے خلاف ہے کیونکہ اس تقدیر پر نہ تو شارع کے کلام سے کوئی مدعا ثابت ہو سکے گا اور نہ کسی کی بات چیت کسی کو کچھ فائدہ بخش سکے گی ایک اندھیر مچ جائے گا مثلاً کسی نے کہہ دیا کہ ان کی مراد کچھ اور ہے مثلاً حدیث یا کسی نے حکم دیا کہ اس کو قصاص میں قتل کرو۔ کسی نے کہہ دیا کہ یہ مراد ہے کہ مجھ کو ملامت کر کے چھوڑ دو کیونکہ ملامت کرنا بھی ایک قسم کا قتل کرنا ہے یا کسی نے کہا کہ زید بلا شبہ فاجر و کافر ہمارے پاس آیا تھا ہم اس کے گواہ ہیں۔ کسی نے کہہ دیا کہ یہ کلام مقصودی نہ تھا بلکہ مخالف کے خیال کے موافق یوں ہی کہہ دیا۔ بہر طور دنیا میں انتظام نہ رہے۔ پس ان خرابیوں کے رفع کرنے کے لیے اہل عقل نے یہ بات مقرر کر دی کہ ہر کلام کو اس کے ظاہری معنی سے بدل کر مجاز مرسل یا استعارہ یا کلام غیر مقصودی جب کہیں گے کہ اس کے اصلی معنی درست نہ ہو سکیں اور کوئی مجازی معنی کے لیے قرینہ بھی ہو کہ جو اصلی معنی کو قائم ہونے سے منع کرے مثلاً شیر کے اصلی معنی وہ جنگلی درندہ ہے ہم اس کے معنی بہادر جب قرار دیں گے جب کوئی قرینہ ہو گا مثلاً یوں کہیں کہ شیر لکھ رہا ہے اب لکھنا قرینہ ہے کہ یہاں شیر سے مراد بہادر آدمی ہے کیونکہ جنگلی درندہ سے لکھنا متصور نہیں۔ ان باتوں کی زیادہ تشریح علم معانی و بیان میں ہے۔ اس سے زیادہ کی یہاں گنجائش نہیں بنظر تطویل۔

اب میں دکھاتا ہوں کہ جہاں کہیں سید صاحب قرآن کے معنی حقیقی چھوڑ کر برخلاف سلف و خلف الگ راہ چلے ہیں اور دل کھول کر کلام الٰہی میں اپنے آزادانہ خیالات کو دخل دیتے ہیں وہاں کیا قرینہ ہے اور کون سا امر ہے جو معنی متعارف کو (کہ جس کو پیغمبر علیہ السلام کی ہم زمان و ہم زبان سمجھتے آئے ہیں) صحیح نہیں ہونے دیتا؟ اور کون سی مشکل سید صاحب کو پیش آئی جس نے نہ تو جمہور اہل اسلام بلکہ کل اہل ادیان یہود و عیسائیوں کے مخالف ہو کر ملائکہ اور جن اور شیطان کے معنی میں

نہ ہو اس کو لا شئے محض کہتے ہیں۔ پھر اس خیال کو جو اور زیادہ ترقی ہوتی ہے تو جو چیزیں ان کے نزدیک اسباب ظاہرہ پر تی نہ ہوں سب غلط ہو جاتی ہیں۔ نہ پھر وہ اثر دعاء کے قائل رہتے ہیں اور نہ کبھی کسی نبی یا ولی کے اعجاز یا کرامت کو حق مانتے ہیں نہ جن و ملائکہ و شیطان کے جدا گانہ وجود کو تسلیم کرتے ہیں نہ وہ خدا کے قدیری بے انتہا قدرتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور جو اس سے بھی نمبر بڑھ جاتا ہے تو وہ کوچۂ الحاد کی سیر کرتے ہیں۔ پھر نہ خدا کے قائل نہ رسول کے معتقد۔ چنانچہ آج کل یورپ میں ان خیالات کے لوگ پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ چند روز کا ذکر ہے کہ لندن میں ایک شخص نے پارلیمنٹ میں داخل کرتے وقت حلف حسب دستور لینا چاہا۔ اس لئے کہ خدا کوئی چیز نہیں۔ الغرض یہ مقدمہ پارلیمنٹ میں پیش ہوا۔ بہت سے لوگ اس کی رائے کے موافق نکلے۔ بہت سے دہریے لوگ یہی کہتے ہیں کہ نہ کوئی خدا نہ کوئی رسول کوئی چیز حلال نہ حرام نہ قیامت نہ آخرت کی کچھ جزا و سزا۔

بعض ہر زمانہ کے اہل عقل نے کہ جس کو پیغمبر کہتے ہیں ایک فرضی جزا و سزا قرار دی ہے اور اس وقت کی مناسب چیزوں کو فرض کیا اور فرضی جنت کا وعدہ دیا اور اس وقت کی نامناسب چیزوں کو حرام کیا اور اس فرضی دوزخ کی سزا سے ڈرایا۔ کم عقل ان باتوں کو خدا کی باتیں سمجھتے ہیں اور بعض لوگ رسالت کا کوئی بڑا بھاری رتبہ فرض کرتے ہیں کہ پھر اس کا مثل کسی کو نہیں ملتے اور بعض اس رسالت کو ایک شخص پر ختم کر دیتے ہیں۔ درحقیقت یہ خیالات فاسد ہیں کیونکہ نبی وہ ریفارمر ہے جو اپنی قوم کی ترقی اور خیر خواہی اور بھلائی کی فکر کرے نہ اس کے لیے کوئی معجزہ شرط ہے اور نہ معجزہ ممکن ہے بلکہ جس میں یہ ملکہ ہو وحی نبی ہے اور اسی کے خیالات کا زور و شور اس کا الہام ہے اور وہ خیالی صورتیں جیسا کہ مجنونوں کو نظر آتی ہیں اس کا جبرئیل اور ملائکہ اور رجال الغیب ہیں۔ پھر یہ نبوت کسی پر ختم نہیں۔ ہر زمانہ میں ہر ملک ہر شہر ہر قوم میں ایک نبی ہے وہ جن باتوں کو حسب زمانہ بہتر بتلا دے وہ فرض ہیں اور جن کو نامناسب کہہ کر منع کرے وہ حرام ہیں۔ ہر ملک اور ہر قوم اور ہر زمانہ کے واجبات اور محرمات کے احکام الگ ہیں۔ جو احکام نیچر کے موافق ہیں وہ فرض ہیں ورنہ حرام ہیں۔ انتہی۔ العیاذ باللہ من ہذہ الخرافات۔

الغرض یہ سب بکھیں اسی قوت وہمیہ کی بدولت ہیں اور میں اس وقت بلاتعصب کہتا ہوں کہ سید صاحب بہادر اور ان کی ذریات کے خیالات ایسے ہی ہیں چنانچہ ان کی تصانیف بالخصوص اس تفسیر میں صراحۃً مذکور ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس مرض سے شفاء عطا فرمائے اور ان خیالات کے نتیجہ (ابدی جہنم) سے بچاوے۔

جواب سید احمد خان صاحب کے دلائل کا: اب میں سید صاحب کے دلائل کو دیکھتا ہوں کہ جن کے اعتماد پر حضرت نے ضروریات دین کا انکار کیا ہے کہ وہ کیسے ہیں؟ سر دست تو ملائکہ و شیطان کی بابت جو کچھ آپ نے فرمایا ہے ہم اس کو دیکھتے ہیں اور آئندہ جہاں جہاں آپ نے اپنے وطیرہ کے موافق یہ انکار یا تاویل (جو بمنزلہ انکار ہے) کی ہے ان کو بھی دیکھیں گے۔

قول صفحہ ۲۰ جبرئیل و میکائیل یہودیوں نے فرشتوں کے لیے مقرر کئے تھے اور ان کے ہاں سات فرشتے تھے بہت مشہور فرشتوں میں ہیں مگر اس کا ثبوت نہیں کہ کسی نبی نے ان کو بتایا تھا کہ یہ فرشتوں کے نام ہیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سفیہ

کا انکار (ان کا خدا کا نام آنے کی وجہ سے) کر دیا خدا کا ذکر دیا گیا اگرچہ درحقیقت اور پھر تو مستند ہے کچھ عجب نہیں کہ آپ کی ذریت میں سے کوئی کوٹ پتلون پوش جانشین خدا کا نام بھی یہاں نکال یا بیان کر کے اس کے وجود حقیقی کی نفی کر دے اور شاید اس وقت اس کے وجود حقیقی کی نفی یوں کی گئی کہ اگر خدا نہیں تو اس کے رسول کہاں؟ اور جب رسالت کوئی چیز نہیں تب آپ اور بھی سے کہ رسول سے معجزات تو ممکن ہی نہیں پھر ہر شخص پکا دنیا دار شراب نوش چرب زبان کہ جس میں ہوا پرستی کے کام کی مادہ ملکۂ چرب زبانی (یعنی رفارمری) ہو پیغمبر ہو جاوے اور اپنی امت جدا بنا دے کہ جس پیغمبر کا مصداق بقول سید احمد خان صاحب بابو کیشب چندر اور دیانند سرستی اور خود سید صاحب ہیں (اور ممکن بعد ان کے اور بھی ان کے جانشین ہوں گے انکار نہ ہوگا۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ سید صاحب کتب ملائکہ میں اپنے وعدہ کو کیسا پورا کرتے ہیں'

قولہ ص ۱۲۳ فرشتوں کی نسبت بھی جو بحث ہے وہ نہایت قابل غور طلب ہے''

اقول اس میں کیا شک ہے بہت سے لوگ پہلے بھی انکار کر چکے ہیں کما سیاتی۔ اور آپ بھی سنبھل کے قدم رکھئے گا۔

قولہ قرآن مجید میں فرشتوں کا ذکر آیا ہے اور اس لیے ہر ایک مسلمان کو جو قرآن پر یقین رکھتا ہے فرشتوں کے وجود اور ان کے مخلوق ہونے پر یقین کرنا ضروری ہے۔

اقول پھر کیا وجہ کہ آپ باوجود ادعاء ایمان کے فرشتوں کو موجود اور مخلوق نہیں مانتے یہاں سے ثابت ہوا کہ آپ نہ مسلمان ہیں نہ قرآن پر یقین رکھتے ہیں کہ جو فرشتوں کو موجود اور مخلوق نہیں کہتے۔ اگر آپ یہ فرمائیں کہ میں موجود اور مخلوق کہتا ہوں مگر ان کی حقیقت میں بحث کرتا ہوں کما سیأتی۔

قولہ جہاں تک بحث ہے اس پر بحث ہے کہ وہ کیسی مخلوق ہے الخ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب آپ فرما چکے کہ ملائکہ خدا کی صفات ہیں تو اب ان کا موجود و مخلوق ہونا کہاں؟ کیونکہ خدا کی صفات بقول اکثر عین ذات ہیں اور اگر لا عین ولا غیر بھی ہوں تو ان کو مخلوق اور حادث کوئی نہیں کہہ سکتا اور آپ بھی صفات باری کو مخلوق اور حادث نہیں کہتے بلکہ آپ تو عین ذات کہتے ہیں۔ پھر جب آپ نے ان کو صفات باری کہا تو بلاشک ان کے مخلوق ہونے کا انکار کیا۔

اب آپ کو اختیار ہے خواہ مسلمان قرآن پر یقین رکھنے والے ہو جائیے یا فرشتوں کے موجود اور مخلوق ہونے سے انکار کیجئے۔

قولہ عام خیال مسلمانوں کا اور علماء اسلام کا یہ ہے کہ جس طرح انسان وحیوان جسم وصورت وشکل رکھتے ہیں اسی طرح وہ بھی الخ اور ان کے پر بھی ہیں جن سے وہ اڑ کر آسمان پر جاتے اور زمین پر اترتے اور خدا کا پیغام پیغمبروں تک پہنچاتے ہیں الخ۔

اقول یہ خیال اہل اسلام کا صحیح اور قرآن کے مطابق ہے بلکہ جو قرآن پر یقین رکھتا ہے اس کے لیے اس خیال کا پابند ہونا ضروری ہے جیسا کہ آپ بھی ابھی فرما چکے ہیں مگر آپ کو کیا دشواری پیش آئی جو آپ زمرۂ اہل اسلام سے خارج ہو گئے اور قرآن کا انکار کر بیٹھے۔ قولہ ہمارے پاس کسی ایسی مخلوق کے ہونے سے جو کسی قسم کا جسم وصورت بھی رکھتی ہو جو ہم کو دکھائی

خود ہی ہو (جیسا کہ ملائکہ) انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ پس ہم کہتے ہیں کہ ایسی مخلوق کے ہونے کا دعویٰ بھی نہیں کرتے۔

اقول ثابت ہوا کہ جو آپ انکار کرتے ہیں تو محض بلا دلیل کرتے ہیں۔

قولہ کیونکہ ان باتوں کے اثبات کے لیے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں قرآن مجید سے فرشتوں کے اس قسم کے وجود اور ان کے اس قسم کے جسم کا اور ان کے ان افعال کا جن کا ذکر اوپر ہوا کچھ ثبوت نہیں۔ اقول وہ دلائل عقلیہ جو ہم نے بیان کئے اور الٰہیات میں حکماء نے بیان کیے آپ کو کیوں نہ معلوم ہوں گے اور قرآن مجید کی آیات سے یہ باتیں ہم ابھی ثابت کر چکے ہیں۔ پس آپ کا یہ دعویٰ کرنا اہل قرآن کے روبرو قہقہہ اڑانا ہے۔ ذرا ان آیات کو تو دیکھئے کہ جن میں پر اور مجسم ہو کے نظر آنا وغیرہ وغیرہ اوصاف مذکور ہیں پھر آپ کس دلیری سے انکار کرتے ہیں؟ ذرا شرم بھی چاہیے۔

قولہ فرشتوں کے اس قسم کے وجود اور افعال کا ثبوت ضرور ہے کہ دلیل عقلی سے ہوگا۔

اقول بلکہ ادلہ عقلیہ سے بھی ہے جیسا کہ ہم نے ان کو صدر فصل ہذا میں بیان کیا دیکھ لو۔

قولہ اور اسی لیے قبل شروع کرنے اس بحث کے ہم کو مناسب معلوم ہوا کہ علماء کلام نے جو بحث نسبت دلیل نقلی کے کی ہے اس مقام پر اس کو نقل کریں۔

اقول وہ بحث جو ادلۂ نقلیہ پر کی ہے علماء کلام نے نہیں کی بلکہ معتزلہ کے احتمالات عقلیہ ہیں کہ جن کا جواب ذرا ان شکن بھی علماء کلام نے دیا ہے جیسا کہ آپ نے بھی نقل کیا ہے۔ قولہ شرح مواقف میں اس بات پر ایک بحث لکھی ہے کہ دلائل نقلیہ جن سے مطالب پر استدلال کیا جاتا ہے مفید یقین ہیں یا نہیں معتزلہ اور جمہور اشاعرہ کا یہ مذہب ہے کہ مفید نہیں اور اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ موقوف ہے۔

اقول جواب یہ ہے قولہ صاحب شرح مواقف نے ان دلیلوں کے لکھنے کے بعد یہ لکھا ہے کہ یہ دلیلیں ٹھیک نہیں ہیں بلکہ حق یہ ہے کہ دلائل نقلی شرعیات میں ان قرائن سے جو منقول میں مشاہدہ ہوتے ہیں اور بطور تواتر کے ہم تک پہنچے ہیں اور جن سے تمام احتمالات جاتے رہتے ہیں مفید یقین ہوتے ہیں۔ الخ

اقول کیوں جناب آپ نے جو کچھ اپنے ادلۂ نقلیہ پر شبہات قائم کئے تھے ان کا جواب بھی آپ نے تسلیم کر لیا۔ پھر کس اعتماد پر آپ ادلۂ نقلیہ کا جو وجود ملائکہ پر اور ان کے افعال پر بالصراحت دال ہیں انکار کرتے ہیں؟ غایۃ الامر آپ معتزلہ کے مذہب کے موافق ظن کا مرتبہ تسلیم کرتے نہ کہ انکار ہی کر بیٹھتے۔

قولہ میں ان سب سے زیادہ ایک اور امر ہے جس پر شارح مواقف اور صاحب مواقف اور کسی نے بھی غور نہیں کیا (کیوں نہ ہو وہ آپ کا ہی حصہ تھا) اور وہ کلام غیر مقصود ہے۔ الخ

قولہ قرآن مجید میں اس قسم کا کلام غیر مقصود نہایت کثرت سے ہے۔ مشرکین و اہل کتاب کے عقائد میں بہت سی ایسی باتیں سمائی ہوئی تھیں جن کا درحقیقت کچھ وجود نہ تھا یا وجود تھا مگر اس کی جو حقیقت کہ وہ سمجھتے تھے دراصل وہ نہ تھی یا وہ بات ظاہر میں دکھائی دیتی تھی اور بطور غلط العام یا بااعتبار مشاہدہ اسی کو واقعی سمجھتے تھے حالانکہ حقیقت اور اصلیت برخلاف اس کے تھی اور قرآن مجید کو اس سے بحث مقصود نہ تھی اس لیے اس کو اسی طرح بیان کیا جس طرح مشرکین اور اہل کتاب خیال کرتے تھے

اسنا

اقول اس تمہید کا حاصل یہ ہے کہ قرآن مجید میں بعض ایسی بہت سی باتیں (کہ جن کا درحقیقت کچھ وجود واقعی نہیں لیکن ان کو مخاطب تسلیم کرتے تھے) مذکور ہیں لیکن اس سے سید صاحب پر تو کہیں بھی لازم نہیں آتا کہ ملائکہ اور ابلیس وانبیاء بھی اسی قبیل سے ہیں تاکہ آپ کا مدعا ثابت ہو۔ کیونکہ اس قسم کی باتیں کلام غیر مقصود میں واقع ہوتی ہیں مگر جو کلام کہ اسی کو خاص مقصود کے لیے چلایا ہو اس میں ان احتمالات کا کہیں گذر ہی نہیں ہوتا۔ اس تمہید کے بعد آپ پر ضرور تھا کہ ان آیات کو (کہ جن میں ملائکہ کے وجود جداگانہ اور ان کے افعال کا ذکر ہے) کلام غیر مقصود ہونا ثابت کر دیتے مگر اس بات سے تو آپ کانوں پر ہاتھ دھر کر اور ہی طرف چل دیے کبھی یہود کے عقائد کو کبھی نصاریٰ کے عقائد کو کبھی مشرکین کے عقائد کو ملائکہ کی نسبت بیان کرنا شروع کر دیا اور ورق کے ورق اسی میں سیاہ کر دیے اور کبھی دو چار جملے تصوف کے ملائکہ کی نسبت بول گئے تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ اللہ جل جلالہ نے اپنی کتاب مجید میں انہیں یہودیوں یا عیسائیوں یا مشرکین کی تقلید سے ان غلط اور بے اصل مضامین کو بھر دیا تعالیٰ اللہ عن ذلک علوا کبیرا۔ مگر ان آیات کا کلام غیر مقصود ہونا آپ سے قیامت تک بھی ثابت نہ ہو سکے گا۔ یوں کر لیں رہنا نصیب ضعیف الایمان والوں کے دل میں شبہ ڈالنے کے لیے آپ جو چاہے کیے جائیے بلکہ وہ آیات کلام مقصود ہی ہیں چند وجہ سے۔

اول یہ کہ ہر کلام کے مقصود یا غیر مقصود سمجھنے کے لیے متکلم کے ہم زبان و ہم زمانہ با مذاق لوگ ہوتے ہیں پس پیغمبر علیہ السلام کے صحبت یافتوں اور ہر وقت کے پاس بیٹھنے والوں اور عرب العرباء کو (کہ جن کے محاورہ میں قرآن اترا) کبھی غیر مقصود ہونا معلوم نہ ہوا اور ان کے بعد سے اب تک کسی ملک میں کسی زباں داں کو یہ بات نہ معلوم ہوئی نہ کسی مفسر کو سوجھی۔ تو تیرہ سو برس بعد ایک شخص کو سوجھی کہ نہ جس کو صرف نحو سے آشنائی نہ لغت سے تعارف نہ زبان عرب قدیم و جدید سے کچھ مس اور جس کی عقل سلیم کا یہ حال کہ نہ اس کی دلیل و دعوے میں کچھ ربط نہ اس کو یہ تمیز کہ یہ دلیل میرے دعویٰ کے لیے مفید ہے یا مضر۔

(دوم) ہر کلام کا مقصود یا غیر مقصود ہونا اس کے سیاق و سباق سے معلوم ہو جاتا ہے جب ان آیات کو دیکھا جاتا ہے تو ان میں غیر مقصود ہونے کی بو بھی نہیں آتی بلکہ متعدد جگہ میں نئے نئے اسلوب سے وجود ملائکہ و ابلیس وانبیاء کو بیان کیا ہے اور کوئی قرینہ غیر مقصود ہونے کا ہے نہیں۔

(سوم) یہ چیزیں کچھ قرآن ہی میں مذکور نہیں بلکہ ہر کتب سماویہ میں اور ہر نبی کی زبان سے ان کا بیان منقول ہے۔ پھر اس اتنی بڑی غلطی کو خدائے پاک نے اپنی ہر کتاب میں کیوں داخل دیا؟ اور اس کے انبیاء علیہم السلام نے کیوں غلط وجود کو ثابت کیا۔ کیا لوگوں کو دھوکا دینا منظور تھا؟ کیا ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ تیرہویں صدی میں سید احمد خاں صاحب بہادر دنیا سے نرے محقق اور فلاسفر ہمارے اس دھوکا بازی کو طشت از بام کر دیں گے؟

(چہارم) اگر یوں ہی بغیر قرینہ ہر کلام کو غیر مقصود اور مجازی کہہ دیا کریں تو پھر اب سید صاحب کے انکار کا بھی کیا اعتبار ہے کچھ عجب نہیں کہ محمدوں کے لیے انہوں نے بطور کلام غیر مقصود انکار کر دیا ہو۔

تحقیق ہیں۔

قولہ صفحہ ۱۵۰ بعض لوگوں کا یہ بھی خیال تھا کہ یہودیوں کا یہ دستور ہے کہ خدا کی عظمت اور قدرت کے ہر ظہور کو فرشتوں کی وساطت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اقول یہ تسلیم ہے مگر اس سے تو فرشتوں کے وجود کا ثبوت ہوتا ہے نہ کہ نفی

قولہ اسی لیے وہ فرشتوں کے وجود اصلی کو نہیں مانتے اور یہ سمجھتے ہیں خدا کی قدرت کی غیر معلوم قوتوں کا نام فرشتہ رکھ دیا ہے۔

اقول یہ کس بیوقوف یہودی کا قول ہے۔ کیونکہ فرشتوں کو وسیلہ اور مظہر قدرت و عظمت تسلیم کرنا پھر ان کا وجود اصلی نہ ماننا اجتماع النقیضین نہیں تو اور کیا ہے؟ خدا کی قدرت کی غیر معلوم قوتوں کے کیا معنی ہیں؟ قدرت کی قوت ہم نے آج ہی سنی ہے واہ رے معقولیت!

قولہ ص ۱۵۱ اب ہم کو اس بات کی تلاش کرنی ہے کہ قدیم مشرکین عرب کا یعنی اس زمانہ کے عربوں کا جبکہ یہودیوں کا میل جول عرب میں نہ تھا فرشتوں کی نسبت کیا خیال تھا اور آیا وہ لفظ ملک اور ملائکہ کو انہیں معنوں میں خیال کرتے کہ جن میں یہودی کرتے تھے یا نہیں۔ جہاں تک کہ ہم نے تحقیق کی ہے قدیم عربوں کا لفظ ملک اور ملائکہ کی نسبت ایسا خیال نہیں جیسا یہودیوں کا ہے ثابت نہیں ہوا۔

اقول آپ کا کلام یہاں تک تو مفید مدعا جناب ہے۔ سو اس کا جواب دیتا ہوں مگر یہ جو آگے آپ نے ایک طویل گفتگو کی ہے قولہ مشرکین عرب بلاشبہ ارواح فلکی کو یا ارواح فرضی کو (ارواح فلکی کیا چیز ہیں اور ارواح فرضی سے کیا مراد ہے وہ کیا فرض کر رکھا تھا) یا ارواح اشخاص متوفی کو بطور خدا کے پوجتے تھے الخ۔ مگر ان پر بھی لفظ ملک یا ملائکہ کا اطلاق نہیں کرتے جہاں تک کہ ہم سے ہو سکا ہم نے اشعار جاہلیت پر بھی جس قدر کہ ہم کو دستیاب ہوئے غور کیا ہم کو کوئی شعر بھی ایسا نہیں ملا جس میں لفظ ملک یا ملائکہ کا ان ارواحوں پر اطلاق ہو کہ جن کو وہ پوجتے تھے الخ۔ محض لاطائل ہے نہ آپ کو مفید نہ ہم کو مضر کیونکہ ہم کب اس بات کے قائل ہیں کہ عرب کے لوگ ارواح متوفی پر یا اپنے معبودوں پر لفظ ملک بولتے تھے پھر آپ نے ابو عبیدہ کے اشعار بلا فائدہ نقل کر کے کیوں کتاب دراز فرمائی۔ اب اپنے کلام مفید کا جواب سنیے یہ آپ کی تیسری دلیل بھی ملائکہ پر ہے یہ غلط ہے چند وجہ سے۔

اول تو آپ کا یہ کہنا (کہ قدیم عرب لفظ ملائکہ کو ان معنی پر کہ جن کے اہل ادیان قائل ہیں استعمال نہیں کرتے) صریح غلط ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ۝ الآیہ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مشرکین ان ملائکہ کو کہ جن کی مدح خدا عباد الرحمن کے ساتھ کرتا ہے خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ اب وہ عباد الرحمن وہی اشخاص تو ہیں کہ جن کو اہل ادیان ملائکہ کہتے ہیں اور اگر یہ نہیں تو وہ اور کیا چیز ہیں کہ جس کو وہ بنات الرحمن یا اناث الرحمن

---

۱ اس سے مراد اہل اسلام کا عقیدہ ہے کیونکہ یہود اور اہل اسلام میں ملائکہ کی نسبت چنداں اختلاف نہیں۔ لیکن سید صاحب یہود کے نام سے حقارت دلانے کے لیے تعبیر کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

کہتے تھے؟ برواج لفظی و معنوی پر تو بقول آپ کے وہ یہ لفظ اطلاق ہی نہیں کرتے تھے اور جن کے آپ قائل نہیں اور صفحہ ۱۵۱ میں جو آپ نے بلا فائدہ ابی عثمان جاحظ کا قول نقل فرما کر ایک روایت بے اسناد عبداللہ بن عمر بن عاص رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ قریش جن کے سرداروں کو بنات الرحمن یعنی خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اس آیت کے معارض نہیں ہو سکتی کیونکہ ممکن ہے کہ عرب کے لوگ جن کے سرداروں کو بھی خدا کی بیٹیاں کہتے ہوں اور ملائکہ کو بھی۔

(وجہ دوم) آپ کا یہ قول اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ عرب ان غیر مرئی چیزوں کو جن کو نیک و پاکیزہ سمجھتے تھے اور جن سے خلقت کو بھلائی اور نیکی پہنچنے کا خیال کرتے تھے ان کو ملک کہتے تھے انتہی۔ اس قول کی صریح تحقیق ہے کیونکہ یہود یا اہل اسلام بھی تو ملائکہ کو غیر مرئی پاکیزہ سمجھتے ہیں پھر دونوں کی مباحث ہے کہ جس کی وجہ سے آپ فرماتے ہیں۔ قولہ گر وہ معنی اور مراد جو ملک کے لفظ سے یہودیوں نے مقرر کئے تھے یا جو زمانہ اسلام کی کئی صدی بعد کی مصنفہ کتب لغت میں لکھوری گئی ہیں کہ معنی و مراد میں عرب لفظ ملک کو استعمال نہیں کرتے تھے۔ انتہی۔

(وجہ سوم) آپ کے اختراعی معنی پر تو لفظ ملک کا اطلاق ہونا کہیں سے ثابت نہیں ہوا۔ نہ زمانہ جاہلیت کے عرب سے نہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ سے نہ کسی اور قوم سے پھر دونوں سے معنی ہیں کہ جن پر لفظ ملک قرآن میں بولا گیا۔

(وجہ چہارم) بالفرض اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جاوے کہ زمانہ جاہلیت کے وہ عرب کہ جن سے یہود و نصاریٰ کا میل جول نہ ہوا تھا لفظ ملک کو معنی مروجہ اسلام پر نہ بولتے تھے تو کچھ حرج نہیں کیونکہ زیادہ رعایت اس زمانہ کی ہے کہ جس میں قرآن نازل ہوا۔ اس زمانہ کے لوگ خواہ یہود کے میل جول سے یا کسی اور طور سے بلاشک ملک کے یہی معنی مراد رکھتے تھے کہ جو اہل اسلام کے نزدیک معتبر ہیں۔

(وجہ پنجم) اگر یہ بھی نہ ہوتا اور فرض کیا جاتا کہ عرب کے لوگ ملک کے معنی مروجہ سے بالکل ناآشنا تھے مگر اس قدر جانتے تھے کہ غیر مرئی پاکیزہ چیز کو ملک کہتے ہیں۔ تب بھی مدعا ثابت ہے کیونکہ عرف شرع میں معنی لغوی کی پوری رعایت کچھ ضروری بات نہیں گو قرآن محاورہ عرب میں نازل ہوا ہے مگر بہت سے الفاظ کے معنی شرع نے منقول کر کے ایک نئے طور پر رکھے ہیں۔ دیکھئے زکوٰۃ اور صلوٰۃ اور صیام کے معنی اور شرعی معنی میں کس قدر فرق ہے۔ لغت میں زکوٰۃ پاکی اور صلوٰۃ دعا کو اور صیام مطلق بند رہنے کو کہتے ہیں۔ شرع میں زکوٰۃ مال معین کا چالیسواں حصہ ادا کرنا اور صلوٰۃ ارکان مخصوصہ کا بجا لانا اور صیام اکل و شرب و جماع سے طلوع صبح صادق سے غروب آفتاب تک باز رہنے کو کہتے ہیں اسی طرح شرع نے ملک کے معنی میں تصرف کیا ہو تو کیا محال ہے؟ کیا کوئی زکوٰۃ و صلوٰۃ و صیام کے لغوی معنی پر عمل کر کے شرعی فرض سے بری الذمہ ہو سکتا ہے؟ جناب عالی یہی نکتہ تو آپ کی سمجھ میں نہ آیا جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب سے یہ خطا ہوئی۔

(وجہ ششم) ص ۳۹ میں آپ خود فرماتے ہیں کہ عام مسلمانوں کا عقیدہ وہی ہے جو عرب کے بت پرستوں کا تھا انتہی۔ اب معلوم نہیں کہ آپ کی دونوں باتوں میں سے کونسی غلط ہے؟

قولہ ص ۱۵۳ قرآن مجید میں کلام مقصود میں کسی جگہ لفظ ملک یا ملائکہ کا اس مراد سے استعمال نہیں ہوا ہے جو مراد کہ یہودیوں نے قرار دی تھی۔ جس کی تفسیر ہم ہر ایک جگہ پر لکھیں گے الخ۔

اقول: اگر یہودیوں نے وحی معنی قرار دیے ہیں کہ جو اہل اسلام نے بلکہ قرآن اور پیغمبر علیہ السلام نے تو اس معنی پر ملک یا ملائکہ کا اطلاق کل برمقصود ہی میں مع ان کے صفات و حالات کے اس تفصیل سے مذکور ہے کہ جس کے انکار کی مسلمان کو مجال نہیں۔ چنانچہ اس فصل کے ذیل میں ہم نے وہ آیات نقل کر دی ہیں ملاحظہ فرمائیے! پھر آپ کا یہ کہنا کہ قرآن میں کہیں نہیں البتہ بڑی دلیری اور بہادری کا کام ہے اگر آپ کو قرآن یاد نہ تھا اور ایک مدت سے آپ نے اس کی تلاوت فضول جان کر چھوڑ دی ہے (اور آپ کیا آپ کے معتقدین بھی اس دولت سے ہمیشہ محروم رہتے ہیں) تو کوئی ننھا بچہ جو دو پیسہ ماہوار کا حافظ ہی رکھ لیا ہوتا۔ اور اگر یہود نے کچھ اور معنی قرار دیے ہیں تو آپ جانیں اور آپ کے یہود۔ ہم کو تو اس قصہ کو کہ آئندہ توریت سے آپ دل کھول کر یہود و نصرانیوں کا رد کیجئے۔

چوتھی دلیل: لفظ ملائکہ کا اطلاق ان قدرتی قویٰ پر جن سے انتظام عالم مربوط ہے اور ان شعون[1] قدرت کاملہ پروردگار پر جو اس کی ہر ایک مخلوق میں بہ تفاوت درجہ ظاہر ہوتی ہیں ملائکہ کا اطلاق ہوا ہے۔ سورۂ والنازعات سے ان کا قوی ثبوت ہے اس کے چار جملوں میں مفسرین میں اختلاف ہے مگر پانچویں جملہ فالمدبرات امرًا کی نسبت کسی کو اختلاف نہیں اور جملہ مفسرین متفق ہیں کہ مدبرات سے ملائکہ مراد ہیں۔ پس غور کرنا چاہیے کہ مدبرات سے یہ مراد ہے یہی قویٰ ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے تمام امور عالم کا مدبر مخلوق کیا ہے۔

اقول: آپ کی چوتھی دلیل ہے مگر یہ سب سے زیادہ غلطیاں ہیں:

اول یہ کہ آپ نے اپنے پہلے دعویٰ کو ترک کر دیا پیشتر آپ قائل ہوئے تھے کہ ملائکہ سے مراد خدا تعالیٰ کی صفات ہیں۔ یہاں آپ اس سے اعراض کر گئے اور ملائکہ کو قوائے مدبرۂ عالم کہنے لگے اور ایک جگہ بلکہ اسی سے اگلے صفحہ میں جبرئیل کو ملکۂ نبوت کہہ دیا جس سے یہ لازم آیا کہ جبرئیل نبی کی ایک صفت قائم بالغیر کا نام ہے۔ اب آپ ہم سے بیان فرمائیے کہ ان تینوں باتوں میں سے کون سی صحیح ہے؟ اگر کوئی کہے کہ یہ بات نہیں تینوں سے ایک ہی مراد ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تینوں معنی (۱) ملکۂ نبوت (۲) صفات خدا تعالیٰ (۳) قوائے مدبر عالم۔ آپس میں غیر اور مخالف ہیں ملکۂ نبوت جس کو آپ جبرئیل کہتے ہیں نبی کی صفت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ خدا کی صفات جو قدیم اور عین ذات ہیں بندہ کے سب صفات سے جو حادث اور غیر ذات ہیں بالکل غیر ہیں اور اسی طرح قوائے مدبرات عالم نباتات جمادات حیوانات وغیرہ بالکل پائے جاتے ہیں ان دونوں سے غیر ہیں اب پریشان بیانی کا کیا ٹھکانا ہے۔

(دوم) آپ کا کبریٰ دلیل مسلم نہیں۔ اگرچہ یہ مسلم کہ مدبرات سے مراد ملائکہ ہیں لیکن یہ بات کہ مدبرات قویٰ ہیں غیر مسلم اس کا کچھ ثبوت آپ نے نہیں دیا بلکہ اصل بات یہی ہے کہ مدبرات عالم وہی ملائکہ ہیں جو عالم کے لیے ایسے ہیں کہ جس طرح جسم کے لیے روح مدبر ہے۔ (سوم) اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جاوے کہ اس جگہ ملائکہ کا اطلاق قوائے مدبرات عالم پر ہوا ہے تو اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ یہ لفظ حقیقی معنی پر بولا گیا ہے بلکہ جائز ہے کہ استعارۃً اطلاق ہوا ہو اور اگر یہ بھی تسلیم کیا جاوے کہ حقیقۃً اطلاق ہوا ہے تو غایۃ الامر یہ لفظ ملائکہ مشترک سمجھا جاوے گا۔ جیسا کہ لفظ عین کہ جس کے معنی آفتاب اور آنکھ

[1] شعون قدرت تو آپ نے صوفیہ کے پاس سے مرتب ازاں انہی لفظوں سے تو بہت سادہ لوحوں آپ کو اس صوفی اور بزرگ سمجھ گئے۔ ابو الحسن حقانی

(سوم) کسی چیز کے نام مذکور نہ ہونے سے اس کے وجود کی نفی لازم نہیں آتی توریت و انجیل میں آپ کا نام مرقوم نہیں۔ کیا اس سے آپ کے وجود میں کچھ خلل آ گیا؟

(چہارم) اگر آپ کا قیاس اور تعجب بھی صحیح تسلیم کیا جاوے تو یہ لازم آوے گا کہ جبرئیل و میکائیل یہودی لوگوں کی زبان کے نام ہیں (یعنی عبرانی کے) لیکن یہ نہیں لازم آتا کہ ان اسماء کے مسمیات کا وجود اصلی یہود کے نام رکھنے سے پیشتر نہ تھا بلکہ یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ قدیم[1] چیزوں کے نام ہر زمانے اور ہر قوم میں بدلتے رہتے ہیں۔ دیکھئے پرانے شہروں اور پہاڑوں کے نام کس طرح بدلتے جاتے ہیں (دہلی کا نام مقدم اندرپت تھا پھر دہلی ہوا پھر شاہجہان آباد مشہور ہوا۔ اسی طرح الہ آباد کو پہلے زمانے میں پراگ اور بنارس کو کاشی کہتے تھے اور اسی طرح آگ اور پانی وغیرہ عناصر کے ہر زبان میں جدے جدے نام ہیں) پس اسی طرح ممکن ہے کہ جبرئیل اور میکائیل کو شہرت پا گیا ہو۔ پھر اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ یہود سے پیشتر ان کا وجود ہی نہ تھا۔

(پنجم) یہ بیان آپ کا کہ (فرشتوں کے نام یہودیوں نے مختلف قوتوں کی تعبیر کرنے کو رکھ لیے) مخالف ہے آپ کے اس قول کے جو صفحہ ۱۴۱ میں ہے یعنی ہم کو اس میں کچھ شبہ نہیں کہ جو الفاظ صفات باری پر مستعمل ہوتے تھے آخر کو انہیں الفاظ کو فرشتوں کا نام سمجھنے لگے۔[2] یعنی اب دونوں میں سے ایک قول کو ضرور غلط ماننا پڑا۔ معلوم نہیں کہ کونسی تحقیق آپ کی درست ہے؟

(ششم) اگر یہ دونوں مخالف قول آپ کے تسلیم کئے بھی فرض محال کر لیے جائیں تو آپ کی یہی تحقیق آپ کے مدعا کی نفی کے واسطے کافی ہے۔ یعنی ہم آپ کے کلام سے آپ پر یوں معارضہ کرتے ہیں اگر ان الفاظ سے خدا کی صفات کو یا قوائے مدبرہ عالم کو تعبیر کیا ہے تو کیا یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ باوجودیکہ خدا کی بے نہایت صفات اور عالم کے بے نہایت قوی ہیں۔ مگر بجز دو صفات یا دو قوتوں کے اور سب بے نام ہیں کیونکہ کسی اور کا نام قرآن میں نہیں آیا۔ ان باتوں سے صاف پایا جاتا ہے کہ یہ نام ملائکہ کے ہیں جب مقدمہ میں ان کو حسب موقع ذکر کیا ہے۔ اب دہریہ ناحق انکار کرتے ہیں۔ اب ہم صفحہ ۲۰ وغیرہ پر جو کچھ آپ نے قصہ آدم کی نسبت ارشاد فرمایا ہے اس کو میزان صحت میں تولتے ہیں۔

قولہ ص ۲۶ وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ اس آیت سے وہ ذکر شروع ہوا ہے جو آدم کا قصہ کہلاتا ہے تمام مفسرین اس کو ایک واقعی جھگڑا یا مباحثہ سمجھتے ہیں جو خدا اور فرشتوں میں ہوا ہے الخ۔

اقول یہ آپ کا بہتان صریح ہے۔ اہل اسلام میں سے کوئی مفسر تو کجا ادنیٰ مسلمان بھی یہ نہیں کہتا کہ فرشتوں نے خدا سے مباحثہ یا جھگڑا کیا تھا کیونکہ خدا تعالیٰ فرشتوں کی نسبت فرماتا ہے لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ○ کیا فرشتوں کا استفہام کرنا جھگڑا ہے؟ آپ ایسی بے بنیاد باتوں سے جملہ علماء اہل اسلام کو بے اعتبار بنایا چاہتے ہیں۔

---

[1] قدیم سے مراد یہاں قدیم عرفی ہے نہ قدیم ذاتی نہ قدیم زمانی ۱۲ منہ

[2] جو الفاظ خدا کی صفات پر بولے جاتے تھے آخر کو فرشتوں کے نام سمجھے گئے۔ سید احمد خان صاحب کی تحقیق

قولہ ص ۱۴۳ یہی حال فرشتوں کی نسبت ہوا ہے ان کو نوری سمجھ کر گورا گورا سفید برف کا رنگ نوری شمع کی مانند یا بلوری سی پتلیاں ہیرے کے سے پاؤں ایک خوبصورت انسان کی شکل نہ مرد نہ عورت تصور کیا ہے الخ۔

حاصل کلام یہ کہ فرشتوں کو ناریہ جسمانی چیزوں پر خیال کر لیا ہے اور وہ خیال نسل در نسل چلا آیا ہے ورنہ اصل فرشتے کوئی وجود نہیں رکھتے۔

اقول یہ تمام گفتگو آپ کی ایک شاعرانہ تک بندی ہے نہ کوئی مسلمان ان کو بلور کی مانند نہ ہیرے کی مانند سمجھتا ہے ہاں آپ نے ابتداء عمر میں سمجھا ہو تو سمجھا ہو۔

قولہ آسمان ان کے رہنے کی جگہ قرار دی آسمان سے زمین پر آنے اور زمین سے آسمان پر جانے کے لیے ان کے پر لگائے ہیں۔ الخ۔

کسی کو صور پھونکتا خیال کیا ہے اب یہ اعتراض آپ کا خدا پاک پر ہے کہ جس نے ان کو اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَرُبٰعَ بتایا ہے۔

قولہ بعض اقوام نے جو زیادہ غور و فکر کی ہے تو ان کے لیے نہ جسم مانا ہے اور نہ ان کا متحیز ہونا تسلیم کیا ہے۔ الخ

اقول البتہ بعض فلاسفہ بے دین اس بات کے قائل ہوئے ہیں جیسا کہ اس کا ذکر آتا ہے لیکن اہل اسلام بلکہ اہل کتاب میں سے تو کسی کا عقیدہ نہیں۔ اسلامیوں میں سے ان کی تقلید اول آپ ہی نے کی ہے۔

تھا کبھی عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا

پر ترے عہد سے آگے تو یہ دستور نہ تھا

قولہ ص ۱۴۳ عام مسلمانوں کا بھی یہی عقیدہ ہے جو عرب کے بت پرستوں کا تھا۔

اقول اگرچہ یہ تشبیہ آپ کی اس مقام پر بغرض لاجواب عقیدہ اہل اسلام ہے مگر یہ قول آپ کے اس قول کے رد کے لیے کافی ہے جو آپ نے صفحہ ۱۵۱ میں فرمایا ہے اب ہم کو اس بات کی تلاش کرنی ہے کہ قدیم مشرکین عرب کا الخ فرشتوں کی نسبت کیا خیال تھا الخ جہاں تک کہ ہم نے تحقیق کی ہے قدیم عربوں کا لفظ ملک اور ملائکہ کی نسبت ایسا خیال جیسا کہ یہودیوں کا ہے ثابت نہیں ہوا الخ اور صفحہ ۱۶۰ میں آپ اہل اسلام اور یہود کا عقیدہ فرشتوں کی بابت یکساں فرماتے ہیں۔ قولہ قرآن مجید میں بھی ان کا استعمال اسی طرح پر ہوا ہے جس طرح کہ یہودی خیال کرتے تھے الخ۔ جب اہل اسلام اور یہود کا ملائکہ کی نسبت یکساں اعتقاد ہوا اور مسلمانوں کا اعتقاد عرب کے بت پرستوں کی مانند ہوا تو تینوں گروہوں کے اعتقاد یکساں ہوئے پھر اعتقاد ملک کہ مروج تھا کہ جس سے وہ اپنے عقیدہ کو ملائکہ کے بارہ میں اہل اسلام کے عقیدہ کی مانند تعبیر کرتے تھے۔ الغرض ہم کو تو آپ کی اب کسی تحقیق کا اعتبار نہ رہا کبھی آپ کچھ کہتے ہیں کبھی اس کے برخلاف فرماتے ہیں۔ آپ کے تیرہویں صدی کے بڑے محقق ہونے کے لیے یہی دلیل کافی ہے۔

دوم یہ قول آپ کا (مشرکین کے اعتقاد کی مانند اہل اسلام کا اعتقاد فرشتوں کی نسبت ہے) قرآن مجید کے برخلاف ہے قال اللہ تعالیٰ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا دیکھیے مشرکین ملائکہ کو اناث کہتے تھے اہل اسلام نہیں

وجود ملائکہ کے لیے کافی تھی اتنی وہی دلیل آپ کے برخلاف تھی۔

دنیا دیدہ اپنے جو یار تھے ہمیں ہجر غم میں لا گئے
ہمیں جن سے چشم امید تھی وہی آنکھ ہم سے چرا گئے

آپ صوفیہ علیہ الرحمۃ کے کلام سے مدعا ثابت کیجئے کیونکہ ان کے کلام میں تاویل کو بڑی گنجائش ہوتی ہے۔

قو بعض اکابر اہل اسلام کا بھی یہی مذہب ہے جو میں کہتا ہوں اور امام محی الدین ابن العربی نے فصوص الحکم میں بھی یہی مسلک اختیار کیا ہے۔ الخ

اقول حاشا وکلا کسی اکابر اہل اسلام کا ایسا عقیدہ نہیں نہ حضرت شیخ محی الدین نے یہ مسلک اختیار کیا ہے نہ کسی اور نے۔ حضرت شیخ نے فصوص الحکم اور دیگر تصانیف میں ملائکہ کا وہی وجود تسلیم کیا ہے جس طرح کہ جمہور اہل اسلام نے تسلیم کیا۔ بالفعل میرے سامنے فتوحات مکیہ حضرت شیخ کی تصنیف رکھی ہے اس میں بیشمار مواقع میں آپ نے ہمارے موافق بیان کیا ہے چنانچہ جلد سوم باب ۳۶۹ صفحہ ۴۸۲ و ۴۸۳ میں یوں فرماتے ہیں۔ ان الله لما خلق الارواح النارية والنورية اعني الملائكة والجان شرك بينهما في امر وهو الاستتار عن عين الناس مع حضورهم معهم في مجالسهم وحيث كانوا وقد جعل الله بينهما وبين اعين الناس حجابا مستورا فلا نراهم الا اذا شاؤا ان يظهروا لنا الا والملائكة رسل من الله الى الانسان موكلون به كاتبون اعماله والشياطين مسلطون على الانسان بامر الله الخ ولا يطلق على الارواح اسم جن لا لاستتارهم فالجنة من الملائكة هم الذين يلازمون الانسان ويتعاقبون فينا بالليل والنهار ولا نراهم عادة فاذا اراد الله عزوجل ان يراهم من يراهم من الانس من غير ارادة منهم بذلك رفع الله الحجاب عن اعين الذين يريد الله ان يدركهم فيدركهم وقد يقدر الله الملك والجن بالظهور لنا فتحجبون لناظرهم او يرى فلا كشف منهم راي العين وقد نراهم اجسادا على صور قد نراهم لا على صور بشرية بل نراهم على صورهم في انفسهم كما يدرك كل احد منهم نفسه وهو صورته التي هو عليها فان الملائكة اصل اجسامها نور والجان نار مارج والانس ماء وتراب ولكن كما استحال الانس عن اصل ما خلق منه كذلك الملك والجان عن اصل ما خلق منه الى ما هما عليه من الصور وفي صفحه ۴۸۵۔ اعلم ان الله ما جعل للارواح اجنحة الا للملائكة منهم لانهم السفراء من حضرة الامر الى خلقه فلا بد لهم من اسباب يكون لهم بها النزول والعروج فان موضع الحكمة تقتضي هذا فجعل لهم اجنحة على قدر مراتبهم في الذين يسيرون به من حضرة الامر ويعرجون اليه من حضرة الخلق فهم بين الخلق والامر ينزلون ولذلك قال ما تتنزل الا بامر ربك انتهى

ترجمہ۔ ’’خدا نے جبکہ ارواح ناریہ اور نوریہ یعنی جن اور ملائکہ کو پیدا کیا تو دونوں کو پوشیدہ ہونے میں شریک کردیا کہ وہ باوجودیکہ لوگوں کی مجالس میں آتے اور ان کے ساتھ ہر وقت حاضر رہتے ہیں مگر دکھائی نہیں دیتے اور خدا نے ان میں اور لوگوں کی نظروں میں پردہ ڈال دیا ہے۔ پس ان کو ہم دیکھ نہیں سکتے مگر جبکہ وہ خود دکھانا چاہیں الخ۔ اور ملائکہ خدا کی طرف سے بندوں کے لیے پیغامبر اور موکل ہیں کہ ہمارے اعمال لکھتے ہیں اور شیاطین بھی انسان پر بحکم الٰہی مسلط ہیں الخ۔ ارواح

پر لفظ جن اطلاق نہیں ہوتا مگر پوشیدہ رہنے کی وجہ سے بعض ملائکہ میں سے وہ جن ہیں کہ جو آدمی کے ساتھ ہر وقت رہتے اور رات دن میں یکے بعد دیگرے اس کے پاس آتے جاتے ہیں اور ہم ان کو عادتاً دیکھتے نہیں۔ پس جب خدا کسی آدمی کو دکھانا چاہتا ہے تو حجاب اٹھا دیتا ہے پس وہ شخص ان کو دیکھ لیتا ہے اور کبھی ملائکہ اور جن کو حکم دیتا ہے تو وہ ہم کو مجسم ہو کر دکھائی دیتے ہیں اور کبھی ہم ان کو انسان کی صورت میں دیکھتے ہیں اور کبھی ان کی اصلی صورت میں جس طرح کہ وہ اپنے آپ کو اپنی اصلی صورت میں دیکھتے ہیں کیونکہ ملائکہ کا اصل جسم نورانی اور جن کا آتشی ہے اور آدمی کا خاک اور پانی ہے لیکن جس طرح آدمی اپنی اصل سے مستحیل ہو کر اس صورت میں آ گیا اسی طرح جن اور فرشتہ اپنے اصلی مادہ سے مستحیل ہو کر اس صورت پر آ گیا۔ واضح ہو کہ بعض ملائکہ کے لیے خدا نے بازو بنائے ہیں کیونکہ حضرت امر سے حضرت خلق کی طرف سفیر ہیں تو ان کے لیے وہ اسباب ضرور ہونے چاہئیں کہ جن سے چڑھاؤ اور اترنا ہو کیونکہ حکمت کا یہی مقتضیٰ ہے پس ان کے لیے بازو ان کے مراتب کے موافق بنا دیے کہ جن کی وجہ سے چڑھتے اور اترتے اور آتے جاتے ہیں اور اسی لیے کہتے ہیں کہ ہم خدا کے حکم کے بغیر نہیں اترتے۔" اب آپ نے جس قول۔ سے سند پکڑی ہے جیسے اسی میں ہمارا آپ کا فیصلہ ہے دیکھئے وہ کیا فرماتے ہیں ان کا قول آپ نقل کیجئے قولہ ص ۵۰ قال الشیخ رحمہ اللہ فی نصوص الحکم و کانت الملائکۃ من بعض قوی تلک الصورۃ التی ھی صورۃ العالم المعبر عنہ فی اصطلاح القوم بالانسان الکبیر انتھی' اقول حضرت شیخ کا یہ قول آپ کی سند ہے آپ غور فرمائیے کہ یہ سند آپ کے مدعا کو ثابت کرتی ہے یا منافی ہے؟ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ صورت عالم کہ جس کو صوفیہ کرام اصطلاح میں انسان کبیر کہتے ہیں اس کے لیے ملائکہ بمنزلہ قویٰ میں داخل ہیں یعنی عالم کے تمام کاروبار بغیر ملائکہ کے نہیں ہو سکتے جس طرح کہ انسان کے کاروبار اس کے قویٰ بغیر نہیں انجام پاتے۔ پس ملائکہ عالم کے لیے بمنزلہ قویٰ کے ہیں۔ چنانچہ اس قول میں اس کی تصریح ہے۔ قولہ قال الشیخ رحمہ اللہ فکانت الملائکۃ لہ کالقوی الروحانیۃ والحسیۃ التی فی نشاۃ الانسان الخ یعنی شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ملائکہ عالم کبیر کے لیے ایسے ہیں کہ جس طرح قویٰ روحانیہ وحسیہ ہیں انسان کے لیے۔ جس طرح انسان کے لیے قوائے روحانیہ وحسیہ مدبرہ و متصرف ہیں اسی طرح ملائکہ عالم کے لیے۔ جس قدر قول حضرت شیخ کا اس بارہ میں آپ نے مفید مدعا جان کر نقل کیا وہ یہی دو جملے ہیں وہاں تو انسان کے قویٰ کی تصریح ہے ان دونوں جملوں کا مطلب آپ نے جو لکھا ہے اس میں آپ نے تصرف[1] بھی کیا مگر پھر بھی آپ کا مدعا ثابت نہ ہوا کیونکہ کاف تشبیہ (جس کا ترجمہ آپ نے بھی یوں لکھا ہے)۔ قولہ ص الشیخ رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں کہ وہ قویٰ جن کو ملائکہ کہتے ہیں انسان کبیر یعنی عالم کے لیے' ایسے ہیں جیسے انسان کے یہ قویٰ ہیں انتھی۔ صاف کہہ رہا ہے کہ ملائکہ عالم کے لیے بمنزلہ قویٰ کے ہیں نہ یہ کہ دراصل ملائکہ کا کوئی وجود جدا گانہ نہیں۔ خود عالم کے قویٰ جاذبہ و نامیہ وغیرہ یہی ملائکہ ہیں۔ مسیحی بہادر یہ

[1] وہ تصرف یہ ہے کہ شیخ نے یوں فرمایا کہ کانت الملائکۃ کالقوی الروحانیۃ والحسیۃ۔ آپ نے یہ جملہ اپنی طرف سے شیخ کے کلام پر اپنے موافق کرنے کے لیے بڑھا دیا اسی بنا پر وہ قویٰ جن کو ملائکہ کہتے ہیں انتھی۔ حالانکہ شیخ کے کسی جملہ کا یہ مطلب نہیں کہ وہ قویٰ جن کو ملائکہ کہتے ہیں علاوہ اس کے شیخ ملائکہ کو قویٰ سے تشبیہ دیتے ہیں پھر اگر وہ ملائکہ کو قویٰ کہہ دیں تو مطلب یہ ہوگا کہ ایک عمدہ کام آپ چاہتے ہو جو مجازی اطلاقات ہیں۔
حقانی

قول شیخؒ کا اس جملہ میں ثبوت ملائکہ کی طرف اشارہ ہے کہ جس کا ہم نے شروع فصل میں ذکر کیا تھا یعنی اس عالم کو مبدء فیاض سے بتوسط ملائکہ فیضان ہوتا ہے اور ہر جزو عالم پر ایک فرشتہ موکل ہے کہ جس کو رب النوع کہتے ہیں جو کچھ عالم میں تصرفات ہو رہے ہیں وہ سب ملائکہ کی معرفت ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت شیخؒ ملائکہ کو انسان کبیر یعنی عالم کے لیے بمنزلہ ارواح کے کہتے ہیں۔ اب اس سے ملائکہ کا ثبوت ہو گیا نہ کہ نفی۔ آپ نے شیخؒ کے کون سے جملے سے یہ نکالا کہ ملائکہ کے لیے وجود جدا گانہ نہیں؟ اب کان کھول کر سنیے یہ کلام ہمارے مدعا کو مفید ہے چند وجہ سے: (اول) یہ کہ حضرت شیخؒ انسان کبیر یعنی عالم کو انسان کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور جس طرح اس میں قوائی ہیں اسی طرح ملائکہ کو عالم کے لیے بمنزلہ قویٰ کے کہتے ہیں۔

(دوم) اگر ملائکہ سے مراد قویٰ ہوں تو مشبہ اور مشبہ بہ کا اتحاد لازم آوے جو بدیہی البطلان ہے اور یہ قول حضرت شیخؒ کا وللملائکۃ کالقویٰ درست نہ ہوئے۔

(سوم) اگر یہ تشبیہ بھی لحاظ نہ کی جاوے تب بھی یہ کوئی قرینہ صارفہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ جس سے ان آیات کو (کہ جن میں ملائکہ کا وجود جدا گانہ اور ان کے افعال مذکور ہیں) مجاز پر محمول کیا جاوے اور تمام کتب سماویہ اور احادیث نبویہ کو تحریف کیا جاوے۔

(چہارم) صوفیہ کرام بعد تسلیم کرنے معانی ظاہرہ قرآن مجید کے اس میں سے اشارۃ حقائق و معارف پیدا کرتے ہیں ان میں۔ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ قرآن کے معنی ظاہر مراد نہیں۔ کیا حضرت یعقوب و یوسف علیہما السلام کے قصہ کو روح و نفس پر محمول کرنے سے حضرت یعقوب و یوسف کے وجود کی نفی ہو سکتی ہے؟ حاشا و کلا۔ اور اگر یہی ہو تو پھر قرآن و احادیث کا کچھ بھی اعتبار نہ رہے شریعت کا کوئی مسئلہ ثابت نہ ہو سکے۔

(پنجم) اگر ہم سید صاحب کی فہم رسا کے موافق حضرت شیخؒ کے کلام کا یہی مطلب تسلیم کر لیں تو پھر سید صاحب کے حق میں اچھا نہ ہووے کیونکہ بڑے زور شور سے سید صاحب ملائکہ کو صفات باری کہہ چکے ہیں اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھی روح اور ملکہ نبوت باعث وحی بتا چکے ہیں۔ پھر اب ان کو قوائے عالم کہنا (جو صفات باری سے مغائر ہیں) اجتماع الضدین کو قبول ہوتا ہے۔

قولہ: پس اس کی شیخ اور ان کے متبع بھی ملائکہ کا اطلاق صرف قوائے عالم پر کرتے ہیں الخ۔

اقول: سید صاحب اب بھی ایسی بات منہ سے نکالنا بڑی شرم کی بات ہے۔ ضد کرنا اہل انصاف کی شان سے بعید ہے۔

قولہ: اور شیاطین کی نسبت تو قیصری شرح فصوص میں نہایت صاف صاف وہی بات لکھی ہے جو ہم نے کہی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ بعض نے یہ بات کہی ہے کہ انسان کبیر یعنی عالم میں جو قوت واہمہ کبیرہ ہے وہی ابلیس ہے اور ہر ایک انسان

۱؎ کہ لیے کہ صفات باری ہونے سے وہ بھی ایک چیز نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ قوائے عالم کے باطنات میں ایک قوت [illegible] ہے [illegible] نہ [illegible] اپنے علم سے پیدا کرتا ہے اب ان کی [illegible] قوت [illegible] اور ملائکہ صفات باری نہ کہے گا۔ [illegible] کہ نہ اتحاد [illegible] اور [illegible] یہ عجیب [illegible] ہے۔

گیا۔

(اول) یہ کہ جب سے ایسے لوگ اسلام میں آئے تب ہی سے مسلمانوں میں اختلاف واقع ہوا اور مذاہب مختلف پیدا ہو گئے۔ اب ہر ایک فریق غالی کے اعتقادات کو دیکھیے کہ ان میں اب تک اتحاد اور مجوسیت اور یہودیت اور نصرانیت و فلسفے کی بو آتی ہے کہ جس سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ ان مذاہب کے موجد بنانے نام مسلمان تھے۔

(دوم) بعض کتب سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ دبستان المذاہب کے صفحہ ۴۸ میں آتشیوں کی نسبت یوں لکھا ہے کہ "صاحبان این مذہب ہمہ با اہل اسلام آمیختہ اند و بسبب خصومت ایشان خود را بنام مسلمانان نامور داشتہ و نام دیگر بر خویش پوشیدہ" اور اسی طرح مزدکیوں کی نسبت صفحہ ۱۳ میں لکھا ہے کہ اکنون مزدکیان درمیان گروہی مجتہد درمیان اہل اسلام پنہاں شدہ و در پیشہ پوشیدہ اند۔ اور کتاب دساتیر کے چودھویں نامہ میں اس بات کی پیشین گوئی ہے کہ مسلمانوں میں جب باہم خصومت پیدا ہوگی تو ایرانی لوگ مذہب اسلام میں داخل ہو کر اپنے قدیم مذہب کی باتوں کو یہاں تک رواج دیں گے کہ اصل اسلام بجائے نام باقی رہ جائے گا۔ یہ بات تو ہم نے بھی آنکھ سے دیکھ لی۔

جب آپ کو یہ بات معلوم ہوگئی تو میں اب خان صاحب کے علاوہ مذکورہ کا حوالہ دیتا ہوں۔ دبستان المذاہب کی تعلیم اور قواعد زردشتیوں کے بیان میں لکھا ہے کہ ملائکہ سے مراد صفات حمیدہ ہیں صفحہ ۱۲۶ اور اسی طرح اعمال مشخص بصورت کے بیان میں لکھا ہے کہ جہنم کے طبقات اور جنت کے درجات اعمال کی جزا و سزا محض خیالی باتیں ہیں۔ صفحہ ۱۹۷ دبستان المذاہب کے صفحہ ۳۰۳ منظر اول میں علامہ شمارہ کے بیان میں یوں لکھا ہے کہ "چون حق روح را بہ بدن داد آدم صفت از بہشت دخیل بہ بدن فرمان بیرون مراد کرد او را کہ بہ ہمہ خوردن شجرہ منہیہ بحکم خشم و طاؤس شہوت است و کلاغ ابلیس عبارت از قوت وہمی کہ پیرو محسوسات است و عالم معقولات را منکر است و با قوت عقل در ستیز۔ آنچہ در شرع آمدہ کہ ہمہ فرشتگان آدم را سجدہ کردند مگر ابلیس اشارت است بایں معنی کہ ہمہ قوائے جسمانی کہ فرشتگان ارضی اند مطیع روح آدم اند مگر قوت وہمی کہ سرکش است انتہی۔ یعنی آدم کو جنت سے نکالا جانا رمز ہے اس بات کی طرف کہ ان کی روح بدن میں داخل کی گئی یعنی آدم کی روح کا ان کے بدن میں پھونکا جنت سے نکالا جانا ہے اور مراد حوا کی فرمان برداری سے بدن کی طرف میلان کرنا ہے شجرۂ منہیہ کھانے سے مراد بد خصلتیں ہیں اور سانپ سے مراد غضب اور مور سے مراد شہوت ہے اور شیطان سے مراد قوت وہمیہ ہے جو عالم معقولات کی منکر اور محسوسات کی پیرو اور عقل سے معارضہ کرنے والی ہے اور یہ جو شرع میں آیا ہے کہ فرشتوں نے آدم کو سجدہ کیا اور ابلیس نے نہ کیا تو اس سے یہ مراد ہے کہ قوائے جسمانی جو زمین کے فرشتے ہیں آدم کی روح کے مسخر ہو گئیں اور قوت وہمیہ نے سرکشی کی۔

اسی طرح فرقہ صادقیہ جو مسیلمہ کذاب کا پیرو ہے ان کے حالات دبستان المذاہب کے صفحہ ۲۹۹ میں یوں لکھے ہیں۔ مسیلمہ کذاب جس کو کتاب آسمانی کہتا تھا اس کی دو جلد ہیں پہلی کا نام فاروق اول اور دوسری کا نام فاروق دوم ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ کوئی شیطان نہیں ہے اور نہ خدا کسی کو غیر خدا کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دے سکتا ہے انتہی۔

کتاب الملل والنحل محمد بن عبدالکریم شہرستانی مطبوعہ مصر کی جلد دوم صفحہ ۸۶ میں عقائد حکما و متکلمین کے بیان میں

۱؎ یہ مجوس چودہ شخص تک مزدک خواجہ اسلام جس شاہ نے ان کی روایات دبستان میں درج کی ہے۔ ۱۲ منہ

یوں لکھا ہے کہ "جن لوگوں کو قوت قدسیہ نصیب ہوتی ہے (یعنی انبیاء) ان کی قوت خیالیہ اس درجہ کی قوی ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے ادراکات کو بصورت جمیلہ دیکھتے اور ان کا عمدہ کلام سنتے ہیں یعنی دراصل نہ کوئی فرشتہ ہوتا ہے نہ کوئی آواز یا کلام ان کو سنائی دیتا ہے بلکہ محض ان کے وہ معلومات (جو ان کو مبدء فیاض سے عطا ہوئے ہیں) کسی عمدہ شکل میں نظر آتے اور نہایت عمدہ دلچسپ کلام کرتے ہیں۔ پس وہ فرشتہ جبریل (علیہ السلام) کو دکھلائی دیتا تھا وہی تھا اور وہ وحی اور الہام یہی آواز تھی۔

"سید صاحب نے اسی بات کو کس برے عنوان سے بیان کیا ہے اور انبیاء کو مجنونوں سے تشبیہ دے کر کس گستاخی کے مرتکب ہوئے ہیں؟ اسی طرح کتاب الملل والنحل کی جلد دوم ص ۶۷ میں بعض حکماء کا جنت کی نسبت یوں عقیدہ لکھا ہے کہ "یہ لوگوں کو آخرت کی ترغیب دیا کرتے ہیں اور وہاں کے ثواب و عقاب مثالوں میں لوگوں کے اطمینان قلب کے لیے بتاتے ہیں اور درحقیقت وہ ایک امر کلی ہے کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سنا اور" اول جلد کے صفحہ ۱۰۴ میں بعض اہل ہوا کو یہ عقیدہ لکھا ہے کہ ان کے نزدیک سوائے عالم محسوس کے اور کوئی عالم نہیں۔ ان کا ہر بات میں اپنے ذہن صافی اور فطرت سلیمہ پر (جس کو سید صاحب نیچر کہتے ہیں) اعتماد کلی ہے (نہ وہ جن کے قائل ہیں نہ فرشتوں کے نہ کسی امر خارق عادت کے) اور اس گروہ کا نام طبیعیہ دہریہ ہے۔ اور ان میں جو بعض لوگ کسی قدر ترقی پاتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ شریعت اور اس کے احکام حرام و حلال مصلحت عباد اور رفاہ بلاد کے لیے بزرگوں نے اپنی طبیعت صافیہ سے مقرر کر دیے ہیں اور وہ جن روحانی چیزوں کی خبر دیتے ہیں جیسا کہ لوح و قلم و عرش و کرسی ملائکہ وغیرہ یا سو درحقیقت ان کے خیالات ہیں کہ جن کو وہ جسمانی صورتوں کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور اسی طرح آخرت کے احوال جنت اور حور و قصور اور نہر و میوہ جات جو وہ بیان کرتے ہیں محض عوام کی طبیعتوں کو رجوع کرنے کی باتیں ہیں اور اسی طرح دوزخ اور اس کے عذاب طوق وغیرہ بھی لوگوں کو ڈرانے کے لیے بیان کرتے ہیں کہ ان سے ڈر کر ان امور مصلحت پر کہ جن کو انہوں نے واجب و فرض بتایا ہے چلیں اور جن نامناسب چیزوں سے کہ مصلحت وقت جان کر منع کیا اور حرام و مکروہ کہا ان سے بچیں۔ ورنہ عالم آخرت میں جو کہ علوی عالم ہے صور جسمانی اور اشکال جرمانی کہاں؟ اور یہ تو عام حکماء مشائین کا عقیدہ ہے کہ عالم قدیم ہے اور اس میں جس قدر انواع ہیں وہ بھی سب قدیم ہیں چنانچہ نوع انسانی بھی قدیم ہے۔ ان کے نزدیک یہ بات (کہ ابتداء نوع انسان کی حضرت آدم علیہ السلام سے ہے) محض غلط ہے چنانچہ اسی کتاب ملل و نحل کی اخیر جلد میں اور اس کے سوائے اور کتب الہیات میں اس کی تصریح ہے۔

اب رہے انبیاء علیہم السلام کے معجزات تو ان کے تو صدہا آدمی منکر ہیں ایسے لوگوں کے حالات سے کئی کتاب اور دبستان المذاہب وغیرہ بھری پڑی ہیں۔ اور جلال الدین اکبر بادشاہ دہلی کے روبرو تو بڑے زور کے ساتھ ایک بڑے دہریہ نے بمقابلہ اہل اسلام و اہل کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ عبور قلزم کا انکار کیا تھا۔ چنانچہ دبستان المذاہب میں اس کی خوب تصریح ہے۔ اب فرمایئے سید صاحب آپ نے وہ کونسی نئی بات ایجاد کی ہے؟ ایسے ایسے خیالات کے لوگ ہر زمانہ میں کتب سماویہ کی نسبت اعتراضات کرتے آئے ہیں اور ان میں سے مہذب لوگوں نے ان اعتراضات کو تاویلات کے پیرایہ

---

۱ [illegible] ۔ ۱۲ منہ

میں بیان کیا ہے بہر طور مدعا واحد ہے۔

اب ہم آپ کے اس قول کی شرح کرتے ہیں: قولہ اصل یہ کہ ان آیات میں الخ؟ جناب عالی اگر آپ کی یہ مراد ہے کہ قرآن مجید کی عبارات کے دو پہلو ہیں۔ ایک ظاہر دوسرا باطن جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور آپ باطنی پہلو سے اس رمز کی طرف اشارہ کرتے ہیں جیسا کہ صوفیہ کرام قصۂ یوسف و زلیخا سے اور اور نکات مراد لیا کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت شیخ محی الدین ابن اعربی نے اپنی کتاب فتوحات مکیہ میں ایسے ایسے حقائق و دقائق نکالے ہیں تو آپ کا یہ فرمانا کہ یہ ایک نہایت دقیق راز تھا جو عام لوگوں کے اور اونٹ چرانے والے لوگوں کی فہم سے بہت دور تھا الخ بجا ہے۔ ہمارا بھی اس پر صاد ہے۔ اور اگر یہ مقصود ہے کہ اس کلام کے محض یہی معنی ہیں اور ظاہر عبارت قرآن سے جو کچھ مفہوم ہوتا ہے (کہ آدم کو خدا نے پیدا کر کے طرح طرح کے علوم سے نوازا اور پھر فرشتوں کو سجدۂ تعظیم کا حکم دیا شیطان کے سوا سب نے سر تعظیم جھکایا اور آدم کو مع اس کے زوجہ کے جنت میں رہنے کا حکم دیا پھر وہ بسبب اغوائے شیطان کے جنت سے نکالے گئے (الخ) وہ بے اصل باتیں اور یہود کے خیالات کا نتیجہ ہے تو یہ کلام آپ کا سراسر غلط ہے کئی وجہ۔

(۱) یوں کہ آپ خود تفسیر سورۂ آل عمران کے صفحہ ۳ میں فرماتے ہیں۔ قولہ قرآن مجید تمام لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل ہوا ہے اس کا مقصود یہ ہے کہ جس طرح ذی علم دانشمند اس سے ہدایت پاویں اسی طرح جاہل و نادان عوام بھیڑوں اور بکریوں اور اونٹوں کے چرانے والے بھی دیکھ کر ہدایت پاویں۔ (الخ) قولہ جن پر آیات متشابہات کا اطلاق ہوتا ہے اگر ان کے ایک پہلو پر خیال کرو تو اس سے وہ مطلب پایا جاتا ہے جو عوام کے خیالات الخ۔ کے مناسب ہوتا ہے الخ اب ذرا آپ ہی انصاف فرما دیں کہ جب آپ کے نزدیک آیات متشابہات میں بھی ظاہر معانی ہر ایک کی سمجھ کے موافق ہونے ضرور ہیں تو آیات محکمات کو بالخصوص ان مضامین کو کہ جن کو بیشمار مواضع میں نئی نئی عبارتوں سے بیان کیا گیا ہے یہ امر نہ صرف ضروری ہے کہ اس کو عوام لوگ بھیڑ اور بکری اور اونٹ چرانے والے بھی سمجھیں۔ پھر جب وہ معماء جو آپ نے قرار دیا ہے اس کو سوائے آپ کے کوئی بھی نہیں سمجھتا نہ عوام نہ جاہل تو اس کے غلط ہونے میں کیا شبہ باقی ہے؟

(۲) یہ معما جو آپ نے قرار دیا ہے اس کو قرآن میں تخمیناً دس بارہ سورتوں میں مختلف طور پر مختلف الفاظ سے بیان کیا ہے اور ایک آیت نہیں رکوع کے رکوع اسی بیان میں ہیں۔ حالانکہ ان میں کسی جگہ سے کوئی ایسا قرینہ لفظیہ یا معنویہ آپ نے نہیں بیان کیا کہ جو ان عبارات کے حقیقی معنی پر محمول کرنے سے مانع آوے۔ پھر جب ایسا کوئی قرینہ نہیں تو حقیقی معنی کا انکار کرنا محض سینہ زوری بلکہ خدا پاک کے کلام کی تکذیب ہے۔

(۳) اس قدر آیات میں خدا نے اس قصہ کو طول دیا اور پہلی کتابوں میں بھی پہلے انبیاء کی معرفت اسی طرح بیان کیا گیا۔ پھر کیا خدا کو وہ صاف مطلب (جو آپ کے سے انسان نے تھوڑی سی عبارت میں اس طرح بیان کر دیا کہ جس کو عالم و جاہل سب سمجھنے لگے) بیان کرنا نہ آیا؟ پھر آپ کس بنیاد پر قرآن کو فصیح و بلیغ کہتے ہیں؟ اس کے مصنف سے تو معاذ اللہ آپ ہی زیادہ فصیح و بلیغ ہیں کہ جس نے ہزاروں برس کے ایک ایسے معما کو جو خدا سے بھی بیان نہ کیا گیا تیرھویں صدی میں بیان کر دیا تعالی اللہ عن ذلک علواً کبیراً

روم صاحب کشف الاسرار حاشا وکلا یہ نہیں کہتے کہ جو تم سمجھے ہو یہ اظہار آدم اول اصلاً میں بطلان ہو ۱ ورنہ آپ ہی کا ایجاد ہے بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ما المقصود بآدم آدم وحدہ کہ اس جگہ لفظ آدم سے صرف آدم ہی مراد لینا چاہیے بلکہ اس کی ذریت بھی۔ اب یہاں سے آدم کی نفی کیونکر سمجھی گئی؟ آپ کو کوئی یوں کہے کہ آپ اکیلے مراد نہیں بلاشک آپ اس کلام سے یہی سمجھیں گے کہ آپ بھی اور آپ کے ساتھ اور بھی مراد ہیں نہ یہ کہ آپ مراد ہی نہیں۔ آپ وجود آدم کا کہاں تک انکار کریں گے۔ قرآن مجید میں بہت آیات سے حضرت آدم کا وجود جداگانہ پایا جاتا ہے منجملہ ان کے یہ آیت ہے

(۱) وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ مَاءٍ مَهِينٍ اس میں صاف تصریح ہے کہ آدم کو مٹی سے بنایا اور اس کی اولاد کو منی سے بنایا۔ اگر حضرت آدم علیہ السلام کوئی شخص خاص نہیں تو پھر یہ نوع انسانی پر کیونکر صادق آسکتا ہے کہ نوع انسانی کو مٹی سے اور اس کی نسل کو نطفہ سے پیدا کیا۔ کس لیے کہ تمام نوع اس بات میں برابر ہے اور پھر نوع کی نسل کیا معنی رکھتی ہے؟

(۲) يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ الآیۃ اگر آدم سے مراد نوع انسانی ہے تو اس میں مرد و عورت دونوں شریک ہیں لفظ آدم اس تقدیر پر دونوں کو شامل ہے پھر اس نوع انسانی کی وجہ کیا ہے کہ جس کو انسان کے برابر خطاب میں نمودار رکھ کر ہر جگہ تثنیہ کا صیغہ بولا ہے۔۲

(۳) إِنَّ مَثَلَ عِيسَى عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ اس آیت میں بھی تصریح کی ہے کہ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بے باپ کے پیدا ہوئے حضرت آدم علیہ السلام بھی۔ اب سب سے زیادہ اس بارہ میں آپ کے مقابلہ میں خود آپ کا قول (جو تفسیر سورہ آل عمران کے صفحہ ۲ میں ہے) کافی ہے قول کیونکہ حضرت آدم مٹی سے یا پانی سے پیدا ہوئے تھے اور نہ وہ نو مہینے کسی عورت کے پیٹ میں رہے بلکہ ایسے انسانوں کے جو نطفہ سے پیدا ہوتے ہیں الخ۔

(سوال) اگر آپ یہ فرماویں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وجود کا ہم کو انکار نہیں البتہ اس قصہ میں تنہا آدم مراد نہیں۔

(جواب) یہ کہ پھر وہ کونسی وجہ ہے کہ جس سے آپ نے حضرت آدم علیہ السلام کا مقصود ہونا اس قصہ میں رد کیا؟ پس اب آپ اس قصہ میں کسی طرح آدم علیہ السلام کا انکار نہیں کر سکتے اب آگے اس قصہ کی نسبت فرمائیے کیا فرماتے ہیں؟ قولہ ہی نزد مگر میرے نزدیک ہم کی ضمیر انسانوں کی طرف راجع ہے الخ گویا خدا تعالیٰ نے تمام چیزوں کے جاننے کی قوت انسان میں اور اس کی ذریت میں ودیعت رکھ کر تب فرشتوں سے کہا کہ تم سب باتیں تو کیا بتاؤ گے۔ یہاں چند غلطیاں آپ سے سرزد ہوئی ہیں۔

(۱) یہ کہ اگر ہم کا مرجع آدم ہیں مع باعتبار ذریت کے تو کیا ضمیر مفرد مناسب نہ تھی؟ پس ہم کہنا تطویل بلا فائدہ تھی

---

۱ جب آپ کے نزدیک فرشتے سے قوائے طبعی مراد ہیں تو پھر ان سے سوال کرنا فضول ہے۔ ۱۲ منہ

۲ اس آیت نے پہلا شک کو باطل ورد کر دیا کہ آدم سے مراد نوع انسانی نہیں ہے چونکہ آیت میں لفظ کلا کا جو تثنیہ کے واسطے آتا ہے آیا ہے اگر آدم سے مراد نوع ہوتی تو تثنیہ کا صیغہ مستعمل نہ ہوتا۔ ۱۲ حقانی

۳ معلوم ہوتا ہے کہ حضرات منکرین معجزات مادی ہیں تاویل کرنے سے ڈرتے ہیں۔ حقانی

بجائے اس کے لیے لفظ عرضہم نہایت مناسب تھا۔ اگر آپ یوں کہیں کہ معنی کی رعایت بلحاظ افراد نوع ضروری تھی تو آپ یا آدم انبئنی الخ میں کیا جواب دیں گے پھر وہاں کیوں ان انواع کی رعایت کر کے اسکنوا نہ فرمایا؟ اور بالفرض اگر افراد کا لحاظ تھا تو کیا آدم کے ساتھ ایک فرد اس کی زوجہ بھی تھی جو لفظ تثنیہ بولا گیا جس سے صاف معلوم ہوا کہ یہاں نوع قطعاً مراد نہیں ہو سکتی۔

(۳) اسماء سے مراد آپ کے نزدیک قویٰ ہیں قولہ ان قویٰ کو جو اسماء کے لفظ سے تعبیر کیا الخ اور قوای کی آپ کے نزدیک دو قسم ہیں ایک قوائے ملکوتیہ جن کو آپ فرشتے کہتے ہیں دوسرے قوائے بہیمیہ جن کو آپ شیطان کہتے ہیں اور انسان سے مراد ان قویٰ کا مجموعہ لیتے ہیں تو اس تقدیر پر ثم عرضہم علی الملائکۃ کی یہ معنی ہوئے کہ مجموعہ قوائے ملکوتیہ اور بہیمیہ کو قوائے ملکوتیہ کے سامنے کیا جس سے یہ لازم آیا کہ قوائے ملکوتیہ کو قوائے ملکوتیہ کے سامنے کر کے مباحثہ کرایا وھو محال عقلی۔

(۳) یا آدم انبئھم باسمائھم کے یہ معنی ہوئے کہ اے مجموعہ قوائے ملکوتیہ و بہیمیہ تو ان کو یعنی قوائے ملکوتیہ کو قوائے ملکوتیہ بتلا دے کیونکہ آپ فرما چکے ہیں کہ انبئھم اور باسمائھم میں جو ھم ضمیر ہے وہ فرشتوں کی طرف راجع ہے الخ اب اس کلام کے مہمل ہونے میں کیا شک باقی رہ گیا؟

(۴) انبئونی باسماء ھؤلاء کے یہ معنی ہوئے کہ اے قوائے ملکوتیہ تم مجھ کو قوائے ملکوتیہ ان چیزوں کی بتلا دو۔ اب ھؤلاء جو اسماء کا مضاف الیہ وہ کیا چیز ہیں؟

(۵) جب آدم مجموعہ قویٰ ہے تو اس کو کس کے قویٰ سکھلانے کے کیا معنی ہیں؟ پھر یہ قول و علم آدم الاسماء کلھا محض بے معنی ہے۔

(۶) جب فرشتے جز و آدم جیسے ہیں اور اسی کے قویٰ میں شمار کیے گئے تو پھر آپ کا یہ فرمانا کہ فرشتوں سے کہا گیا الخ محض بے معنی کلام ہے کیونکہ قویٰ کا امتحان کرنا اور پھر ان قویٰ کا حال انہیں سے دریافت کرنا اور ان کا اپنی ذات کے علم سے عاجز آجانا جو علم حضوری ہے کہ جس سے کوئی ذی عقل محروم نہیں اور پھر آدم سے اس کے قویٰ کا حال دریافت کر کے پھر اسی کے قویٰ کو ملامت کرنا اور الم اقل لکم انی اعلم کہنا اور ان قویٰ کا نحن نسبح بحمدک ونقدس لک کہنا ایک مجذوبوں کی بڑ ہے کہ جس کو کوئی ذی عقل پسند نہیں کرتا۔

(۷) یہ آیت وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ بآواز بلند کہہ رہی ہے کہ ملائکہ آدم کے وجود سے پیشتر تھے کیونکہ جب خدا پاک نے یہ فرمایا کہ ہم زمین میں اپنا خلیفہ پیدا کرنا چاہتے ہیں ملائکہ نے بعجلت اس بات کے کہ وہ مرتبہ آدم سے واقف تھے۔ یہ کہا کہ حضور ایسے شخص کو کہ جس کی سرشت میں فساد ہو اس کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں اور ہم جو حضور کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں ہم کو نہیں بناتے اس میں کیا مصلحت ہے؟ پھر خدا نے آدم کو پیدا کیا اور اس کو ہر طرح کے علوم سے مشرف کر کے ملائکہ کے مقابلہ میں پیش کیا ملائکہ عاجز آ کر اپنے قصور فہم کے معترف ہوئے۔ اس عنوان کلام سے

جس کو ادنیٰ سلیقہ عبارت فہمی کا ہوگا صاف جان جائے گا کہ ملائکہ آدم کی قویٰ نہیں کیونکہ قویٰ کسی شخص کے اس کے وجود سے پیشتر نہیں ہو سکتے۔ دوم قویٰ خواہ زبانِ حال (کلام فطرت) سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم میں خیر ہے ہم کو خلیفہ بنا ہے اور جس کا ہم جزو ہیں وہ مفسد ہے اس کو نہ بنایئے۔ کیونکہ آدم کا مفسد ہونا اس کے قویٰ کا مفسد ہونا ہے اور آدم کو خلیفہ بنانا اس کے قوائے ملکوتیہ کا بنانا ہے۔ سو یہ وہ قوائے ملکوتیہ کہ جس کی وجہ سے آدم کو شرف ہے اور جو اس کی خلافت کا سبب اعظم ہے جب وہ آدم سے بحیثیت غیریت علوم میں زائد نہ ہو سکیں اور کچھ بھی نہ بتا سکیں تو پھر زبانِ حال سے کیا خاک قوائے ملکوتیہ نے استحقاق خلافت جتایا؟

آدم کے جب مقابل ہرگز نہ ہو سکے تو

نے عقل بے حقیقت دیکھا کمال تیرا

اسی طرح اگلی آیات ہمارے بیان کے لیے شاہد عدل ہیں۔

قولہ ص ۹۳ اس قصہ میں چار فریق بیان ہوئے ہیں ایک خدا' دوسرے فرشتے (یعنی قوائے ملکوتی)' تیسرے ابلیس یا شیطان یعنی قوائے بہیمی چوتھے آدم یعنی انسان جو مجموعہ ان قویٰ کا ہے اور جس میں عورت و مرد دونوں شامل ہیں الخ۔

ذرا ان چاروں باتوں کا خیال رہے قولہ ص ۹۳ مقصود قصہ کا انسانی فطرت کی زبانِ حال سے انسان کی فطرت کا بیان کرنا ہے الخ یعنی فطرت انسانی زبانِ حال سے اپنا دکھڑا رو رہی ہے یہاں ایک بات اور آپ سے رہ گئی شاید دوبارہ جب آپ کی تفسیر چھپی (خدانخواستہ) آپ اس کی اصلاح کر دیں یا آپ کے بعد کوئی آپ کا سجادہ نشین اس کو پورا کر دے۔ وہ یہ بات ہے کہ آپ نے یہاں چار فریق بتائے۔ خدا' آدم' ملائکہ' شیطان' آدم اور ملائکہ اور شیطان کی تو آپ نے تاویل کر دی اور ہر ایک کا کچھ مراد لے لیا ہے مگر چوتھے فریق خدا میں آپ نے کیوں تاویل نہ کی؟ یہاں بھی دہریا پن کر کی کہہ دیتے۔ سارا جھگڑا ہی مٹ جاتا؟

رموز مملکت خویش خسرواں دانند

کوئی مصلحت ضرور ہے کہ جس سے تاویل نہ کی۔

اچھا آگے چلیے قولہ خدا جو سب کا پیدا کرنے والا ہے گویا (یہ گویا اب کیا ہے) قوائے ملکوتی کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ میں ایک مخلوق یعنی انسان کثیف مادہ سے پیدا کرنے کو ہوں وہی میرا نائب ہونے کے قابل ہے جب میں اس کو پیدا کر چکوں تم سب اس کو سجدہ کرنا الخ۔ یہاں آپ کی توجیہ سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آدم سے پیشتر وہ قوائے ملکوتی موجود تھیں کہ جن سے خدا نے کلام کیا اور آدم کے پیشتر ان سے یہ فرمایا کہ جب میں اس کو پیدا کر چکوں تو اس کو سجدہ کرنا۔ آپ انصاف سے فرمایئے کہ وہ قویٰ ملکوتی آدم کا جزو کیونکر ہو سکتی ہیں۔ آدم کے جملہ قویٰ خواہ ملکوتی یا بہیمی اس کے پیدا ہونے کے بعد یا ساتھ اس میں ودیعت رکھی گئی تھیں نہ کہ قبل پیدائش۔ پس آپ کا چوتھا فریق کہ ملائکہ سے مراد قوائے ملکوتی ہیں شیخ چلی کے گھر کی مانند بن بنا کر بگڑ گیا یا نہیں؟

قولہ اس مقام پر مخاطبین کو اس بات کا کہ اس مخلوق میں قوائے بہیمی ہوں گے عالم قرار دیا گیا ہے (کیا ان مخاطبین کو یہ

سمجھ کر لکھ دیا کہ انسان نے ملائکہ کی حقیقت کو بتلا دیا۔ اب معلوم نہیں کہ آپ کی دونوں باتوں میں سے کون سی غلط ہے؟

قولہ ص ۱۹۶ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے ان قوائے متضادہ کو جن سے انسان مرکب ہے اسی طرح پر فطرت بتلائی ہے (یہ لفظ فطرت آپ کو خوب رواں ہے) کہ قوائے ملکوتی اطاعت پذیر و فرمانبردار ہونے کی قابلیت رکھتے ہیں الا قوائے بہیمیہ نہایت سرکش اور نافرمانبردار ہیں الخ ان کے سرکش ہونے کو بھی تو ان لفظوں سے بیان کیا ہو کہ ابلیس نے سجدہ نہیں کیا کیسا یوں فرماتا ہے کہ اس کافر نے غرور کیا الخ آپ نے بھی تو یہ فرمایا تھا کہ خدا نے تو کسی مخلوق کو مخاطب کر کے فرمایا جب میں اس کو پیدا کر چکوں تو تم سب اس کو سجدہ کرنا۔ اب یہ قابلیت رکھنا چہ معنی دارد؟ بلکہ صاف یوں فرمایئے کہ قوائے ملکوتی نے اطاعت کی اور بہیمیہ نے نہ کی علاوہ اس کے قرآن مجید خود کہہ رہا ہے فسجد الملائکۃ کلھم اجمعون الا ابلیس میدان سخن چھوڑ کر کج بحثیاں کرتے چلے جاتے ہو۔ قرآن کے الفاظ کے بموجب تاویل کیجئے۔ شیطان کا آگ سے پیدا ہونا چونکہ قرآن مجید میں مذکور تھا اور وہ معنی قوائے بہیمیہ پر صادق نہیں آسکتے تھے لہٰذا آپ کو اس کی تاویل کی بھی ضرورت پڑی۔

پس فرماتے ہیں قولہ ص ۱۹۷ قوائے بہیمیہ کو جن کا مبدء حرارت غریزی و حرارت غذائی ہے آگ سے مخلوق ہونا بیان کرنا ٹھیک ٹھیک ان کی فطرت کا بتلانا ہے۔ اچھی فطرت بتلائی۔ کیا قوائے ملکوتی کا مبدء حرارت غریزی نہیں اور یہ بات ہماری سمجھ میں نہ آئی کہ حرارت غذائی جیسے کہ دھوپ اور آگ اور حرکت کو لازم ہے وہ انسان کی قوت بہیمیہ کا کیونکر مبدء ہے؟ اب فرق بتلایئے کہ جس صورت میں قوائے ملکوتیہ و قوائے بہیمیہ دونوں کا مبدء انسان کی حرارت غریزی ہے پھر قوت بہیمیہ کا یہ کہنا کہ خلقتنی من نار وخلقتہ من طین کس معنی پر محمول ہو سکتا ہے؟ اور جب کہ قوت بہیمیہ یہ تفاخر آدم کی نسبت کرتی ہے تب تو اس کا یہ کہنا سراسر غلط ہے کیونکہ وہ جزو آدم ہے اگر وہ آگ سے پیدا ہوئی ہے خواہ وہ کیسی ہی آگ ہو تو وہ کل جس کا نام انسان ہے وہ بھی فی الجملہ آگ سے پیدا ہوا ہے کیونکہ جزو کل کی حقیقت میں داخل ہے البتہ یہ تفاخر اگر ملائکہ پر کرتی (حالانکہ یہ بھی صحیح نہیں کیا مر) تو کرتی۔

قولہ پھر جو فطرتی تضاد ان دونوں قسم کی قوتوں میں ہے اس کے اظہار کے لیے قوائے بہیمیہ کو بطور ایک سخت دشمن کے قرار دے کر زبان حال سے اس کی فطرت بیان کی ہے کہ میں ہمیشہ جب تک انسان زندہ ہے یا قیامت تک یعنی جب تک کہ ان کی اولاد رہے گی (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت بھی آپ کے نزدیک مسلم نہیں) اس کو بہکاتا رہوں گا الخ۔ پھر خدا تعالیٰ نیک آدمیوں کی فطرت کو اور اس کے دشمن کے فریب میں نہ آنے والوں کے فطرتی نتیجہ کو بتاتا ہے الخ کہ نیک آدمیوں پر تیرا قابو نہ ہوگا۔ پھر وہ لوگ ہیں جو نیک ہیں کہ جن پر شیطان کا قابو نہ چلا اور وہ جنت سے نہ نکالے گئے حالانکہ آپ کی تاویل کے موجب جنس انسان پر اس کا قابو چلا۔ کیونکہ آدم سے مراد آپ کے نزدیک جنس ہے سو اس کو تو شیطان نے بہکایا اور پھر وہ اس گناہ سے جنت سے (خواہ جنت کے کوئی معنی آپ لیجئے) نکالا گیا اور آپ کے اس بیان کے موجب نیک لوگ اس سے آزاد رہنے چاہئیں۔

قولہ ص ۱۹۷ اور دونوں کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ پہلے بہشت میں داخل کریں گے اور دوسرے دوزخ میں بھرے جائیں گے۔ دونوں سے مراد قوائے بہیمیہ و ملکیہ کے تابع لیجئے اور جہنم میں خاص قوائے بہیمیہ کے تابع لوگوں کا داخل کرنا اور شیطان کو

چھوڑ دینا قرآن کے نص کے بالکل خلاف ہے۔ قرآن مجید میں تصریح ہے لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنكَ وَمِمَّن تَبِعَكَ: آپ کہ شیطان اور اس کے تبعین جہنم میں داخل ہوں گے پس جب شیطان سے آپ نے قوت بہیمیہ مراد لی اور ہر انسان کا جزو اس کو قرار دیا تو لازم آیا کہ ہر انسان جہنم میں جاوے گا کیونکہ تنہا اس کا ایک جزو قوت بہیمیہ جو عرض قائم بالغیر ہے بے کل کے جہنم میں جا ہی نہیں سکتا حالانکہ نہ اس کے آپ قائل ہیں نہ کوئی اور کہ ہر انسان جہنم میں رہے گا۔ یہاں جب آپ سے کوئی تاویل ہی نہ ہو سکی تو اس کو چھوڑ کر چل دیے تھے مگر ہم کب جانے دیتے ہیں۔ علاوہ اس کے شیطان کے لیے قاعدہ منہا فرمایا ہے کہ جنت سے نکل جا۔ اس کی کیا تاویل کیجیے گا؟ اب فرمایے تو اے بہیمیہ کہاں سے نکالی گئی ہیں؟ جب آپ اس قصہ سے فارغ ہونے تو حضرت آدم علیہ السلام کا اور شیطان کا جو جنت سے نکالا جانا مذکور ہے اس کی تاویل کے درپے ہوئے مگر ذرا سوچ سمجھ کر تاویل کرتے

سمجھ کے رکھیو قدم دشت خار میں مجنوں
کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

قولہ ص ۱۹۸ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے انسان کی زندگی کے دونوں حصوں کو بتایا ہے پہلے حصے کو یعنی جب کہ انسان غیر مکلف اور تمام قیود سے مبرا ہوتا ہے بہشت میں رہنے اور چین کرتے اور میووں کے کھاتے رہنے سے تعبیر کیا ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک جنت اسی کا نام ہے۔ اور جنت بھی آپ کے نزدیک علمائے اسلام کے خیالات ہیں۔ مگر ہم کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ تمام قیود سے مبرا رہنے کے کیا معنی ہیں؟ اگر یہ مراد ہے کہ زمانہ بے عقلی اور ناپختگی تو اہل عقل و ادراک کے نزدیک یہ نہایت پستی کا زمانہ ہے کہ اس وقت میں نفس کمالات علمیہ و عملیہ سے خالی بلکہ عقل حیوانی کے مرتبہ میں ہوتا ہے اس زمانہ کو جنت کہنا سیدھے لوگوں کا کام ہے۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ بالغ ہونے کے بعد بے قید ہو کر چین کرنا اور دل کھول کر شہوت رانی کرنا جنت ہے کہ جس کو شعراء جنت باندھتے ہیں تو یہ ناپاک لوگوں کی جنت ہے انہیں کو مبارک رہے اور تیسرے معنی غیر مکلف اور تمام قیود سے مبرا رہنے کے بحکم المعنی فی بطن الشاعر آپ کے ہی ذہن میں ہوں تو ہوں۔

قولہ اور جب دوسرا حصہ اس کی زندگی کا شروع ہونے والا ہو تو اس کے قدیم دشمن کو پھر بلایا ہے جس نے اس کو بہکا کر درخت ممنوعہ (بلکہ ممنوع) کو کھلایا ہے یہ نہ فرمایا کہ وہ درخت ممنوعہ کیا چیز ہے؟ اور نہ دشمن قدیم کے پھر آنے کے معنی معلوم ہوئے دشمن قدیم تو شیطان ہے اور وہ آپ کے نزدیک قوائے بہیمیہ ہیں۔ اب اس کے پھر آنے کے کیا معنی؟ کیا وقت ولادت قوت بہیمیہ تھی اور درمیانی عرصہ میں کہیں چلی گئی تھی رشد اور عقل کے زمانہ میں پھر آ گئی؟ ولنعم ما قال گئی۔ علاوہ اس کے دوسرا حصہ زندگی کا (کہ جس کو اپنے ذہن میں آپ نے دوزخ ٹھیرایا ہے) آپ کے نزدیک یہ ہے۔

قولہ یہ وہ حصہ انسان کی زندگی کا ہے جب کہ رشد ہوتا ہے اور عقل و تمیز کے درخت کا پھل کھا کر مکلف اور اپنے تمام اقوال و افعال و حرکات کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ پس اس حصہ میں کہ عقل و تمیز کا حصہ ہے دشمن قدیم کے آنے کی کیا طاقت ہے۔ حکماء کا قول ہے کہ عقل اور شہوت و غضب باہم ایک دوسرے کی ضد ہے اور اگر آپ کی یہ بھی مراد تسلیم کی جائے کہ وقت بلوغ مراد ہے کہ جس میں شہوت زور کرتی ہے اور قوائے بہیمیہ غالب ہو جایا کرتی ہیں تو پھر آنے کے کیا معنی؟ یہ زمانہ پہلے کہاں تھا

جو دوبارہ آنا کہا جاتا ہے؟ معلوم ہوا کہ درخت ممنوع آپ کے نزدیک عقل وتمیز ورشد کا درخت تھا اس تقدیر پر یہ مشکل پیش آئے گی کہ یہ ممنوع نہیں ہو سکتا بلکہ عقل وتمیز ورشد انسان کے لیے مقصود اصلی ہے اور اسی کو آپ فطرت انسانیہ سمجھتے ہیں۔ یہ ممنوع کیا بلکہ مسعود ہے۔ پھر یہ بھی سہی مگر اس درخت کو شیطان (قوائے بہیمیہ) نے کیونکر بہکا کر کھلوایا بلکہ یہ تو خدا تعالیٰ نے اپنی حکمت خاص سے مرحمت فرمایا علاوہ اس کے اس درخت کے کھانے سے پیشتر تو شیطانی قوائے بہیمیہ کا وجود ہی نہ تھا بلکہ اس کے بعد پھر شیطان کیونکر کھلوا سکتا ہے؟ یہ بات وہ حسرت سے کہی ہے کہ بنائے نہ بنے۔ یہ تو دوسرا پہاڑ ہے کہ اٹھائے نہ بنے۔

قولہ خیر کو نہایت عمدگی سے اس کا خاتمہ بیان کیا ہے کہ تم سب نکل جاؤ (یہ تو کہو کہاں سے) اور جا کر زمین پر رہو یہاں تو آپ نے صاف اقرار کر لیا کہ آدم جنت سے نکالے گئے ورنہ آپ زمین اور جنت کی بھی وہی تاویل کرتے۔

قولہ ص ۹۹ تمہاری بدیوں کا علاج بھی اچھی ہے وہ یہی انسان نے بجز درخت عقل کے پھل کھانے کے کیا کیا تھا؟ جس سے وہ توبہ کریں خدا سے بچا۔ قرار کریں کہ پھر نہ کریں گے اور پھر ست کریں الخ حضرت سلامت وہ گناہ تو آپ کے نزدیک عقل کے درخت کا پھل کھانا ہے پھر اس سے توبہ کے یہ معنی کہ آئندہ عقل کی بات نہ کریں گے ہمیشہ بے قید رہ کر نکمّی کریں گے۔ کیا عمدہ تاویل اس قصہ کی فرمائی ہے کہ جس کو اصل قصہ سے ذرا بھی لگاؤ نہیں۔ تھوڑی دیر انصاف سے غور کر کے دیکھیے ان شاء اللہ آپ اپنی تاویل پر نادم ہو جائیں گے۔

اب آپ کا یہ قول قولہ ص ۵۸ تین لفظ اس قصہ میں اور ہیں جنت شجرہ ہبوط (آپ نے تو ان کی کچھ بھی تاویل نہ کی قطع کلام کو دم سے زمین پر دے مارا) علماء اسلام نے اس کے بیان میں عجب باتیں کہی ہیں جو لوگ کہ صرف لفظوں ہی پر چلتے ہیں انہوں نے تو جنت ایک خیالی بہشت عالم بالا پر مان لیا (آپ کے نزدیک تو جنت بے قید ہو کر نکمّی کرنا ہے) اور درخت سے بھی سچ مچ کا کوئی درخت گیہوں کا یا انگور کا یا انجیر کا مان لیا اور ہبوط سے عالم بالا سے زمین پر آنا (آپ نے بھی تو آخر لامحالہ یہی مانا) تورات میں بھی کہا ہے الخ آپ کی بات ہبوط پر دلالت کرتا ہے یا نہیں؟

قولہ ص ۵۸ بہت سے علماء اسلام نے جن کو اس قسم کے قصص میں یہودیوں کی پیروی کرنے کی عادت پڑ گئی ان کی پیروی کر کے انہوں نے کہا کہ یہ جنت زمین پر تھی الخ جناب وہ بہت سے علماء اسلام کیا نہ کہ تھے ان میں معتزلہ تھے ان کو بقول آپ کے یہود کی پیروی کرنے کی عادت تھی جس طرح کہ آپ کو یورپ کے لامذہبوں اور دہریوں کی پیروی کرنے کی عادت ہے۔ جس طرح کہ انہوں نے خلاف اہل حق یہود کی تقلید سے جنت کو دنیا میں پھر کہیں ارض باغیب مان کر کبھی فلسطین میں قرار دیا آپ نے دہریوں کی تقلید میں آ کر سرے سے جنت ہی کا انکار کر دیا جس طرح یورپ میں بعض دہریوں نے تورات وانجیل کی تفسیر لکھ کر اپنے الحاد کو زور دیا ہے اور قرآن کی تفسیر لکھ کر اپنے آزادانہ خیالات کو ظاہر کیا ہے طابق النعل بالنعل

❀❀❀

بہت سی احادیث بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس عالم عنصری کے سوائے ایک اور عالم ہے کہ جس میں اعمال و اقوال وغیرہا اشیاء اپنی مناسب ایک صورت خاص میں متشکل ہوتے ہیں اور اس عالم میں بیشتر اشیاء موجود ہو چکتی ہیں تب اس عالم عنصری میں اسی کے مطابق ظاہر ہوتی ہیں اور بہت سی چیزیں اس عالم میں یہاں سے منتقل کر جاتی ہیں۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ قیامت کے روز سورہ بقرہ اور آل عمران بادل کی صورت میں ظاہر ہو کر اپنے قاری کے حق میں شفاعت کریں گی۔ اور فرمایا کہ قیامت کے روز اعمال حاضر کئے جائیں گے نماز پھر زکوٰۃ پھر روزے آئیں گے۔ اور فرمایا کہ قیامت کے دن دنیا کو بڑھیا عورت کی شکل میں لائیں گے۔ اور فرمایا کہ شب معراج میں مجھ کو چار نہریں نظر آئیں دو ظاہر[ا] اور دو باطن میں جاری تھیں۔ پس میں نے جبرئیل سے پوچھا تو بتلایا کہ یہ باطن کی دو نہریں جنت میں بہتی ہیں اور یہ ظاہری دو نہریں نیل اور فرات ہیں۔ اور حدیث صلوٰۃ کسوف میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ دوزخ اور جنت مجھ کو دکھائی گئی اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ مصلیٰ اور محراب کے درمیان جنت دکھائی دی اور آپ نے ہاتھ بڑھایا کہ اس کا ایک خوشہ لے لیں۔ اور فرمایا کہ قیامت کے روز موت کو مینڈھے کی شکل میں لا کر لوگوں کے روبرو ذبح کر دیا جائے گا۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاَرْسَلْنَآ اِلَیْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا کہ جبرئیل حضرت مریم کو آدمی کی صورت میں نظر آئے۔ اور حدیث میں ہے کہ جبرئیل حضرت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دکھائی دیتے تھے اور آپ سے کلام کرتے تھے مگر اور کسی کو دکھائی نہ دیتے تھے اور فرمایا کہ موت کے وقت ہر شخص کو ملائکہ نظر آتے ہیں ان کے ہاتھ میں حریر یا ٹاٹ ہوتا ہے۔ اور قبر میں میت کو ملائکہ دکھائی دیتے ہیں اور سوال کرتے ہیں۔ اور انسان کے اعمال متشکل ہو کر سامنے آتے ہیں۔ علاوہ ان کے اور بیشمار صحیح احادیث اس بارے میں وارد ہیں۔ چنانچہ کتب صحاح ستہ وغیرہا ان امور کے ذکر سے مالا مال ہیں پس جب یہ ثابت ہو چکا تو انسان کی جزا و سزائے اخروی کی یہ صورت ہے کہ جب انسان لباس جسمانی اتارتا ہے تو اس کے اعمال اچھی یا بری صورتوں میں آ کر دکھائی دیتے ہیں پھر جب جسم کو چھوڑ دیتا ہے تو حظیرۃ القدس میں روح اعظم کی طرف اس طرح کھنچ کر جاتا ہے کہ جیسا لوہا مقناطیس کی طرف کھنچتا ہے اور اس حظیرۃ القدس کو علیین بھی کہتے ہیں وہاں اس کو ملائکہ مقربین اور ارواح طیبین سے ملاقات ہوتی ہے اور اس کی جسمانی باتیں مٹ جاتی ہیں اور اس کے اعمال و ملکات و اخلاق نہایت عمدہ صورتوں میں اس کو دکھائے جاتے ہیں جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں آتی ہیں اور اس کی خواہش کے موافق نعمائے الٰہی اس کے لیے متشکل ہو جاتی ہیں اور جو بدبخت ہے تو اس کے اعمال منکر نکیر کی نہایت مہیب شکل میں اس کو عذاب کرتے ہیں اس کا بخل اور شہوت اور دیگر اخلاق رذیلہ سانپ بچھو کی صورت میں ظاہر ہو کر ڈستے ہیں اس پر گرز پڑتے ہیں اور طبقہ ظلمانی میں کہ جس کو سجین کہتے ہیں اس کو محبوس کیا جاتا ہے اور یہ وہاں اپنی ناگوار باتوں سے نہایت رنج اٹھاتا رہتا ہے اور اس سجین اور علیین کو عالم قبر کہتے ہیں۔

اگر آپ کو قبر کے ثواب و عذاب کا سر ابھی طرح معلوم نہ ہوا تو آپ کے لیے اس عالم میں خواب کی نظیر پیش کرتا ہوں۔ صفراوی المزاج خواب میں گرمی اور آگ دیکھتا ہے اور گویا آگ اس کو جلاتی ہے اور وہ اس عالم میں بڑی تکلیف پاتا

[ا] پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس عالم کی چیزوں کو بالکل اس عالم کی چیزوں پر قیاس نہ کرنا چاہیے۔ حقانی

ہے اور ان کی ملکیہ قوت بالکل مستور و مقہور ہے تو وہ بعد موت کے اپنی کا طبیعت اصلیہ یا کسبیہ سے شیاطین میں جا ملتے ہیں۔
الغرض ایک مدت تک عالم برزخ میں یہ چیزیں متشکل ہو کر نظر آتی ہیں اور ہر شخص کا ایک خاص حال ہوتا ہے۔ لیکن جب یہ
تمام مدتِ برزخی فنا ہو جائے گی یعنی کثافت کی چادر اتار کر لطیف و نورانی بن جائے گا کہ جس کو عالم حشر یا روزِ قیامت کہتے ہیں
تب ان متشکل چیزوں کے دیکھنے میں سب مساوی ہوں گے۔ اور یہ بھی خیال رہے کہ حشر اجساد کی زندگانی نہیں ورنہ پھر کوئی
شخص اپنے اعمالِ سابقہ کی جزا و سزا نہ پاوے بلکہ یہ پہلی زندگانی کا تکملہ اور تتمہ ہے۔ پس جب نفوس مبعوث ہوں گے تو ان کا
عمل اور تکبر کسی بری شکل میں ظاہر ہو کے ان کی پشت پر سوار ہوگا اور نامۂ اعمال دیا جائے گا۔ اور حساب یسیر و عسیر لیا جائے
گا۔ اور شریعت پل صراط کی شکل میں ظاہر ہوگی اور جو لوگ اس پر دنیا میں جس طرح چلتے تھے اسی طرح وہاں اس پر چلیں گے
پورا پورا عمل کرنے والے خلوص والے برق کی طرح پار ہو جاویں گے اور پھر درجہ بدرجہ اور شریعت میں قصور کرنے والے اور
فطرت کے برخلاف چلنے والے اس پر سے کٹ کٹ کر گر پڑیں گے۔ اور خلوص قلب وہاں نور بن کر ظاہر ہوگا اور اعمال
صالحہ سواری بن جائیں گے۔ چنانچہ اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے قال النبی ﷺ سمنوا ضحایاکم فانہا علی
الصراط مطایاکم کہ اپنی قربانیوں کو فربہ کرو کس لیے کہ وہ پل صراط پر تمہاری سواریاں ہوں گی اور اسی طرح آنحضرت
علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت عامہ حوض کوثر کی صورت میں ظاہر ہوگی جس نے یہاں اس سے کچھ فیض اٹھایا وہ وہاں بھی اس
سے سیرابی حاصل کرے گا اور فطرت و شریعت پر استقامت ترازو عمل ہو جائے گی۔ اور اسی طرح قرآن اور رمضان وغیرہ
اشیاء نیک اپنی اپنی مناسب صورتوں میں ظاہر ہوں گی۔ اور ملائکہ بھی عالم حشر اور برزخ میں عذاب و ثواب پر متوکل کیے جائیں
گے اور وہاں ہر شخص کو دکھائی دیں گے۔ اور اسی طرح رحمت الٰہی اور نعمت غیر متناہی جنت کی شکل میں ظہور کرے گی کہ اب
بھی متشکل ہے۔ حور و غلمان اور عمدہ عمدہ مکانات اور انہار اور انگور اور غلمان اور نہایت عمدہ ظروف کہ جن کو چاندی سونے کا اور کبھی
یاقوت و موتی کا شرع نے بتایا ہے اور قرآن و احادیث میں ان کو بندوں کے محاورے کے موافق اس عالم کی عمدہ چیزوں کے
ساتھ تشبیہ دے کر متعدد جگہ طرح طرح کے عنوانوں سے بیان فرمایا ہے وہ سب نعمائے الٰہی اور بندوں کی خواہش متمثل
ہوں گے۔ بلکہ ہر شخص کی خواہش کبھی حور اور کبھی انہار اور کبھی یاقوت و زمرد کے مکانات کی صورت میں ظہور کرے گی۔ بہت سی
احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں چنانچہ حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں نے ایک حور گندم گون سرخ لب دیکھی۔
جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کون ہے کہا جعفر بن ابی طالب کی ایک عورت سے نہایت رغبت خدا نے دیکھی تو اس کو اسی شکل میں
ظاہر کر دیا۔ اسی طرح ہر روز ہر ایک نعمت الٰہی نئی صورت میں ظہور کرے گی۔ اور دوزخ کے آفتاب و ماہتاب بھی یہ آفتاب و

ل یہاں بھی اس کرسٹان نے یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ بہشت دوزخ کا انکار ہو گیا ہے کیونکہ آدم جس جنت میں رہتے تھے وہ کس کے اعمال تھے
الخ حالانکہ یہ اس کی نافہمی ہے۔ کیونکہ مصنف علامہ نے جنت کی بابت کہہ دیا ہے کہ اب بھی رحمت الٰہی اور نعمت غیر متناہی جنت کی صورت میں متشکل
ہے۔ رہے بندوں کے اعمال سو جزا و ثواب مشہوات کی شکل میں ظہور کریں گے نہ کہ جنت کی کیونکہ وہ رحمت الٰہی کا مظہر ہے۔ نہ آج سے بلکہ ازل
سے پھر اگر ہمیشہ سے موجود رہے ہوں تو کیا اشکال لازم آتا ہے۔ اسی طرح نہ سمجھی نہ اس کو تعصب جاہل کرسٹان جاہل نے اس حدیث حور گندم گوں پر بھی
اعتراض کیا ہے جس کو شاہ ولی اللہ محدث نے بھی حجۃ اللہ البالغہ میں موقع پر ذکر کیا ہے۔ ۱۲ ابو محمد حقانی۔

ماہتاب نہ ہوں گے نہ یہ زمین وہاں کی زمین ہوگی نہ یہ آسمان وہاں کا آسمان ہوگا کما قال تعالیٰ لَا یَرَوْنَ فِیْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِیْرًا ۝ کہ وہاں آفتاب کی گرمی دیکھیں گے نہ سخت سردی۔ وقال یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ کہ آسمان و زمین اس روز بدل جائیں گے۔ اس لیے کہ یہ عالم جسمانی کہ جس کے قویٰ محدود ہیں ہمیشہ کے لیے باقی نہیں رہ سکتا۔ پس ایک روز یہ تمام عالم جسمانی' زمین و آسمان پہاڑ و دریا چاند و سورج فنا ہو جائیں گے اور یہ سب کے سب اس عالم میں جا کر اپنی موافق صورتوں میں ظہور کریں گے کیونکہ اس عالم سے یہاں یہ چیزیں آتی ہیں اور پھر وہیں چلی جاتی ہیں۔ جس طرح کوئی مچھلی دریا میں نکل کر پھر غوطہ لگا جاوے۔ شاید جو لوگ بروز اور کمون کے قائل ہیں اسی لیے قائل ہوئے ہیں قال تعالیٰ کُلٌّ اِلَیْنَا رٰجِعُوْنَ یعنی ہر چیز ہمارے پاس لوٹ آتی ہے۔ رجوع میں یہ بات ضرور ہے کہ جہاں سے ابتدا ہو اسی کی طرف انتہاء ہو۔ پس جس طرح یہ عالم ترکیب و ترتیب کے ساتھ اس سے ظہور کرتا ہے کہ اول مرتبہ ذات بحت پھر تنزلاً تفصیل بمراتب تجرد پھر ظہور عالم حسی اسی طرح عالم حسی سے لوٹ کر ہر چیز پھر عالم ملکوت کی طرف رجوع کرتے کرتے اس کے پاس جا پہنچتی ہے۔

قیامت

اس بحث کے بیان کی یہاں زیادہ گنجائش نہیں مختصر یہ تمام عالم اس عالم کی طرف رجوع کرے گا کہ جس کو قیامت کہتے ہیں چنانچہ اس فناء عالم کی تفصیل قرآن و احادیث میں کثرت سے موجود ہے۔ جنت میں اعلیٰ اور سب سے زیادہ نعمت تجلی دیدار الٰہی ہوگی کہ جس کی کیفیت سے عقل آگاہ نہیں ہو سکتی بلکہ ہر روز غیر متناہی چیزیں جو جنت میں پیش آئیں گی سوائے خدا کے ان کی کوئی نہ کنہ حقیقت جانتا ہے نہ پورا ان کا کسی کو علم ہے۔ کما قال تعالیٰ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ بعض لوگ جو اس بحث سے ناآشنا ہیں اور جنت و دوزخ اور عالم برزخ کے اسرار سے بے خبر ہیں جن کی ان نعماء کا اس آیت کو مستند بنا کر انکار کرتے ہیں اور ان نعماء کو عالم حسی کی چیزوں پر قیاس کر کے جنت کو دنیا کی خرابات سے تشبیہ دیتے ہیں اور طرح طرح سے زبان طعن و طنز کشادہ کرتے ہیں اور بعض پادریوں نے تو بے سمجھے قرآن و احادیث کے ان پاکیزہ مضامین پر جو اسرار الٰہیات ہیں بڑا طعن کیا ہے۔ اور جس طرح ان لوگوں نے ان اسرار کی ناواقفیت سے انکار و اعتراض کیا ہے اسی طرح ہنود کے اکابر اس ناسمجھی سے ارواح کی نسبت تناسخ کے قائل ہو گئے ہیں کہ دوبارہ پھر اسی جسم عنصری میں روح لوٹ آتی ہے اور یہی طریق جزا و سزا کا ہے۔ اس عقیدے کے ابطال پر دلائل قائم کرنے کی کچھ ضرورت نہیں جو اس سر سے واقف ہے وہ کبھی تناسخ کا قائل نہ ہوگا۔ جس طرح رضائے الٰہی و نعماء نامتناہی جنت کی صورت میں ظہور کرتی ہے اسی طرح وہ اعمال جو خلاف فطرت عمل میں آئے ہیں عقوبات جہنم کی صورت میں پیش آتے ہیں بعض چیزیں نَارٌ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَةِ بن جاتی ہیں اور یہی اعمال اپنی صورت طوق و زنجیر و زقوم اور گرم پانی بن کے ایذا پہنچاتے ہیں انسان کی شقاوت بھی جہنم کی اندھیری بن جاتی ہے اور غیر الٰہی جہنم کی صورت میں متشکل ہو جاتا ہے۔ جہنم سے نجات پانے کی مختلف صورتیں ہیں۔ کبھی شفاعت انبیاء بھی

خلق کی گئی) یا اور وجہ نہایت حیرت و بیان سے باہر ہیں۔ انسان ان کو تعبیر نہیں کر سکتا تو یہ مسلم مگر اس سے جنت کی ان نعماء کی کہ جن کا ذکر قرآن میں ہے (حور قصور میوہ جات) نفی یا انکار کسی طرح نہیں لازم آتا۔ غایۃ الامر یہ بات لازم آئے گی کہ جنت کی جس قدر کیفیات ہوں گی ان کی حقیقت کوئی نہیں جانتا۔

سوم خلیجہ مانی الجیب اس کے بیان سے انسان کا عجز ثابت ہوگا نہ خدا تعالیٰ کا۔ طرفہ یہ کہ آپ خود اقرار کرتے ہیں کہ اس نے قرۃ اعین کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اولاد پیدا ہونے مینہ برسانے رزق کے فراخ ہونے دشمنوں پر غلبہ پانے اور اس کلفت کو اولاد کے مرنے قحط پڑنے ابار پھیلنے شکست کھانے کی کیفیت کی تشبیہ میں بیان کیا۔ آگے ص ۳۸ اور آپ اسی صفحہ میں یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ محمد مصطفی ﷺ نے اس کو ایسی تشبیہوں میں بیان کیا ہے کہ تمام انسانوں کی طبیعتوں پر حاوی ہیں اور کل انسانوں کی خلقت اور جبلت کی نہایت ہی مناسب ہیں الخ۔ پھر تعجب کی بات ہے کہ اس قرۃ اعین یعنی راحت بالذات کو حضرت موسیٰ اور محمد مصطفیٰ علیہما السلام تو تشبیہات مرغوبہ میں نہایت عمدہ طور پر بیان کر جائیں اور آپ کے خدا صاحب اب سے ایسے عاجز ہو جائیں کہ ان کو اس کا بیان کرنا محال کیا بلکہ محال سے بھی بڑھ کر ہو جاوے۔ تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا۔ مگر آپ یہ فرمائیں کہ اس قرۃ اعین کی کہ حقیقت کے علم کو ہم محال کہتے ہیں اور باقی ان تشبیہات سے اس کا علم بالوجہ حاصل ہو سکتا ہے سو اس میں ہمارا کلام نہیں تو میں اس کے جواب میں یہ عرض کرتا ہوں کہ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو غایۃ ما فی الباب ان چیزوں کا علم بالکنہ مشکل اور متعذر ہوگا نہ محال اور اگر یہ بھی تسلیم کیا جاوے تو یہ تشبیہات جو قرآن میں مذکور ہیں کہ وہاں حوریں اور نہریں اور باغ اور عمدہ عمدہ محل اور سایہ دار درخت اور طرح طرح کے میوے ہیں غلط نہیں ہو سکتیں پھر آپ کا ان چیزوں سے انکار کرنا اور یہ آیت فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔ اور حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پیش کرنا بے فائدہ ہے کیونکہ اس تقریر پر آیت اور حدیث کے یہ معنی ہوئے کہ ان چیزوں کی کوئی حقیقت کما ہی نہیں جانتا نہ یہ کہ جس چیز کو باغ سے تشبیہ دی ہے اور جس کو حور عین کہا ہے اور جس کو سایہ دار درخت کے ساتھ تشبیہ دی ہے علیٰ ہذا القیاس ان کا وجود اس تشبیہ کے موافق وجود نہیں۔ حاشا وکلا۔ اگر یہ ہو تو پھر یہ تشبیہ لغو ہو جاوے۔ جب ہم زید کو شیر کہیں اور اس کے ساتھ تشبیہ دیویں (گو زید بعینہ شیر نہیں مگر یہ تو ضرور ہوگا کہ کسی وصف خاص میں شیر کا ہم پلہ نہیں تو مماثل اور مشابہ تو ضرور ہوگا ورنہ یہ تشبیہ لغو اور کذب ہوگی۔ اس تقریر پر یہ بات بھی تسلیم کرتے ہیں کہ جنت میں عنصری درخت نہیں نہ وہاں یہ عنصری ہوا نہ اس کے مکانات نہ یہاں کی شراب نہ یہاں کے اجسام عنصریہ سے مرکب خوبصورت عورتیں نہ یہاں کی نہریں نہ یہاں کے میوے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے بلکہ ان کی حقیقت اور یہاں کی چیزوں کی حقیقت غیر ہے۔ محض ہمارے سمجھانے کے لیے یہ الفاظ کسی مناسبت سے بولے گئے ہیں۔ اس آیت اور حدیث سے ان چیزوں کے وجود کی

---

1. آپ کی اس تقریر سے یہ بات پائی کہ جنت محض راحت روحانی کا نام ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو مینہ برسانے رزق کے فراخ ہونے پر محمول کیا ہے نہ خدا نے بلکہ آنحضرت ﷺ نے تو عام دنیا کے ترغیب دینے کو باغ اور حور وغیرہ چیزوں کو کہا ہے۔ اس سے بخوبی جنت کا بالکل انکار ہو گیا۔ صاف یہ بات کہ آپ وہاں کی حور وغیرہ کا ایسا وجود نہیں مانتے جیسا کہ دنیا کی نعماء کا وجود ہے کیونکہ یہ ہوتا تو تمام اہل اسلام بھی مانتے ہیں پھر تو آپ کا زیادہ کیا ہے بلکہ بالکل انکار کرتے ہیں۔ الحقانی

تک نہیں پہنچ جاتی بلکہ اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ جو چیزیں ہم نے اپنے بندوں کے لیے مخفی رکھی ہیں ان کو کوئی نہیں جانتا جو کہ اس نے مخفی نہیں رکھیں بلکہ بذریعہ وحی کے بتلادیں ان کو ہم جان سکتے ہیں اور حدیث تو اسی آیت کی تفسیر میں واقع ہے۔ پس اب ان نعماء کے جاننے اور اس آیت میں منافات باقی نہ رہی۔ اب اس آیت سے یہ سمجھنا کہ جو چیزیں نصوص قرآنیہ میں مذکور ہیں وہ محض بے اصل ہیں محض وسوسۂ شیطان ہے۔

قولہ ص ۲۸ یہ سمجھنا کہ جنت مثل ایک باغ کے پیدا ہوئی ہے اس میں سنگ مرمر اور موتی کے جڑاؤ محل ہیں۔ باغ میں شاداب و سرسبز درخت ہیں، دودھ و شراب کی نہریں بہ رہی ہیں، ہر قسم کا میوہ کھانے کو موجود ہے، ساقی و ساقنیں نہایت خوبصورت چاندی کے کنگن پہنے ہوئے جو ہماری اس کی گھوسیں کہتی ہیں، شراب پلا رہی ہیں۔ ایک جنتی ایک حور کے گلے میں ہاتھ ڈالے پڑا ہے، ایک نے ران پر سر دھرا ہے، ایک چھاتی سے لپٹا رہا ہے، ایک نے لب جاں بخش کا بوسہ لیا ہے، کوئی کسی کونے میں کچھ کر رہا ہے، کوئی کسی کونے میں کچھ بیہودہ پن ہے جس پر تعجب ہوتا ہے۔ اگر بہشت یہی ہے تو بے مبالغہ ہماری خرابات اس سے ہزار درجہ بہتر ہیں انتہی۔

آپ کو اس سفید ریشی پر یہ بے تہذیب باتیں زیبا نہیں۔ جنت کی نعماء کو کون شخص دنیا کی چیزیں یعنی نہیں کہتا۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ آپ ایسی باتیں کر کے اپنے بیچارے معتقدوں کا ایمان کیوں خراب کرتے ہیں؟ آپ سے پہلے ہزاروں شاعر بیہودہ گو کلام الٰہی پر مسخرا بازی کر چکے ہیں ان باتوں کا جواب مسخرا بازی کے ساتھ ہم کو بھی آتا ہے مگر ہم اپنی اوقات عزیز کو ضائع نہیں کرتے۔

معتقد سنی درویشی نبود

وقت باقی ماجرا [illegible] [illegible]

قولہ ص ۳۹ علماء اسلام نے بسبب اپنی وسعت فہمی ان کے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ جو امر الفاظ سے مستفاد ہوتا ہے اس کو تسلیم کر لیں (بخلاف آپ کے کہ تسلیم نہیں کرتے) اور اس کی حقیقت اور اس کے مقصد کو خدا کے علم پر چھوڑ دیں اس واسطے وہ بزرگ تمام ان باتوں کو تسلیم کرتے ہیں جن کو کوئی بھی نہیں مان سکتا اور جو ایسی باتیں جیسے کہ عقل اور اصلی مقصد بانی مذہب کے برخلاف ہیں ویسی ہی مذاہب کی سچائی اور بزرگی و تقدس کے مخالف ہیں۔

اقول: آپ وہ عقل کے برخلاف باتیں تو پیش کیجئے۔ شاید ملائکہ اور شیطان اور جن اور جبرئیل اور نعماء جنت اور معجزات اور خرق عادات کو آپ ایسی باتیں قرار دیتے ہیں کہ جن کو اس وقت کے دہریہ خلاف عقل کہتے ہیں۔ ان بیچاروں کے حصہ میں عقل سلیم ہی نہیں ان کا عقل سے کم ہی کام پڑتا ہے یہ تو صرف محسوسات ہی پر ایمان رکھتے ہیں جو چیز ان کو حواس خمسہ سے معلوم نہ ہو ان کے نزدیک تو وہی خلاف عقل ہے۔ پس اندھی عقل کا کیا ٹھکانا ہے؟ جب علماء اسلام رحمہم اللہ بھی آپ کے نزدیک خلاف عقل کے پیرو اور غیر محقق ہیں تو کیا عیسائی اور یہودی علماء کہ جن کا اصول مذہب تثلیث و الوہیت مسیح و کفارہ و تشبیہ وغیرہ لغو باتیں ہیں محقق ہیں یا ہندوؤں کے پنڈت کہ جن کا اصول دین مخلوق پرستی ہے؟

قولہ ص ۳۹ اس امر کے ثبوت کے لیے کہ بانی مذہب کا ان چیزوں کے بیان کرنے سے صرف اعلیٰ درجہ کی راحت کا

جائے گا

نہ گورِ سکندر نہ ہے قبرِ دارا
مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

❀❀❀

اس میں اس طرح کی لکیریں اور ایسے ریشے ہوویں اور پھول پنکھڑیاں اور ایسی رنگت اور ایسی خوشبو رہے۔ ہر حیوان کی صورت نوعیہ ان فرائض کو ادا کرتے چلی جاتی ہے۔ مرغی کے بچے پر حرام ہے کہ وہ بطخ کے بچے کی صورت میں آئے اور گھوڑے کو حرام ہے کہ وہ بیل بن جائے۔ حیوانات پر وحی آتی ہے اور یہ احکام فرض ہیں کہ ہر نوع اپنی اپنی صورت نوعیہ پر قائم رہے۔ پرندوں کو یہ الہام ہوا کہ نر و مادہ باہم اس طرح سے میل جول کریں گرمی کے موسم میں اپنا گھونسلا بنائیں۔ انڈوں کو اس طرح سینکیں بچے اس طرح نکالیں۔ گھاس دانہ پانی وہاں سے لائیں بچوں کو اس طرح سے کھلائیں بڑے ہو کر اس طرح سے اڑیں دشمن سے بھاگیں اپنے مقابل سے کہ جب ان کی ضروریات میں خلل ہو اس طرح جنگ کریں اپنے ہی نوع کے ساتھ رہا کریں۔ اسی طرح گائے بھینس انسان گھوڑے گدھے ہر ایک نوع کو بذریعہ الہام اور وحی وہ علوم سکھائے جاتے ہیں کہ جو ان کے نوع کو کارآمد اور ضروری ہیں اور ان چیزوں سے ان کی صورت نوعیہ کو منع کیا جاتا ہے جو ان کے حق میں مضر اور خلل انداز ہیں۔ گائے بھینس پر حرام ہے کہ وہ گوشت کھائیں اگر اس حرام کا ارتکاب کریں تو اس کی سزا ان کو دی جاوے۔ شیر پر گھاس کھانی حرام اور گوشت کھانا فرض ہے اس حکم کو عدول کرے تو تحت معصیت الٰہی نقصان کے جہنم میں جاوے۔ شہد کی مکھیوں پر یہ فرض کر دیا کہ درختوں کے پتے اور پھولوں اور پھلوں دیکھ کر کھائیں پھر اپنے ہی نوع کے لیے ایک گھر بنائیں اور وہاں شہد اس طرح سے بھریں اور اپنے سردار یعسوب کی اطاعت کریں۔ الغرض اور بہت سے حالات ہیں کہ جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں۔ الغرض اس وحی میں ہر ایک چیز شریک ہے اور ہر نوع کی شریعت جداگانہ ہے اور ہر نوع اس شریعت کی مجبوراً پابند ہے چنانچہ ان آیات میں اسی طرف اشارہ ہے وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وقال وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِيْ لَهَا اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ علاوہ ان کے اور بہت سی آیات ہیں۔ قرآن مجید کی

---

۱ اس پر بھی اس معترض نے اعتراض کیا ہے کہ بہت سی ہری ساٹھ برس کے بعد چیل بن جاتی ہے ایسا شاید ایسی ہری معترض کے گھر میں ہوگی ہم یہ ایک جاہلانہ توہم پادر ہوا ہے جس میں کلام ہے۔

۲ من نفاستہ کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ۔ زمین پر چلنے والے حرکت کرنے والے اور پرندے بازوؤں سے اڑنے والے تمہاری مانند گروہ ہیں۔ ہم نے قرآن میں کوئی بات بھی نہیں چھوڑی۔ ۱۲ منہ

۳ چنانچہ اس آیت میں اسی کا بیان ہے وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۔ تیرے خدا نے شہد کی مکھیوں کو حکم کیا کہ پہاڑوں اور درختوں اور چھتوں میں گھر بنائے اور ہر طرح کے پھل کھا۔ خدا کے راستوں پر چل۔ نکلتا ہے ان کے پیٹ سے قسم قسم کا رنگ جس میں لوگوں کی شفا اور نشانی ہے ان کے لیے جو غور کرتے ہیں۔ منہ

۴ اور خدا ہی کو سجدہ کرتے ہیں (یعنی فرمانبرداری) آسمان والے اور زمین والے۔ ۱۲ منہ

۵ اور آفتاب اپنے ٹھکانے پر چلا جاتا ہے یہ اندازہ ہے زبردست جاننے والے کا (آفتاب خدا کے حکم کے موافق چلتا ہے) اور چاند کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں (کہ ہر ایک منزل کو ایک دن رات میں طے کرتا ہے) یہاں تک کہ پھر اسی طرح پرانی ٹہنی کی مانند ہلال ہو کر نظر آتا ہے آفتاب کو یہ دسترس نہیں کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آ سکتی ہے اور ہر ایک ستارہ آسمان میں تیرتا پھرتا ہے۔ ۱۲ منہ

خوبیوں میں سے ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں ہر ایک قسم کی حکمت اور ہر چیز کے سر کی طرف اشارہ ہے۔ کلام الٰہی میں یہ خوبی ضرور ہونی چاہیے اور انھیں وجوہ سے اس کا مثل بنانا محالات سے ہے۔ مطلب کی طرف رجوع کرتے ہوئے حاصل کلام اس وحی اور الہام میں ہر چیز شریک ہے اور ہر ایک اس کی اطاعت پر سربسجود ہے اور یہی اطاعت ان کا ذکر اور یہی ان کی تسبیح و تقدیس کہ جس سے کوئی جزو عالم خالی نہیں۔

بذکرش ہر چہ بینی در خروش است
دلے داند دریں معنی کہ گوش است
نہ بلبل بر گلش تسبیح خوانیست
کہ ہر خارے بہ تسبیحش زبانیست

لیکن اس وحی اور اس الہام کی جدا زبان ہے۔ جس زبان سے ہر چیز اس سے بات کرتی اور اپنے درد دل کو ظاہر کرتی ہے وہ اور زبان ہے۔ باغ میں سرو دست بستہ کھڑا ہو کے جس زبان سے عرض حال کر رہا ہے وہ اور ہے۔ دریا اور پہاڑ اور ہیبت ناک جنگل بلکہ انسان کا ہر ہر عضو بلکہ عالم کا ہر جزو جس زبان سے کلام کر رہا ہے وہ اور زبان ہے جو زبان کہ جس سے ہم باہم بولتے چالتے ہیں اور زبان ہے اس زبان میں بے آواز اور بے حروف اور بغیر الفاظ کے وحی آتی ہے چنانچہ اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ[1] وقال وَاَوْحٰى فِىْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا[2] وقال فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا اس قسم کے علاوہ ایک دوسری قسم وحی اور الہام کی بھی ہے کہ جس کے ساتھ حضرت انسان (یا کوئی اور نوع ذی عقل) مخصوص ہو چونکہ جمادات ترقی کر کے نباتات ہوئے اور وہی کہلائے اور جسم نامی ترقی کر کے حیوانیت کے درجہ میں پہنچے پھر اعلیٰ کمال حاصل کرنے والے انسان ہو گئے۔ انسان ان جمادات' نباتات' حیوانات میں چونکہ اعلیٰ اور مخصوص ہے تو اس کے لیے وحی اور الہام بھی بہ نسبت اور چیزوں کے مخصوص ہے۔ اس کا دل گزرگاہ خداوند تعالیٰ ہے۔ اس کا رابطہ خدا کے ساتھ سب سے نرالا ہے۔

ورنہ دنیا میں کہاں تیری وسعت کو پا سکے ۔۔۔ میرا ہی دل ہے وہ کہ تو جس میں سما سکے

انسان کے دل پر جو کچھ واردات غیبی ظہور کرتی ہیں سب وہیں سے آتی ہیں اور ہر وقت معلم غیبی اس کو وہاں کی باتیں تلقین کرتا رہتا ہے۔ مگر اس کا خمیر ایسے متضاد الطبائع سے ہوا ہے کہ جس کی صورت نوعیہ کا مقتضی ظلمت و تاریکی اور اضلال ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ انسان کی روح (کہ جس کو حکماء نفس ناطقہ کہتے ہیں اور جوہر علوی اور نور الٰہی کے لقب سے ملقب کرتے ہیں) گرچہ حادث ذاتی بلکہ حادث زمانی ہے لیکن اس جسم کے مرکب ہونے سے ہزارہا سال پہلے پیدا ہو چکی تھی[3]

---

1. اور تیرے رب نے حکم دیا (گویا) شہد کی مکھی کو تو پہاڑوں میں گھر بنا اور درختوں کے میوے کھا کے چھتہ بنا ۱۲ منہ
2. اور ہر آسمان میں وحی کی۔ ۱۲ منہ
3. چنانچہ یہ آیت اسی دعوے پر دلیل ہے وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِىْٓ اٰدَمَ الآیہ یعنی خدا نے بنی آدم کی ذریات کو ان کی پشت سے روز میثاق نکالا امام احمد نے روایت کیا ہے کہ خدا نے آدم کی پشت کو مسح کیا اس کی تمام ذریت جو کہ قیامت تک ہونے والی تھی چیونٹیوں کی طرح نکل پڑی۔ سب سے خدا نے خطاب کر کے پوچھا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کہ کیا میں تمہارا رب نہیں قَالُوْا بَلٰى سب نے کہا ہاں۔ کہا میں نے تم سے اقرار لیا اور تم کو ←

پیدا ہوتے ہیں مگر زیادہ قابل لحاظ یہ آٹھ قسم ہیں۔ چار قسم اس صورت میں پیدا ہوتی ہیں کہ جب ملکیہ اور بہیمیہ دونوں مصالحت پیدا کر کے ایک مزاج خاص حاصل کر لیں۔ (اول) یہ کہ ملکیہ نہایت علو میں ہو اور بہیمیہ بھی شدید ہو مگر ملکیہ کے تابع ہو یہ وہ لوگ ہیں کہ امور ریاست دنیا و دین پر حاوی ہیں اور انتظام ملت و مذہب و تہذیب نفس اور اصلاح خلائق میں ممتاز ہیں۔ دنیا اور دین دونوں کے کمالات ان کو حاصل ہوتے ہیں۔ پس جس طرح کہ عالم ملکوت کے اسرار ان کے دلوں میں منکشف ہوتے ہیں اور وہاں کی چیزیں ان کو عیاناً دکھائی دیتی ہیں حالانکہ اپنی اصلی حالت پر بھی ان سے نظر ملا کر کلام کرتے ہیں۔ اسی طرح دنیاوی اصلاحات اور انتظامات اور تدابیر جزئیہ میں بھی یہ لوگ کامل ہوتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو انبیاء اولوالعزم کہتے ہیں۔

(دوم) وہ کہ قوائے ملکیہ ان کے علو پر اور قوائے بہیمیہ ضعف پر ہوں یہ لوگ انتظام و مصالح دنیاویہ میں ان سے کم ہیں لیکن وہ بھی انبیاء ہیں۔

(سوم) وہ لوگ ہیں کہ ان کے قوائے بہیمیہ اور ملکیہ دونوں ضعیف ہیں یہ لوگ وہ ہیں کہ جو بھاری کاموں سے خواہ دینی ہوں یا دنیاوی بسبب سستی کنارہ کش رہتے ہیں یہ لوگ کمالات سے حصہ نہیں پاتے۔

(چہارم) وہ ہیں کہ جن کے قوائے بہیمیہ نہایت غالب اور ملکیہ نہایت پست۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جو اکثر شہوات نفسانی میں سرشار اور رسم ظلمانی ہیولانی میں گرفتار رہتے ہیں۔

اور باقی چار قسم اس دوسری صورت میں پیدا ہوتی ہیں کہ جہاں قوت ملکیہ اور بہیمیہ میں باہم مصالحت نہیں بلکہ تجاذب اور تخالف ہے۔ اور ان اقسام میں با قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس کی قوت بہیمیہ نہایت تیز ہو گی وہ ریاضات اور مجاہدات کا زیادہ محتاج ہوگا بالخصوص صاحب تجاذب۔ پس جب اس کی قوت ملکیہ زور کرے گی تو معارف میں زیادہ مصروف ہوگا اور بسبب غلبۂ بہیمیہ کے اعمال کی چنداں پرواہ نہ کرے گا اور جب اس کی ملکیہ مغلوب ہوگی تو سمت دنیا ہی میں مصروف ہو جائے گا اس کا یکساں حال کبھی نہ رہے گا۔ اس اصول سے تمام اہل اللہ صدیقین و شہداء کے مراتب اچھی طرح معلوم ہو سکتے

ے اسی لیے جس طرح ہمارے نبی ﷺ نے دینی اور روحانی تعلیم میں کوئی بات نہیں چھوڑی اسی طرح جسمانی اور دنیاوی اصلاح اور انتظام کی بھی تعلیم [illegible] مسائل طہارت کی بھی اس ذات نے کہ [illegible] تک اجمالاً یا تفصیلاً سب بیان فرما دیں۔ حتیٰ کہ استنجا کرنا اور پاخانے میں ڈھیلا لینا بھی تعلیم فرما دیا۔ رات کو چراغ گل کرنے کے [illegible] کے برتنوں [illegible] کرنے [illegible] اسی لیے جیسا کہ آپ اس لطافت کو پہنچے تھے کہ جسم [illegible] روح کی طرح شب معراج آسمانوں پر پہنچا اسی طرح قوائے بہیمیہ کی باتوں [illegible] رکھتے اور نو بیبیوں کے پاس ایک شب میں دورہ کرنے اور شجاعت اور طاقت میں کمال رکھتے تھے [illegible] اصل [illegible] تمام خلق [illegible] اور آپ باعتبار قوت جسمانی کے دنیاوی کاموں میں [illegible] مصروف رہتے مگر [illegible] قوت ملکیہ کے ذات پاک میں مستغرق رہتے تھے جو بعض نادان اس نکتہ سے واقف نہیں وہ آنحضرت ﷺ کے کثرت نکاح [illegible] پر طعن کرتے ہیں اور اس زمانہ کے متعصب پادری [illegible] جیسا کہ پادری [illegible] دفتر کے دفتر [illegible] سیاہ کر رہے اور [illegible] ۱۲ حقانی

ہیں اور اشجار کے درجات بھی بخوبی سمجھ میں آ سکتے ہیں۔ المختصر اس الہام اور وحی سے ہر فرد بشر فیضیاب ہے لیکن باعتبار شدت وضعف قوائے ملکیہ و بہیمیہ کے ہر ایک حسب مراتب حصہ ملتا ہے۔ پس جب کسی قدر قوت ملکیہ اس طرف متوجہ ہوتی اور بہیمیہ کے پیچھے سے نجات پاتی ہے تو اس پر اچھی اچھی باتیں القا ہوتی ہیں اور اچھے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ اور جب قوت بہیمیہ کی ہوا چلتی ہے تو اس کے مقتضی کے موافق شہوانی باتیں سوجھتی ہیں۔ چنانچہ اس حدیث میں کہ ہر بشر کے دل پر ایک نیکی کا فرشتہ الہام کرتا ہے اور بدی کی طرف شیطان بلاتا ہے اسی طرف اشارہ ہے۔ پس انسان کی سعادت اور شقاوت انہی باتوں کہ جن کو شریعت کہتے ہیں اور جن کا الہام ہونا رحمت الٰہی کے نزدیک نہایت ضروری تھا اس قابل نہ تھیں کہ ہر کسی ذہن کے الہام اور ذوق پر چھوڑ دی جاتیں بلکہ ان کے لیے ایسے شخصوں کا الہام ضروری ہے کہ جو قوت بہیمیہ کی تشویشات اور شوائب بشریہ سے معصوم ہوں اور ان کا الہام بھی نہایت اعلیٰ طور پر ہو کہ جس کو وحی بواسطہ جبرئیل کہتے ہیں۔ یہی لوگ انبیاء ہیں۔ اور یہیں سے آپ کو ضرورت نبوت بھی خوب معلوم ہوگئی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تمام افراد نوع میں نفوس انبیاء سب سے زیادہ کامل ہوتے ہیں اور یہ بھی کہ انہیں کے وسیلہ سے عالم قدس کے فیضانات اوروں کو نصیب ہوتے ہیں جس نے ان سے تحکم سے سرتابی کی وہ اپنے کمالات سے اسی طرح محروم رہا کہ جس طرح شاخ درخت کی نافرمانی سے شاخ اور پھول و پھل محروم ہو کر مرجھا جاتے اور جھڑ جاتے ہیں اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ[1]

یہ تو آپ کو خوب معلوم ہو گیا کہ الہام میں سب شریک ہیں ہر مصنف کو اور ہر شاعر کو اور ہر دانا و عقلمند کو اپنے کام کے کاریگر کو بھی الہام ہوتا ہے۔ لوہار بڑھئی کو اپنے کام میں الہام ہوتا ہے کہ جس سے وہ طرح طرح کی صنعتیں اختراع کرتا ہے مگر اس میں بھی متفاوت درجے ہیں جو لوگ کہ ہمہ تن اس میں مستغرق رہتے ہیں ان کی قوت متخیلہ یہاں تک غالب آ جاتی ہے کہ وہ خیالات ان کو مجسم دکھائی دیتے اور کبھی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ لیکن یہ آوازیں ہاتف غیب کی طرف سے نہیں ہوتیں بلکہ درحقیقت وہاں سوائے ان کے خیالات کے اور کچھ نہیں ہوتا جیسا کہ مجنون آدمی خیالی صورتوں سے باتیں کرتا اور ان کو دیکھتا ہے یا جیسا آدمی خواب یا مرض میں کچھ کچھ دیکھا سنتا ہے بعض کو بخار آ جاتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ سب حالات ان لوگوں کے ہیں کہ جن کے قوائے بہیمیہ اور صفات بشریہ غالب ہیں کہ جن کا عوام الناس میں لقب ہے اور جن کے قوائے ملکیہ غالب ہوتے ہیں وہ ان خیالات سے بالکل پاک ہیں۔ پھر ان کی دو قسم ہیں کیونکہ یا تو ان کی قوت ملکیہ نہایت علو پر ہے یا ذرا کم۔ قسم اول انبیاء علیہم السلام ہیں کہ جن کو باعتبار اختلاف حالات کے مختلف طور پر الہام ہوتا ہے کبھی تو خواب میں (جب کہ اس جسم سے توجہ کم ہوتی ہے اور اس عالم کا پردہ ان سے اٹھ جاتا ہے) ملائکہ کے ذریعے سے اور کبھی بلاواسطہ خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہو کر مستفید ہوتے ہیں اور کبھی مغیبات عالم مثالی میں متشکل ہو کر دکھائی دے جاتے ہیں اور کبھی حالت بیداری میں کہ جب ملکیہ کا نہایت غلبہ ہوتا ہے تو یہ تینوں صورتیں پیش آتی ہیں۔

صورت اول الہام انبیاء: وحی ہے کہ وہ فرشتہ کہ جس کو ناموس اکبر یا جبرئیل کہتے ہیں پیغام الٰہی پہنچاتا ہے اور اس کے بھی کئی طور ہیں۔ اول یہ کہ جبرئیل کسی شکل میں ظاہر ہو کے مطلع کر جاوے۔ چنانچہ جنگ احزاب کے بعد جبرئیل آدمی کی

[1] حکم مانو خدا اور رسول کا جب کہ تم کو ان باتوں کے لیے بلائے جو تمہیں زندگی بخشتی ہیں ۱۲

اس مقام پر ایک بات قابلِ بحث ہے وہ یہ کہ اور جس قدر وحی یا الہام وغیرہ کی قسمیں بیان ہوئیں سب ٹھیک ہیں مگر جبرئیل کے ذریعہ سے الہام ہوتا یا وحی آتی اور جبرئیل کا مطالب کو کبھی با الفاظ اور کبھی فقط معانی دل میں القا کرنا کیوں ہے؟ کیا اپنی قوتِ ملکیہ سے خود بخود پیغمبر ﷺ خدا سے ہمکلام نہیں ہو سکتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نقل سے تو جبرئیل ؑ کا الہام اور وحی میں واسطہ ہونا بخوبی ثابت ہے۔ چنانچہ وہ احادیثِ صحیحہ جو اس بارے میں وارد ہیں ان کا تو کوئی شمار ہی نہیں۔ مگر آیاتِ قرآنیہ بھی اس امر میں بیشمار وارد ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہے قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ یعنی کہہ جو کوئی جبرئیل کا دشمن ہو سو ہوا کرے مگر اس نے تو یہ قرآن تیرے دل پر خدا کے اذن سے اتارا ہے۔ از انجملہ یہ ہے يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ کہ خدا جبرئیل کو جس کے پاس چاہتا ہے بھیجتا ہے۔ از انجملہ یہ ہے إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ وَمَا صَاحِبُكُم بِمَجْنُونٍ وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ "یہ قرآن اس رسولِ کریم کا قول ہے کہ جو قوت والا اور خدا کے نزدیک معزز اور امین ہے یعنی جبرئیل اور تمہارا ساتھی (محمد ﷺ) کچھ دیوانہ نہیں (کہ اپنے خیالات کو مجنون کی طرح جبرئیل اور وحی سمجھ جاوے) اور اس نے جبرئیل کو (اس کی صورتِ اصلیہ پر) کنارۂ آسمان پر دیکھا ہے اور وہ غیب کی باتوں میں بخیل نہیں اور یہ قرآن شیطان کا قول نہیں (کہ کوئی یہ گمان کرے کہ شاید شیطان جبرئیل کی صورت میں آتا ہو) پس تم کدھر خیال کر کے جاتے ہو (کہ جو ایسی بدگمانیاں کرتے ہو)۔ قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ "تم کہو کہ اس قرآن کو تمہارے رب کی طرف سے سچائی کے ساتھ روح القدس نے اتارا ہے یعنی جبرئیل نے اور سِر اس کا یہ ہے کہ جن کو انبیاء کہتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے نفوسِ مزکاۃ ہر طرح کی لوثِ بشری سے پاک و صاف ہوتے ہیں اور جن کو ملاءِ اعلیٰ میں لوگوں کی رہنمائی اور اصلاحِ دارین کے لیے ممتاز بنایا جاتا ہے قولہ تعالیٰ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ ان کی اطاعت کا قرنوں تک لوگوں کے دلوں میں میلان و شوق ڈال جاتا ہے ان کے موافق پر رحمت اور مخالف پر لعنت اترتی ہے اور یہی بھید ہے کہ آج تک ہزارہا برس سے تخمیناً تمام عالم کہ جس میں طرح طرح کے لوگ ہیں انبیاء علیہم السلام کے تابع چلا آتا ہے آخر کچھ تو بات ہے کہ یورپ کے بڑے بڑے فلاسفر اور حکماء و عقلاء حضرت مسیح ؑ[2] کو مانتے چلے آئے ہیں۔ اور تخمیناً تہائی دنیا نے تیرہ سو برس سے ایک غریب یتیم خشک پہاڑوں کے رہنے والے یعنی حضرت خاتم الانبیاء ﷺ پر جان فدا کر رکھی ہے ان کا نام دلوں کو مقناطیس کی طرح کھینچتا ہے۔ اگر یہ ملاءِ اعلیٰ کی طرف کی قبولیت نہیں تو پھر کیا ہے؟ تمام یورپ اور امریکہ اور ایشیا اور افریقہ میں چند شخصوں کی۔ مثلاً کوئی ریفارمر یا واعظ یا اپنی قوم کا ترقی خواہ یا کوئی حکیم و فلاسفر یا کوئی ریاضیات کا امام یا کلوں

---

[1] اصل اس کی یہ ہے کہ نفوسِ انبیاء کو ملاءِ اعلیٰ اور منبعِ رحمتِ باری سے اتصال ہوتا ہے۔ جو بڑوں میں پایا جاتا ہے مقناطیس سے اور جو جذب ہے وہ اسی کا پرتو ہے جو اصل میں سب کھینچتا ہے جن میں اسی کا پرتو ہے۔ انسانِ کامل پر تو اس کا انبیاء علیہم السلام ہیں۔ اسی لیے ان کی طرف تمام عالم کے دل زور سے کھنچے جاتے ہیں۔ اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جب خدا کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرئیل کو حکم کرتا ہے کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں تم بھی کرو پھر ملاءِ اعلیٰ کے لوگ اس سے محبت کرتے ہیں پھر مقبولیت اتاری جاتی ہے یعنی اس کی محبت زمین پر بھی پھیلائی جاتی ہے یہاں تک کہ اہلِ زمین بھی اس سے محبت کرتے ہیں اور جس سے خدا کو نفرت ہوتی ہے اس کی نفرت اسی طرح پھیلتی ہے۔ ۱۲ منہ

[2] یعنی حضرت مسیح علیہ السلام ۱۲ منہ

کا ایجاد کرنے والا اپنے مخلوقوں اور بیچاروں سے غافل ہو اور عام کیوں نہ ہو گیا؟ کیا کسی کو اس بات کی آزادی ہو گئی ہو کیوں نہیں بلکہ ہزاروں اس جرم میں اپنا ایمان کھو کر مر گئے۔ الحاصل اس نوع کی معرفت نوع کی اصلاح کے وہ علوم ظاہر ہوتے ہیں کہ جن کے حاصل کرنے سے عقول عاجز ہیں اور اس کا اتباع ہر فرد نوع پر بالالزام اور ضروری ہوتا ہے جیسے کہ درخت یا حیوانات کی صورت نوعیہ کا اس کے افراد یا جسم کا کل پر۔ ہاں جس طرح درخت کے ہر پتے اور پھل اور ہر شاخ کی بہتری اور اصلاح کسب نباتیہ کے ذریعہ سے ہوتی ہے اگر وہ اس کی مخالفت کریں تو اپنے کمالات نوعیہ سے محروم رہ جائیں نہ سبز رہ سکیں نہ پھول کھل سکے نہ پھل پک سکے۔ اور جس طرح کہ نفس حیوانیہ شیر کو گھاس کھانی حرام اور کاٹنے اور پھاڑنے پر فرض واجب کرتا ہے اسی طرح نبی وقت کی اطاعت فرض ہے وہ بھی ہر شخص کے لیے اس کی معرفت میں جو حرام اور ضروری باتیں کہ فرض ہم کہتے ہیں۔ چنانچہ ان آیات میں اسی طرح اشارہ ہے هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ (خدا وہ ہے کہ جس نے ان جاہل لوگوں میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا اور ان کو پاک کرتا اور کتاب و حکمت سکھاتا ہے ورنہ بلاشک اس سے پہلے وہ صریح گمراہی میں تھے) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ "کہ اے مومنو کہا مانو اللہ اور رسول کا جب کہ وہ تم کو اس بات کی طرف بلائے کہ جو تمہیں حیات (ابدی) بخشے" وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ "کہ رسول لوگوں کے لیے پاک چیزیں حلال اور گندی چیزیں حرام کرتا ہے" پس جو نوع انسان میں سے ان علوم کے لیے انبیاء مخصوص ہونے ضرور تھے اور ان ضروری چیزوں کے لیے الہام بھی وہ ہونا چاہیے تھا جو سب صورتوں میں اعلیٰ اور جیدہ ہو الغرض الہام کی جو صورتیں ہیں ان میں سے بعض جو خواب میں پیش آتی ہیں اس قابل نہیں کیونکہ اکثر خواب میں قوت وہمیہ اور ادراکات عقل صرف کو معارض ہو کر غلط ملط کر دیتی ہے اس لیے مدرکات اپنی مناسب صورتوں میں دکھلائی دیتے ہیں۔ لہذا تعبیر دینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ باقی رہیں بیداری کی تین صورتیں تو ان میں سے یہ صورت کہ عالم ملکوت منکشف ہو جاوے سوائے کامل کا اسی بات پر رہتا ہے کہ وہ خدا سے خود ہمکلام ہو جاوے۔ پس یہ ایک دوسری صورت کہ فرشتہ پیغام لاوے قابل اطمینان ہیں اور قرآن مجید انہیں دونوں صورتوں میں نازل ہوا ہے لیکن انسان کے حالات گو وہ نبی ہی کیوں نہ ہو ہر دم یکساں نہیں رہتے اس لیے یہ منصب ہمکلامی تکمیل القلوب ہے۔ اسی لیے اس صورت میں بہت ہی کم قرآن مجید نازل ہوا ہے فقط سورۂ بقرہ کا اخیر حصہ معراج میں اسی طرح سے نازل ہوا (کما فی الاتقان) باقی زیادہ کا نزول اسی صورت رہی کہ ناموس اکبر یعنی جبرئیل علیہ السلام آنحضرت کو اپنی صورت ملکیہ میں نظر آتے اور بالفاظ کلام پہنچاتے کہ جس کو وحی متلو اور قرآن بھی کہتے ہیں اور اس کے علاوہ اور جس قدر صورتیں ہیں سب کو وحی غیر متلو اور سنت اور کبھی حدیث قدسی بھی کہتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ جبرئیل وہ کلام کہاں سے لاتے تھے کسی تختے پر لکھا ہوا دیکھ کر یاد کر آتے تھے یا کہیں پردہ خدا سے سن لیتے تھے جیسا کہ عوام میں مشہور ہے اور جس بنا پر سید احمد خاں صاحب نے اعتراض کیا ہے تو اس کی تحقیق یہ ہے کہ پیشتر فصل ملائکہ میں آپ فرشتہ کی حقیقت سے واقف ہو چکے ہیں کہ یہ نورانی لوگ ہیں کہ جن کو علی حسب مراتب جناب

۱؎ یہ جب قریب کی آمد کا اس بارہ میں کچھ کلام نہیں ۱۲ منہ

ناجائز حلال وحرام صورت سے دنیا حاصل کرنے کا پورا موقع ہاتھ آ نے لگا۔ شاید اسی اعتماد پر خاں صاحب بہادر اپنے مدرسہ کی تعلیم اور اپنے اقتدار کو دنیا کی بہبودی کے لیے بڑے زور سے وسیلہ بتلاتے اور کافۂ انام کو اس طرف رغبت دلاتے ہیں۔ اب معلوم نہیں کہ یہ خیالات سید صاحب کی بیباکانہ طبیعت کا نتیجہ ہیں یا یورپ کے ملحدوں کی صحبت کا اثر۔ ہرچہ باشد مگر انجام برا ہے۔ خدا تعالیٰ ان کو اور ان کے متبعین کو اس تاریکی سے نجات دے۔ دیے تین فائدے: (۱) جب آنحضرت علیہ السلام پر وحی آتی تھی تو آپ کو ایک کیفیت استغراقیہ پیدا ہو جاتی تھی اور ایک عجیب حالت پیش آتی تھی۔ ظاہر اس کا یہ سبب ہے کہ روح القدس کے نازل ہوتے وقت کیفیت فرح یا فرح کی پیدا ہوتی تھی جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں پر روح القدس نازل ہونے کے وقت ایسی کیفیت پیدا ہوئی تھی جیسا کہ جس کو بعض لوگ نشے کی حالت گمان کرتے تھے۔ چنانچہ کتاب اعمال باب ۲ میں آتشیں زبانیں پیدا ہونا اور بیت تک آواز آنا وغیرہ عجائب باتیں مذکور ہیں۔ فائدہ: (۲) جبرئیل وحی لاتے تو آنحضرت ﷺ جلد جلد جبرئیل کے ساتھ اس لیے پڑھتے کہ کچھ بھول نہ جائیں تو اللہ تعالیٰ نے اس تکلیف کو دور کر دیا اور فرمایا لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ الآیہ یہ کہ آپ جلدی نہ کیجئے ہم نے ذمہ لیا ہے کہ قرآن کو تمام و کمال جمع کرا کے پڑھوا دیں گے۔ شبہ: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ الآیہ "کہ ہر نبی کی آرزو میں شیطان کچھ ملا دیتا ہے پھر خدا آمیزش شیطان کو دور کر کے اپنی آیات کو ثابت رکھتا ہے۔" اور اسی آیت کی تفسیر میں بعض مفسرین نے ایک روایت نقل کی ہے کہ جس سے شیطان کی آمیزش وحی اور کلام انبیاء میں اچھی طرح سے ثابت ہوتی ہے اور وہ یہ کہ آنحضرت علیہ السلام ایک بار سورۂ نجم کی یہ آیات مجمع عام میں کہ جہاں بت پرست بھی موجود تھے پڑھ رہے تھے وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى الآیہ تو آپ کی زبان سے بے ساختہ شیطان نے بت پرستوں کے خوش کرنے کو یہ فقرہ نکلوا دیا تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى یعنی یہ بڑے بڑے قدآور بت ہیں ان کی شفاعت مقبول ہے اور بقول بعض مفسرین یہ کلمہ شیطان نے آواز میں ملا کر پڑھ دیا بہر طور وحی میں شیطان کی آمیزش ضرور معلوم ہوئی اور اس قصہ کو بیضاوی اور صاحب معالم وغیرہما نے نقل کیا ہے اور یہاں سے ایک اور بات بھی پیدا ہوئی کہ ممکن ہے کہ جبرئیل کی شکل میں شیطان آ کر کچھ آیات بنا کے سنا جاتا ہو۔

جواب اس کا یہ ہے کہ یہ قصہ بالکل جھوٹے اور ملحدوں کی بناوٹ ہے گو بعض سادہ لوح مفسروں نے بے تحقیق اس کو لکھ کر اپنی کتاب کا اعتبار کھو دیا ہے مگر محققین نے جیسا کہ بیضاوی اور صاحب مدارک اور امام رازی بلکہ جمہور نے دلائل عقلیہ و نقلیہ سے اس کو رد کیا ہے دلائل نقلیہ میں سے یہ آیات ہیں لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ الآیہ "کہ قرآن مجید میں کسی طرف سے غلطی نہیں مل سکتی نہ باطل کا اس میں گزر ہو سکتا ہے" ان کے یہ آیت ہے وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ الآیہ "کہ قرآن کو حق کے ساتھ ہم نے نازل کیا اور یہ حق کے ساتھ نازل ہوا۔" منجملہ ان کے یہ آیت ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ یعنی "قرآن کو ہمیں نے نازل کیا اور ہمیں اس کے نگہبان ہیں۔" پھر ان آیات کے مقابلہ میں اس بے اصل قصہ کا کہ جس کو کسی محقق محدث نے کسی سند سے بھی روایت نہیں کیا[1] کیا اعتبار ہے؟ اور اس آیت وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ الآیہ

---

[1] کہیں ثابت نہیں ہوا کہ یہ الفاظ حضور ﷺ کی زبان سے نکلے یہ روایت سراسر غلط ہے (حقانی)

طبیعت جبریلیہ (جو آفتاب جہانتاب ہے) اور طبیعت شیطانیہ جو ظلمت آمیز ہے کیونکر مشتبہ ہو سکتی ہے؟ اور اسی حکمت کے لیے جبرئیل قوی امین کو اس امانت کے لیے واسطہ بنایا گیا۔ پس جو یہ کہے (کہ خدا کو جبرئیل کو واسطہ بنانے کی کیا ضرورت تھی کیوں جس طرح جبرئیل کو تعلیم کیا نبی کو نہ کر دیا؟) وہ اس سر سے ناواقف یہ بھی کہے کہ خدا کو نبوت کی ضرورت تھی جو احکام و علوم اصلاح خلق کے نبی کو تعلیم کیے وہ خود خلق کو کیوں نہ تعلیم کر دیے؟

❀❀❀

فصل دوم

جمع قرآن

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی حیات میں تمام قرآن کو لکھوا کر ایک جلد میں جمع نہ کیا تھا بلکہ متفرق اجزاء میں اس طور سے تھا کہ کوئی سورت کاغذ پر کوئی رقعہ اونٹ کی ہڈیوں پر کوئی کھجور کے پتوں پر لکھا ہوا تھا اس لیے کہ زیادہ دارومدار حفظ پر تھا اور لکھنے کا رواج بھی کم تھا گو لکھے پڑھے لوگ بالخصوص قرآن کے لکھنے والے صحابہ زید بن ثابت انصاری و عبداللہ بن مسعود وغیرہما ؓ بھی موجود تھے اور آپ ہر آیت کو بترتیب اصلی بھی لکھوا دیتے اور حفظ کرا دیتے تھے لیکن نہ تو آپ کی حیات میں قرآن کے کم ہونے کا خوف تھا نہ مشاغل دینیہ سے فرصت تھی کہ سب کو ایک جلد جمع کر کے لکھواتے۔ الغرض ان وجوہ سے گو اوّل اوّل اخیر قرآن مجید کو ایک جگہ لکھ کر جمع کرنے کا اتفاق آپ کے عہد میں نہ ہوا تھا البتہ متفرق اجزاء میں لکھا ہوا اور صدور حفاظ کو زبانی اس ترتیب سے جو آج تک چلی آتی ہے خوب یاد تھا اور چونکہ نماز میں پڑھنا اس کا فرض و واجب ہو چکا تھا اور اس کی تلاوت کے فضائل صحابہ میں حد سے زیادہ مشہور و ذہن نشین تھے تو قرآن مجید کے لفظ لفظ پر صحابہ ایسے حاوی تھے کہ جس طرح اس زمانہ کے حفاظ بلکہ اس سے بھی زیادہ دو وجہ سے ایک تو یہ کہ ان کی قوت حافظہ حد سے زیادہ تھی۔ دوم یہ کہ علاوہ ٹھیک سمجھنے کے وہ لوگ اہل زبان قرآن کے نہایت فصیح و بلیغ عبارت سے خوب آشنا تھے اور اپنی بول چال کی باتوں پر از بس قادر تھے۔ اور ان رنگین فقرات سے خوب مزہ لیتے تھے پس جس طرح آپ کی حیات میں قرآن مجید مرتب و معین ہو چکا تھا اسی طرح بے کم و کاست آپ کے بعد صحابہ کے ورد زبان تھا۔

آپ کے بعد تخمیناً اسی سال میں مقام یمامہ میں مسیلمہ کذاب مدعی نبوت سے صحابہ کی لڑائی ہوئی اس میں بہت سے لوگ شہید ہوئے ستر کے قریب حافظ قرآن بھی شہید ہوئے۔ حضرت عمر ؓ کی رائے سے صحابہ اس بات پر متفق ہوئے کہ تنہا حفظ پر مدار قرآن نہ رہنا چاہیے بلکہ اس کو ایک جگہ لکھوا کر جمع بھی کر رکھنا چاہیے کیونکہ اگر اسی طرح دو ایک لڑائیوں میں اور حفاظ بھی شہید ہو گئے تو پھر قرآن کے کم ہو جانے کا خوف ہے۔ زید بن ثابت ؓ جو کاتب وحی تھے اس کام کے مہتمم قرار پائے انہوں نے حفاظ کو جمع کیا اور جن جن کے پاس جس قدر لکھا ہوا تھا وہ منگایا اور سب سے بعد تحقیق و تنقیح ایک جلد میں نقل کر کے جمع کیا پھر وہ نسخہ ابوبکر ؓ کے پاس رہا ان کے بعد حضرت عمر ؓ کے پاس ان کے بعد حضرت حفصہ ؓ ام المومنین کے پاس پھر حضرت عثمان ؓ کی خلافت میں بوجہ اس بات کے (کہ تنہا وہ ایک نسخہ کافی نہ تھا اور ہر شخص حافظ نہ تھا) لوگوں کو بھولنے چوکنے میں وقت پیش آنے لگی اور اختلاف کی نوبت پہنچنے لگی تو حذیفہ بن الیمان ؓ نے حضرت عثمان ؓ کو اس سے نقل کر کے شہرت دینے کی ترغیب دی۔ حضرت عثمان ؓ نے پھر زید بن ثابت ؓ کو فرمایا اور ان کی مدد کے لیے عبداللہ بن زبیر اور سعید بن عاص اور عبداللہ بن حارث بن ہشام ؓ کو (کہ جو قریش کے محاورات سے بڑے ماہر اور قرآن پر بڑے حاوی تھے) متعین فرمایا اور انہوں نے اس نسخہ سے جو حفصہ ؓ کے پاس تھا اسی تحقیق و مقابلہ حفاظ سے کہ جس طرح

پہلے کی گئی تھی سات یا چھ نسخے نقل کرا کے عراق اور شام اور مصر وغیرہ دیارِ اسلام میں بھجوا دیے اور اصل نسخہ حضرت حفصہ ؓ کو
کو دے دیا۔ اور جن لوگوں نے اپنے نسخوں میں بطور تفسیر کے وہ جملے جو آنحضرت ﷺ سے سنے تھے درج کر رکھے تھے اور
جن کو بعض لوگ آیت منسوخ التلاوۃ سمجھتے تھے ان کے مصاحف مٹا کے رفع اختلاف کی نیت سے جلوا دیے کہ مبادا ان جملوں
کو پچھلے قرنوں میں کوئی قرآن کی آیات نہ سمجھنے لگے۔ منجملہ ان کے عبداللہ بن مسعود ؓ کا مصحف بھی جلا دیا گیا۔ اب تک
بلا کم و کاست انہیں نسخوں کے مطابق اہل اسلام میں قرآن ہے والحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ اس مقام پر بعض متعصب دو اعتراض
کرتے ہیں:

(۱) یہ کہ حضرت عثمان ؓ نے لوگوں کے مصاحف کو کیوں جلایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رفع اختلاف کے لیے نیک
نیتی سے جلانا کچھ بے ادبی نہیں۔

(۲) یہ کہ تفسیر اتقان وغیرہ کتب میں مذکور ہے کہ زید بن ثابت کہتے ہیں کہ یہ آیت لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ
اَنْفُسِكُمْ الآیہ میں نے تمام جگہ تلاش کی کہیں نہ ملی مگر ابی خزیمہ انصاری کے پاس لکھی ہوئی ملی اور اسی طرح حضرت عائشہ ؓ
سے منقول ہے کہ ایک آیت لکھی ہوئی ہمارے ہاں پلنگ کے تلے پڑی تھی بکری کھا گئی۔ بس اسی طرح اور روایات بھی ہیں کہ
جن سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ممکن ہے کہ اسی طرح قرآن کی بہت آیات رہ گئی ہوں یا حضرات عثمان اور ابوبکر اور عمر ؓ
نے وہ آیات کہ جن میں اہل بیت کی مدح تھی درج نہ کی ہوں۔ چنانچہ شیعہ کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے دس پارہ قرآن مجید
کے کم کر دیے اور بعض شیعہ سورۂ حسنین اور سورۂ علی اور سورۂ فاطمہ پڑھا کرتے ہیں مگر قرآن میں ان کا کہیں پتا نہیں معلوم ہوا
کہ یہ سورتیں نکال ڈالیں۔ اسی وجہ بے اصل کو بعض پادریوں نے اتنا پھیلایا کہ اس میں رسالے لکھ ڈالے چنانچہ عبدالمسیح اور
ماسٹر رام چندر اور عماد الدین نے اس میں بڑا ہی زور مار کر قرآن مجید میں تحریف ثابت کی ہے لیکن جواب اس کا بہت سہل ہے
اور وہ یہ کہ اگر ایسی ویسی دو چار کیا سو دو سو روایات بھی احادیث کی کتب معتبرہ مثل بخاری و مسلم وغیرہ سے نقل کی جاویں اور سب کو
علی سبیل فرض محال تسلیم بھی کیا جاوے بلکہ اس سے بڑھ کر ہماری طرف سے اتنی بات اور ملا دی جاوے کہ ایک آیت کیا بلکہ
دس بیس آیتیں زید بن ثابت ؓ کو کسی کے مصحف میں بھی نہ ملی تھیں اور سو دو سو آیات حضرت عائشہ ؓ کی بکری بلکہ پورا
یا نصف قرآن بھی کھا گئی تھی تب بھی قرآن میں باعتبار اصل منزل کے ایک حرف کی کمی کی ممکن نہ تھی۔ ہاں اگر عیسائیوں کی
انجیل اور یہودی کی توریت کی طرح قرآن کا دار و مدار ایک آدھ نسخے پر ہوتا تو احتمال تھا کہ ایک دو ورق جانے سے کچھ قرآن
جاتا رہا ہو مگر یہاں تو حفظ پر دار و مدار تھا اور اول ہی قرن میں ہزاروں ایسے پکے حافظ موجود تھے کہ جن میں سے ایک ایک قرآن
کے لفظ لفظ پر حاوی تھا۔ خیر آپ اس اگلی زبان کے زمانہ کو تو جانے دیجیے۔ ذرا اس ضعف اسلام کے زمانے کو ہی دیکھ لیجیے۔
اگر اس وقت روئے زمین پر ایک نسخہ بھی قرآن کا نہ رہے (خدا نکردہ) تو ایک ادنیٰ گاؤں کے لوگ اپنی یاد سے اس کو حرف
بحرف لکھوا سکتے ہیں۔ پس انجیل و توریت پر قیاس کر کے یہ گمان کرنا محض بیہودہ خیال ہے۔ رہا شیعہ کا وہ خیال سورہ جات

---

۱ اس مقام پر مجھ کو ایک حکایت یاد آئی۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ جب ابتداء عملداری انگریزی میں پنجاب پادری لوٹ پڑے تو انہوں نے کتابیں تمام
اس وقت کے کہ بہت سا مطابق توریت قلمی نسخوں پر دار ہے۔ مسلمانوں سے قرآن مجید گراں قیمت کو خریدتے تھوڑا ہی کے دام ملا۔

تحریف لفظی و معنوی ہوئی جس کے محققین اہل کتاب بھی مقر ہیں چنانچہ پادری ہورن جرمنی اور ابکات اپنی تفسیر میں اور
پادری فنڈر نے مقدمہ مباحثہ دینی مطبوعہ اکبرآباد میں بصراحت بلکہ ہزار ہا ورس بائبل کے الحاقی کاتب کے قائل ہیں اور بہت سی
آیات بائبل اور بعض ابواب کتب بائبل کو الحاقی مانتے ہیں) چند وہ روایات ہماری کتب تفسیر اتقان وغیرہ سے نقل کی ہیں کہ
جن سے بعض آیات قرآنیہ کا منسوخ التلاوۃ ہونا معلوم ہوتا ہے اور ان کو بڑے بسط کے ساتھ لکھ کر یہ دعویٰ کیا ہے کہ قرآن
مجید میں بھی تحریف ہے۔

ان بے اصل باتوں کا جواب بخصوص جواب تحریف القرآن رسالہ تحریف القرآن میں مفصل دے چکا ہے مگر کسی قدر مختصر
یہاں بھی بیان کرنا ضرور ہے واضح ہو کہ تحریف لفظی یا معنوی خواہ بزیادت خواہ بنقصان کسی کتاب میں جب ثابت ہوتی ہے کہ
جب صاحب کتاب کے بعد اس کی تصنیف میں اس کی مرضی بغیر کی جائے اور جب وہ خود کمی زیادتی اپنی کتاب میں کرے تو
اس کو کوئی دانشمند تحریف نہیں کہے گا۔ پس جب یہ قرار پا چکا تو اس اعتراض کا جواب دو طور پر ہے۔

(۱) یہ کہ یہ روایات اگر صحیح تسلیم کی جائیں تو ان سے غایۃ ما فی الباب یہ ثابت ہوگا کہ یہ آیات آنحضرت ﷺ کے
روبرو کسی مصلحت الٰہی کی وجہ سے منسوخ التلاوۃ ہو گئیں اور اس کے اکثر اہل علم قائل ہیں۔ البتہ تحریف جب لازم آئے کہ
کسی روایت صحیحہ سے یہ ثابت کر دیا جائے کہ جو قرآن آنحضرت ﷺ بوقت وفات دنیا میں چھوڑ گئے تھے اس میں بعد
آنحضرت ﷺ کے کچھ کم زیادہ ہو گیا ہے۔

(۲) یہ کہ قرآن وہ ہے کہ جو آنحضرت ﷺ سے نقل متواتر بلاشبہ منقول ہے اور ان روایات میں بعض تو محض بے اصل
ہیں اور بعض جو صحیح ہیں تو خبر احاد ہیں۔ ان کے ذریعہ سے جو جملے منقول ہیں ان کو ہم قرآن کی آیات نہیں کہہ سکتے۔ پس
جب وہ قرآن کے جملے ہی نہیں تو اب ان کے قرآن میں نہ ہونے سے یہ نہیں لازم آتا کہ قرآن میں کمی ہو گئی یا تحریف واقع
ہوئی کیونکہ تحریف جب کہتے ہیں کہ جب ان کا جزو قرآن ہونا ثابت ہو جاتا اور پھر یہ قرآن موجود میں نہ پائے جاتے بلکہ
بعض محققین تو یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ روایات تواتر کو بھی پہنچ جائیں تب بھی ان جملوں کو ہم جزو دیا تب قرآن نہ کہیں گے کیونکہ
نسخ التلاوۃ بے اصل بات ہے پس وہ جو بعض صحابہ سے منقول ہے (کہ ہم اس آیت کو آنحضرت کے عہد میں قرآن میں پڑھتے
تھے) لو کان لابن آدم وادیان من الذہب لابتغی ثالثا ولا یملأ جوف ابن آدم الا التراب ویتوب اللہ علی من
تاب یا اس کو جزو قرآن سمجھتے تھے الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموہما نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم۔ یا یہ جملہ آیت
میں شامل تھا حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطی العصر وغیر ذلک تو اس کی یہ وجہ ہے کہ آنحضرت علیہ الصلوۃ
والسلام نے بطور تفسیر کے کوئی جملہ نقل مذکورہ میں سے آیت کے ساتھ پڑھ دیا۔ لوگوں نے غلطی سے اس کو بھی قرآن کی آیت
سمجھا اور جب یہ جملے اصل قرآن میں نہ تھے نہ آنحضرت ﷺ نے ان کے لکھنے کا کاتبوں کو حکم دیا تو ان کو منسوخ التلاوۃ کہہ
گئے۔ پس امر حق یہی ہے کہ یہ قرآن مجید وہی ہے کہ جس کو جبرئیل آسمان سے لائے تھے اس میں ایک حرف بھی کم زیادہ
نہیں ہوا نہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں نہ بعد میں کما قال اللہ تعالیٰ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ

❀❀❀

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ پھر آپ اور جبرئیل دونوں پہاڑ سے نیچے اتر آئے اور ایک پتھر کے پاس آپ بیٹھ گئے اور وہاں جبرئیل علیہ السلام نے پاؤں مارا تو ایک پانی کا چشمہ بہنے لگا جبرئیل نے وضو کر کے تھوڑا سا پانی آپ کے منہ پر چھڑکا اور کہا اسی طرح آپ بھی وضو کیجئے اور دو رکعت نماز نفل پڑھے تو وہاں آپ نے اقتدا کی۔ الغرض وضو اور نماز اسی روز سکھائے گئے اور سورہ اقرا نازل ہوئی؟ چونکہ یہ فن طرز طہارت اور عبادت اور جمیع اسرار شریعت و طریقت بلکہ انکشاف عالم لاہوت و ملکوت آپ کو اس وقت نصیب ہوا پہلے آپ نہ جانتے تھے اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى کہ آپ کو ان چیزوں کا رستہ معلوم نہ تھا تو ہم نے راہ بتلائی و قال مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ یعنی آپ کتاب اور شرائع اسلام پہلے نہ جانتے تھے۔ بعض متعصبین نے (ان آیات کو اوران کو کہ جن میں آپ کو مغفرت اور استغفار سے مخاطب کیا ہے اپنے حال پر خیال کر کے گمراہی عرفی اور گناہ متعارف سمجھ کر) آپ کی جناب میں گستاخی کے کلمات کہہ کر جہنم میں ٹھکانا بنایا ہے۔ چنانچہ اس بارہ میں پادری عماد الدین اور پادری فنڈر وغیرہ نے اپنی ایمانداری کو خوب ظاہر کیا ہے۔ الغرض آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام اس عجیب کیفیت سے مطلع ہو کر گھر میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور ان کو مطلع کیا۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو کتب سابقہ سے واقف تھے۔ انہوں نے کہا یہ ناموس اکبر ہے۔ آپ نبی ہیں آپ کے پاس آئے ہیں اور انبیاء ہی کے پاس آتے ہیں۔ پس اس کے بعد چھ مہینے تک وحی بند رہی کہ جس سے آپ کو رنج رہتا تھا۔

ذوق الطاف تو اے کاش نے یافت دلم
یاد ہر لحظہ تو بکنوں سبب صد الم ست

پھر ایک روز جبرئیل اپنی صورت پر نظر آئے اور سورہ مدثر نازل ہوئی پھر سورہ مزمل اور پھر سورہ نون اور پھر سورہ فاتحہ اور پھر تبت اور پھر حسب حاجت قرآن نازل ہوتا رہا۔ بعد نبوت کے تیرہ برس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں رہے اور لوگ ایمان لاتے رہے۔ جوانوں میں سب سے اول ابوبکر لڑکوں میں علی، عورتوں میں خدیجہ ایمان لائیں رضی اللہ عنہم۔ جب بہت لوگ اسلام میں داخل ہوتے چلے تو مشرکین مکہ کو اور زیادہ کینہ پیدا ہوا۔ طرح طرح کی تکلیفات دینا شروع کیا تب مسلمانوں کی ایک جماعت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کر کے ملک حبشہ میں چلی گئی وہاں کا بادشاہ نجاشی نام نصرانی تھا توراۃ و انجیل سے خوب ماہر اور کتابوں میں حضرت کی بشارت دیکھ کر ظاہر ہونے کا منتظر تھا۔ جب ان لوگوں سے حال دریافت ہوا اور قرآن سنا تو خود مع اپنے ارکان دولت کے ایمان لایا اور ان لوگوں کی بڑی خاطر تواضع کی۔ چند روز کے بعد آنحضرت اور ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی مدینہ کو روانہ ہوئے۔ وہاں کے لوگ پہلے سے حضرت پر ایمان رکھتے تھے۔ یہ خبر سن کر تشریف آوری کے منتظر رہا کرتے تھے۔ جب آپ تشریف لائے تو خوشی کے نعرے مارتے ہوئے آپ کا استقبال کر کے مدینہ میں لے گئے۔ چودہ روز آپ قبا میں ٹھہرے جو مدینے سے تین میل ہے پھر مدینے میں آئے۔ مدینہ میں بھی حسب حاجت قرآن نازل ہوتا رہا۔ اول بار بدر کی لڑائی کفار مکہ سے پیش آئی۔ پھر احد کی اور پھر مکہ فتح ہو گیا۔ الغرض یمن و نجد و عراق و بحرین سب مطیع اسلام ہو گئے۔ دسویں سال آپ نے

گئے۔ چونکہ محمد صاحب (ﷺ) نے کئی جگہ کے عیسائیوں کی گفتگو سنی تھی اور بت پرستی کے عیوب ان پر ظاہر ہو گئے تھے کیونکہ ذرا غور سے بت پرستی کے عیوب ظاہر ہو سکتے ہیں (افسوس اس وقت کے عیسائی تو بقول آپ کے بت پرست ہی تھے مگر اب کے عیسائیوں پر بھی بت پرستی کے عیوب بڑے غور سے ظاہر نہ ہوئے بندے کو خدا بنا کے پوجنا اس سے زیادہ کیا بت پرستی ہوگی) پس محمد صاحب (ﷺ) نے کار تجارت اختیار کیا اور یہودیوں اور رومن کیتھولک عیسائیوں سے اور بت پرستوں سے اور شہریوں اور بدویوں اور بحریوں سے ملاقات کی اور ان کے ساتھ معاملہ کیا۔ اس لیے طبیعت کی وہ تاریکی جو بت پرستی کا سبب ہے دور ہو گئی۔ اس لیے محمد صاحب (ﷺ) دین حق کے متلاشی[1] ہوئے چنانچہ سورۂ والضحیٰ میں لکھا ہے وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى اے محمد تو گمراہ تھا ہم نے تجھے ہدایت دی (یہ بالکل جھوٹ اول تو آپ نے یہودیوں اور مصریوں اور پارسیوں سے ملاقات نہیں کی البتہ بقول یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو مصر میں شعبدہ بازی سیکھنے گئے تھے العیاذ باللہ۔ دوم بقول آپ کے یہ لوگ تو خود شرک میں گرفتار تھے چنانچہ تواریخ بھی اس کی شاہد عدل ہیں پھر ان کی صحبت سے کیونکر بت پرستی سے نفرت ہوئی؟ سوم بمقتضائے نور فطرت آپ کو ابتداء سے نفرت تھی اگر ان لوگوں کی صحبت سے ہوتی تو ان کی صحبت سے پیشتر آپ بھی بت پرستی کرتے حالانکہ اس کا کوئی مخالف بھی قائل نہیں۔ پھر اس پر اس آیت کو اس معنی پر محمول کرنا گمراہی نہیں تو اور کیا ہے) پس دین حق کی تلاش میں آپ نے سب کی ملاقاتیں کیں مگر کسی کو پسند نہ کیا کیونکہ یہودی تو نالائق قومیت کے کسی طرح بھی نہیں ہیں۔ عیسائی بھی وہاں کے رومن کیتھولک تھے وہ طرح طرح کی بت پرستیاں کرتے ہیں۔ (سچ ہے دروغ گو را حافظہ نباشد) علاوہ اس کے عیسائیوں اور یہودیوں میں سخت اختلاف تھا جس کی وجہ سے ان کو اور بھی نفرت ہوئی ان سب سے بیزار ہو کر ایک قسم کی فقیری صوفیہ کے طور پر انہوں نے کی۔ چنانچہ غار حرا میں بیٹھنے لگے۔ یہ کچھ تعجب کی بات نہیں کہ محمد صاحب (ﷺ) نے ایسا کیا (درحقیقت تعجب کی بات نہیں کیونکہ اہل اللہ اور انبیاء کو ہمیشہ جاذبہ غیبی خلوت کی طرف کھینچتا ہے مگر جب تمہارے نزدیک نبی اور منجانب اللہ نہ تھے تو جس طرح اور صدہا لوگ بت پرستی کرتے کرتے مر گئے اسی طرح آپ بھی ہوتے۔ پس ایسے تاریک زمانے میں کہ تمام عالم اس وقت بت پرستی یا گناہ میں گرفتار تھا اس طرح انوار الٰہی سے منور ہونا اگر دعویٰ نبوت سے نہ تھا تو بڑے تعجب کی بات ہے۔) سب محمد صاحب (ﷺ) جو غار حرا میں صائم اور عابد بن کر بیٹھے وہاں بیٹھے بیٹھے خیالات متفرقہ بھی ضرور ہی ان کے دل میں گزرتے ہوں جیسے اکثر گوشہ نشین خصوصاً جاہل بیکار عابدوں کو گزرا کرتے ہیں۔ چنانچہ بعض متعصب جاہل گوشہ نشین اور قطبیت اور ولایت کے دعوے کر اٹھتے ہیں اسی طرح انہوں نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا (یہ ایسی بیہودہ گوئی اور جہالت ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جناب میں یہود جہالت اور تعصب اور بدگمانی کرتے ہیں کہ وہ چونکہ ویسے پیدا ہوئے تھے طبیعت میں شوخی تھی مصر جا کر کچھ شعبدے سیکھ آئے معجزہ کی جگہ نقلیں کرنے لگے خدا کا بیٹا بن بیٹھے شریعت انبیاء کی اور خود انبیاء کی اہانت کرنے لگے۔ آخر کو اپنے کیے کی سزا کو پہنچے والعیاذ باللہ) اور اس خیال سے کہ یہودی

[1] لفظ متلاشی جو عرش سے امر کو کل بنایا گیا ہے پادری کی لیاقت علمیہ کی کامل دلیل ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ایسے جاہل کر سامان ہو کر بیباک ہو جاتے ہیں پھر کوئی بات دعویٰ کرنے کو ناجائز نہیں کوئی اس حالت کا قائل ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی عربیت پر اعتراض کرنا اپنا منصب سمجھتا ہے۔ کیا زمانہ آگیا ہے ۱۲ حقانی

کہ جو آنے والے مسیح کے منتظر تھے میرے مرید ہو جاویں گے اس لیے یہ علم کی طرف عرب کے برخلاف فساد کرنا شروع کیا اور ے متعصب! مکہ میں یہود کہاں تھے کہ آپ کو مرید کرنے کا شوق ہوتا تو مقتضائے وقت تو یہی تھا کہ عرب کو اول مرید کرتے اور ان کے برخلاف نہ کرتے۔ لیکن جب عرب کی بے پروائی اور طرح طرح کی اذیتیں ان کے ہاتھ سے اٹھائیں تو یہ تعلق بالکل آپ کے برحق ہونے کی ہے مگر آپ کی آنکھوں پر لوہے کے نعل کی طرح تعصب کی پٹی بندھی ہوئی ہے (چونکہ کوئی بھی نبوت کی نشانی ان میں نہ تھی نہ معجزہ کر سکتے تھے اور نہ پیشین گوئی کر سکتے تھے اور نہ اچھی تعلیم کر سکتے تھے (یہود بھی بعینہٖ یہی تقریر حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت کرتے ہیں) مگر مسیح ہونے کا دعویٰ کرنا بالخصوص انہیں پر زیادہ صادق آتا ہے کیونکہ جاہل آدمی تھے اور چال چلن ان کا خراب تھا عورتوں کا بہت شوق تھا ان کی طبع پر لوٹ مار کر کے لوگوں کو دکھ دیتے تھے اور بہت سے کام بے رحمی کے ان سے سرزد ہوتے تھے اس لیے یہود نے ہرگز قبول نہ کیا لاچار مندر (یعنی کعبہ) کی متوجہ ہوئے (یہ بالکل جھوٹ اور صریح کفر ہے اگر خدا کی راہ میں جہاد کرنا ان کا چال چلن خراب کرتا ہے پھر آپ کے نزدیک حضرت موسیٰ (علیہ السلام) بڑے بدچلن ہیں جنہوں نے متعدد مقامات میں جہاد کیا (۱) رفیدیم میں قوم عمالقہ سے سفر خروج باب ۱۷ (۲) حسبونیوں کے بادشاہ سیحون شہر حسبون کے رہنے والے کو تہ تیغ کر کے اس کا ملک دبا لیا (۳) بسن کے بادشاہ عوج سے بمقام ادرعی جنگ کر کے اس کو مع اس کی رعایا کے قتل کیا سفر عدد باب ۲۱ و سفر استثناء باب ۳ بلکہ یہاں ایک بے رحمی کی گئی کہ ان کے مرد اور عورت اور لڑکے بالے سب کو بلا دعوت و معافی قتل کیا اور ان کا مال و اسباب اپنے لیے لوٹ لیا آیات ۵-۶ (۴) سفر استثناء باب ۱۳ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صاف حکم ہے کہ بت پرستوں کو اپنی تلوار کی دھار سے ضرور قتل کرے گا بلکہ وہاں کے خورد و کلاں و مویشی اور چوپایہ مواشی کو بھی قتل کرنے کا۔ بقول آپ کے حضرت یشوع بن نون کو جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ تھے اور بنی اسرائیل کے پیغمبر نہایت خراب چال چلن کے تھے کہ جنہوں نے شہر کے شہر غارت کر دیے اور مال لوٹا اور زن و مرد کسی کو زندہ نہ چھوڑا دیکھو شہر یریحو کی بابت کتاب یشوع باب ۶ میں یوں ہے۔ "اور ایسا ہوا کہ جب لوگوں نے نرسنگے کی آواز سنی اور جماعت نے زور سے للکارا تو دیوار سراسر گر پڑی یہاں تک کہ سب آدمی شہر میں گھس آئے اور شہر کو لے لیا (۲۱) اور انہوں نے ان سب کو جو شہر میں تھے کیا مرد کیا عورت کیا جوان کیا بڈھا کیا بیل اور گدھا کیا بھیڑ سب کو تہ تیغ کر کے حرم کیا" الخ اور کیا اس سے بھی کوئی اور زیادہ بے رحمی حضرت نے کی تھی جو یشوع علیہ السلام نے عکن سے کی کہ جس نے کسی قدر غنیمت کا مال چھپا لیا تھا جس پر (۲۴) یشوع نے زارح کے بیٹے عکن کو اور روپے اور لبادے اور سونے کی اینٹ اور اس کے بیٹوں اور اس کی بیٹیوں اور اس کے بیلوں اور اس کے گدھوں اور اس کی بھیڑوں اور اس کے خیمے اور اس کے سارے اسباب کو لیا اور وادی عکور میں لائے۔ تب سارے اسرائیل نے اس پر پتھراؤ کیا اور انہیں سنگسار کر کے آگ میں جلا دیا پھر انہوں نے اس پر پتھروں کا بڑا تودہ کیا۔ کتاب یشوع" اور اسی کتاب کے ۸ باب میں عی کی نسبت یہ لکھا ہے: "کہ سو انہیں یہاں تک مارا کہ ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑا اور نہ کسی کو بھاگنے دیا۔ اور وہ جو اس دن مارے گئے مرد و عورت بارہ ہزار تھے کیونکہ یشوع نے اپنا ہاتھ جس سے بھالا اٹھایا جب تک کہ عی کے سارے رہنے والوں کو حرم نہ کر ڈالا نہ اٹھایا (۲۸)۔ اسرائیل نے اس شہر کے فقط مواشی اور اسباب کو اپنے

لیے لڑنا خداوند کے حکم کے مطابق جو اس نے یشوع کو فرمایا"۔ انتہیٰ۔ اگر اس پر بھی اہل خرد منصف ہوں تو کہو اور جہادات انبیائے
بنی اسرائیل جو توریت مقدس میں مذکور ہیں نقل کروں۔ بلکہ ہمارے پیغمبر ﷺ کے جہاد کو اس قتل سے کچھ نسبت ہی نہیں۔
آنحضرت ﷺ کا جہاد محض مفسد اور شریروں کا فساد دفع کرنے کے لیے ہوتا تھا کہ جس کو ہر گورنمنٹ عادل بھی پسند کرتی
ہے۔ اسی لیے اول ان کو فہمائش کی جاتی تھی اگر وہ لوگ باز آتے تھے تب امن و معاف کیا جاتا تھا ورنہ مقابلہ ہوتا تھا مگر یہ بھی
جب کہ وہ لوگ امن کے خواہاں نہ ہوتے تھے اور کسی شرط پر اطاعت قبول نہ کرتے تھے اور اس جنگ میں یہ تاکید ہوتی کہ
عورتوں اور بچوں کو نہ مارو درخت نہ جلاؤ مواشی کو قتل نہ کرو بلکہ بعد غلبہ کے بھی وہ لوگ راہ پر آجانے سے آزاد کیے جاتے اور
مال واپس دیا جاتا تھا۔ اور عورتوں کی رغبت پر جس کا اعتراض ہوا تو وہ پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام پر اعتراض کر لے کہ جو خدا کے[2]
بنی اسرائیل کے پہلوٹھے بیٹے تھے جن کے پاس چار بیویاں تھیں جن میں آپس میں دو حقیقی بہنیں تھیں اور پھر حضرت لوط علیہ السلام پر
اعتراض کرے کہ جس نے بقول ان کے شراب پی کر اپنی دونوں بیٹیوں سے زنا کیا جیسا کہ توریت میں موجود ہے اور پھر
حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی طعن کرے کہ جن کی دو بیویاں تھیں اور ایک کے کہنے سے ایک کو مع اس کے معصوم بچے کے
کے بیابان میں چھوڑا اور پھر حضرت داؤد علیہ السلام پر اعتراض کرے کہ جو عیسائیوں کے خدا کے جد امجد ہیں کہ جنہوں نے باوجود متعدد
بیویوں اور لونڈیوں کے بیچارے اوریا کی بیوی سے زنا کیا اور اس کے خاوند کو فریب سے مروا ڈالا اور پھر حضرت سلیمان علیہ السلام
کو بھی برا کہے کہ جن کے پاس بہت سی عورتیں تھیں۔ علاوہ ازیں اور فقط یہ باتیں صرف آپ کے بائبل مقدس میں لکھی ہیں
ہمارا اعتقاد نہیں پھر آپ ان کو نبی جانتے ہیں اور ہمارے حضرت ﷺ پر چند نکاح کرنے سے کیا کیا منہ آتے ہیں اور جھوٹی
باتیں نکاح زینب اور ماریہ کی بابت بناتے ہیں۔ علاوہ اس کے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام[3] اور ان کے حواریوں کے
ساتھ جوان جوان عورتیں رہا کرتی تھیں جس پر یہود کو بدگمانی ہوئی۔ تعجب ہے کہ یہود سے تو آپ کا دم بند ہوتا ہے اور مسیح علیہ السلام
کے دوستوں کو برا کہتے ہو اور آپ کا یہ کہنا کہ یہود نے حضرت کو قبول نہ کیا بالکل لغو ہے۔ عبداللہ بن سلام اور کعب احبار جیسے
جلیل القدر علماء یہود مشرف باسلام ہوئے۔ علاوہ ان شہادات مخفی کے جو حضرت ﷺ کے مقدس ہونے کی بابت ہم نقل
کریں گے یہ بات اہل انصاف کو کیا کم ہے۔ کہ اگر معاذ اللہ جیسا پادری صاحب آپ ایسے بدچلن اور طامع اور شہوت

---

1. دیکھو یہاں تصریح ہے کہ یہ سب محاربہ خداوند کے حکم سے کیا تھا اس پر پادری جواب دیا کرتے ہیں "کہ جنگ اسباط بنی اسرائیل جہاد اور دینی بات نہ تھی بلکہ دنیاوی محض فساد تھی جس سے کہ جہاد اور دینی جنگ میں بڑی فرق ہے کہ اول خداوند کے حکم سے ہوتا ہے ثانی از خود۔ پھر جب انبیاء بنی اسرائیل نے بھی خدا کے حکم سے جنگ کی تو سب جہاد نہیں تو اور کیا ہے" ۱۲ منہ

2. اس میں تعریض ہے یہود و نصاریٰ پر کہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا پہلوٹھا بیٹا کہتے ہیں یعنی وہ خدا تعالیٰ جو حقیقی خدا ہے جس پر مسلمانوں کا ایمان ہے۔ بیٹے جورو سے پاک ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ مسلمانوں کا اور خدا اور اہل کتاب کا اور خدا ہے جیسا کہ بعض نادانوں نے خیال کیا ہے۔ ۱۲ حقانی

3. ایک نقلی کرسچن نے جو محمد صادق قرشی نامی ہے تکمیل اسلام کے لیے غلط پیشگوئیاں کیا کرتا ہے ضرور یہ افتراء بنانے کے لیے اس عبارت سے یہ افتراء قائم کیا ہے کہ مفسر حضرت مسیح علیہ السلام کو زنا کار ٹھہراتا ہے۔ جس کو ذرا بھی اردو عبارت سمجھنے کا سلیقہ ہے وہ فوراً اس نقلی کرسچن کی تکذیب کر سکتا ہے اور کہہ سکتا ہے کہ یہ محض الزام ہے۔ ۱۲ حقانی

اور بڑی خونریزی کر کے قبضہ کیا اور عرب کو طرح طرح ترغیبیں دینی شروع کیں۔ اس لوٹ کے مال کا لالچ جس میں پانچواں حصہ آپ لیتے اور باقی ان کو بانٹ دیتے۔ الخ

جواب اگر خدا کے حکم سے زمین کو فساد سے پاک کرنا اور شریروں کو دفع کرنا ہی ظلم اور بری بات ہے تو حضرت یوشع بن نون وغیرہ انبیاء بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی آپ کے نزدیک برے ٹھہرے۔ اور اگر وہ بھی برے تھے تو آپ عقلا عالم کے بھی مخالف ہیں کیونکہ فساد کو دفع کرنا اور گندہ گوشت کاٹ کر زخم کو اچھا کرنا اور بے فائدہ شاخوں کو چھانٹنا ہر ذی عقل کے نزدیک محمود ہے۔ اسی لیے تمام سلاطین عادل باغیوں اور مفسدوں کے قتل اور تخریب میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھتے اور مجرمان کا مال ضبط کرنا برا ہے تو یہ بھی عجب ہے کیا یوشع بن نون نے نہ کیا اور کیا سلاطین عادل نہیں کرتے؟

قولہ دوسرا عورتوں کا لالچ محمد صاحب (ﷺ) نے خاص و عام سب لوگوں کو یہ لالچ دیا اگر میرے ساتھ جاؤ گے عورتیں مفت لوٹ میں ہاتھ آئیں گی۔ قرآن سے ثبوت کرنا خدا کا بھی اس میں کٹا (؟) نہیں۔ الخ

جواب اول تو آنحضرت ﷺ نے کبھی کسی لڑائی میں کسی کو یہ لالچ نہیں دیا اگر سچے ہو تو ثابت کرو۔ دوم یوں کون کسی کے لالچ دینے سے کسی کے ساتھ جان دینے کو آمادہ ہو جاتا ہے۔ اب لٹیروں کو کسی کی جورو اور مال لینے سے کون مانع ہے۔ اگر یہی لالچ موثر ہے تو گورنمنٹ کا بے کروڑ ہا روپیہ صرف کر کے فوج مقابلہ میں لے جاتی ہے۔ ایسا لالچ کیوں نہیں دیتی اور آپ کیسے لالچی کہ جس نے ساٹھ روپیہ کی تنخواہ پر اسلام ترک کیا کیوں یک مشت ہندوستان کا نہیں دبا بیٹھے۔

سوم ہر لڑائی میں یہ کس کو یقین ہوتا ہے کہ ہم ہی فتح یاب ہوں گے ہاں اگر ان کو مدد آسمانی کا سہارا ہو تو ان پر طعن کرنے کا سبب کیا ہے؟

چہارم اسلام میں لڑائی سے مقصود اس قوم کا ایمان لانا ہوتا ہے۔ گر وہ قوم ایمان لاوے یا مطیع اسلام ہو جاوے تو پھر ان کو کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا معاذ اللہ گر آپ لالچی ہوتے تو خود کوئی عیش کرتے یا کبھی کسی کو نہ چھوڑتے جیسا کہ بائبل مقدس کے انبیاء نے کیا۔ حالانکہ یہ کبھی نہیں ہوا۔

قولہ تیسرا لالچ جسمانی بہشت کا جس میں شراب کباب اور اچھی عورتیں اور فرش لونڈیاں خوبصورت وغیرہ اور بہت سی غلط اور گندی باتیں جن سے نادان بہلائے جاتے ہیں محمد صاحب (ﷺ) نے عرب کو سنائیں جیسے علم اور واقف بت پرست شہوت کے بندے خوش ہو کر قبول کر بیٹھے۔ اس بہشت کو ہم کلام الٰہی سے ثابت کریں ورنہ توبہ کریں۔

جواب یہی اعتراض ہمارے سید صاحب نے بھی قرآن اور اسلام پر کیا ہے۔ وہ مدت سے پادری فنڈر وغیرہ اسی کو پیش کیے چلے جاتے ہیں مگر یہ آپ لوگوں کی کم عقلی ہے کیونکہ ان اشیاء سے جو قرآن مجید میں مذکور ہیں یعنی یہی دنیا کی عنصری چیزیں مراد نہیں بلکہ ان کی طرح کی اور اور لطیف چیزیں اور اسی بات کو قرآن نے بھی بتلا دیا ہے۔

دوم جنت کی کسی قدر نعما و مکاشفات یوحنا میں بھی موجود ہیں کہ جس کو تمام کلام الٰہی سمجھتے ہو۔ پھر انکار کس بات

۱۔ قال تعالیٰ فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرة اعین (سجدہ آیت ۱۷)

۲۔ چنانچہ مکاشفات یوحنا باب ۳ آیت ... باب ۲ ... غرض بیان ... انجیل متی باب ۲۶ آیت ۲۹ ←

قولہ بعد اس کے ہمیشہ روپیہ اور ملک گیری کی خاطر لڑتے رہے یہاں تک کہ محمد صاحب (ﷺ) کے نواسے امام حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) بھی بادشاہت کی فکر میں مارے گئے۔

جواب: بالکل جھوٹ ہے عیسائیوں کی لڑائیاں نہیں کہ محض دنیا کے لیے جھوٹ اور فریب اور بے ایمانی اور دغابازی کو عمل میں لاتے ہیں اپنے سے غالب کو دب کر سلام کرتے ہیں۔ مغلوبوں کو نہایت بے رحمی سے مارتے ہیں۔ کیا اہل یورپ کا قصہ اور بیت المقدس میں پچاس ہزار مسلمانوں کے زن و فرزند کا باوجود امان کے قتل کرنا وغیرہ صفحہ عالم سے محو ہو گیا ہے؟ اور حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی شہادت محض دین کے لیے تھی کہ جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ اگر دین کے لیے شہید ہونا عیب ہے تو خود حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کے بعض حواری بھی مستثنیٰ نہیں ہو سکتے۔

قولہ غرض یہ سب دنیاوی طمع سے محمد صاحب (ﷺ) پر ایمان لائے تھے اور ان کے بعد بادشاہوں نے طمع اور جان کے خوف سے لوگوں کو مسلمان کیا (جیسا کہ قسطنطین بادشاہ روم نے ہزارہا بیکس لوگوں کو ظلم سے ہلاک کر کے مذہب عیسائی کو رواج دیا تھا) یہاں تک محمد صاحب کا مختصر احوال سنایا ان شاء اللہ اگر زمانے نے فرصت دی تو ہم میں محمدی تاریخ جدی لکھ کر مفصل کیفیت سناؤں گا جو پردہ میں ہے۔

جواب: تم نے تاریخ محمدی میں حسب وعدہ لارڈ پادری فنڈر نے اور مصنف نیاز نامہ نے اور ماسٹر رام چندر نے رسالہ مسیح الدجال و تحریف القرآن میں اور تمہارے مقلد لالہ اندر من مراد آبادی نے وغیرہ ذلک بہت سے متعصب اور ناانصاف لوگوں نے بہت کچھ کاغذ سیاہ کیے ہیں اور جھوٹے عیب ضعیف اور موضوع روایات و اقوال اہل سیر سے اور کچھ اپنی طرف سے اس آفتاب جہاں تاب پر لگائے ہیں اور آسمان کی طرف تھوکا ہے مگر وہ سب اڑ کر کے منہ پر پڑا دیکھئے:

اب ہم آنحضرت ﷺ کے فضائل پر اہل انصاف عیسائیوں سے شہادت طلب کرتے ہیں وہ کیا کہتے ہیں؟ گاڈ فری ہیگنس اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ گبن صاحب کہتے ہیں ''چاروں خلفاء کے اطوار یکساں صاف اور ضرب المثل تھے کہ ان کی سرگرمی دلی اور دلی اخلاص کے ساتھ تھی۔ اور ثروت اور اختیار ہے کہ بھی اپنی زندگیاں ادائے فرائض اخلاقی اور مذہبی میں صرف کیں۔ یہی آدمی محمد (ﷺ) کے اول جلسہ میں شامل تھے جو پیشتر اس سے کہ آپ نے اقتدار حاصل کیا آپ کے مذہب دار ہو گئے یعنی ایسے وقت میں کہ آپ ہدف آزار ہوئے اور جان بچا کے اپنے ملک سے چلے گئے۔ ان کے دل ہی اول تبدیل مذہب کرنے سے ان کے راستی ثابت ہوتی ہے اور دنیا کی سلطنتوں کو فتح کرنے سے ان کی لیاقت کی فوقیت معلوم ہوتی ہے۔''

(۲۱۹) ''اس صورت میں کوئی یقین کر سکتا ہے کہ ایسے شخصوں نے ایذائیں کھینچیں اور اپنے ملک سے جلاوطنی گوارا کی اور اس سرگرمی سے اس کے پابند ہوئے یہ سب امور ایک شخص کی خاطر ہوں جس میں ہر طرح کی برائیاں ہوں اور اس سلسلہ فریب اور حقہ عیاری کے لیے ہوں جو ان کی تربیت کے بھی خلاف ہو اور ان کی ابتدائی زندگی کے تعصبات کے بھی مخالف ہو؟ اس پر یقین نہیں ہو سکتا اور خارج از حیطہ امکان ہے۔'' (۱۲۳) عیسائی اس کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمد (ﷺ) کے مسائل نے اس وجہ کا نشہ دینی آپ کے مریدوں میں پیدا کیا جس کو عیسیٰ (علیہ السلام) کو ابتدائی پیروؤں میں تلاش کرنا بے فائدہ ہے اور آپ کا مذہب اس تیزی کے ساتھ جس کی نظیر دین عیسوی میں نہیں چنانچہ نصف صدی سے کم میں اسلام بہت ہی عالیشان اور سرسبز

طاقتوں پر غالب آ گیا۔ جب عیسیٰ (علیہ السلام) کو سولی پر لے گئے قرآن کے پیرو بھاگ گئے ان کا حوصلہ ٹوٹ جاتا رہا اور اپنے مقتدا کو موت کے پنجہ میں گرفتار چھوڑ کر چل دیے۔ گر بالفرض آپ کی حفاظت کرنے کی ان کو ممانعت تھی تو آپ کی تسلی کے لیے تو موجود رہتے اور صبر سے آپ کے اور اپنے لیے ارمانوں کو دکھلاتے۔ برعکس اس کے محمد (ﷺ) کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد آئے اور آپ کے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرہ میں ڈال کر کل دشمنوں پر آپ کو غالب کیا'' انتہی۔ پھر خود گبن اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔ ''محمد کا مذہب شکوک اور شبہات سے پاک ہے۔ مکہ کے پیغمبر نے بتوں اور انسانوں اور ستاروں اور سیاروں کی پرستش کو اس معقول دلیل سے رد کیا'' الخ ''اس نے بڑی سرگرمی سے کائنات کے بانی کا ایک ایسا وجود تسلیم کیا ہے کہ جس کی نہ ابتداء ہے نہ انتہا نہ کسی شکل میں محدود نہ کسی مکان میں نہ کوئی اس کا مماثل موجود ہے جس سے اس کو تشبیہ دے سکیں۔'' الخ ''ان بڑے بڑے حقائق کو پیغمبر نے مشہور کیا اور اس کے پیرووں نے ان کو نہایت مستحکم طور سے قبول کیا اور قرآن کے مفسروں نے معقولات کے ذریعہ سے بہت ورستی کے ساتھ ان کی تصریح و تشریح کی۔ ایک حکیم جو خدا تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفات پر اعتقاد رکھتا ہو مسلمانوں کے عقائد مذہبی کی نسبت یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ ایسا عقیدہ ہے جو ہمارے ادراک وجود اور قوائے عقلی سے بہت بڑھ کر ہے'' الخ ''وہ اصل الاصول جس کی بنا عقل اور وحی پر ہے محمد (ﷺ) کی شہادت سے استحکام کو پہنچے چنانچہ ان کے معتقد ہندوستان سے لے کر مراکو تک موحد کے لقب سے ممتاز ہیں اور بتوں کو ممنوع سمجھنے سے بت پرستی کا خطرہ مٹا دیا گیا ہے'' انتہی

اور ڈاکٹر ویبر صاحب کہتے ہیں: ''محمد (ﷺ) کو نکلتے ہوئے آفتاب برستے پانی اور اگتی گھاس میں خدا ہی کا ید قدرت نظر آتا تھا اور عرش رعد اور آواز آب وطیور کے نغمہ میں صوبہ الٰہی کی آواز سنائی دیتی تھی اور سنسان جنگلوں اور پرانے شہروں کی خرابات میں خدا ہی کے قہر کے آثار دکھائی دیتے تھے'' انتہی۔

اور راڈویل صاحب دیباچہ قرآن میں لکھتے ہیں: ''محمد کے سب کام اس نیک نیتی کی تحریک سے ہوتے تھے کہ اپنے ملک کے لوگوں کو جہالت اور ذلت بت پرستی سے چھڑا دیں اور یہ کہ نہایت مرتبہ کی خواہش آپ کی یہ تھی کہ سب سے بڑے امر حق یعنی توحید الٰہی کا جو ان کی روح پر بدرجہ غایت مستولی رہتی تھی اشتہار کریں'' الخ ''اور مقتضاء حوادث اور بتدریج فوز مرام اس امر کا باعث ہوا کہ انہوں نے اپنے آپ کو خدا کا رسول امین یقین کامل کر لیا۔ تاہم محمد (ﷺ) کی سیرت ایک عجیب نمونہ اس قوت اور حیات کا جو ایسے شخص میں ہوتی ہے کہ جس کو خدا اور قیامت پر اعتقاد کامل ہوتا ہے اس میں سے جو کچھ نتیجے نکالے جائیں ان کی ذات کریم اور سیرت صداقت مشحون سے ہمیشہ ان کو ان لوگوں میں تصور کیا جاوے جن کو ایمان و اخلاق اور اپنے ابنائے جنس کے تمام حیات و نخوت پر ایسا اختیار حاصل ہے جو حقیقت میں بجز کسی اولوالعزم کے اور کسی کو نصیب نہیں ہوتا'' انتہی۔

اور لارڈ ہیڈے میورا اپنی کتاب سیرت محمدیہ میں لکھتے ہیں: ''ایک زمانہ معلوم ہے مکہ اور جزیرہ عرب کی روحانی کیفیت بالکل بے حس ہو گئی تھی کہ ایک ضعیف ناپائدار اثر یہودیت و نصرانیت یا فلسفہ کا عرب پر ہوا تھا جیسے کہ ایک دریا چہ نیم رواں کے سطح کا لاطم ادھر ادھر کھاتا ہو مگر تہ میں بحس و حرکت رہتا۔ تمام عرب توہمات و ظلم اور بدکاریوں میں غرق ہو رہے تھے۔ یہ عام

رسم تھی کہ بڑا بیٹا اپنے باپ کی بیواؤں کو بیاہ لیتا تھا۔ ان کے غرور اور افلاس سے رسم دختر کشی بھی جاری ہو گئی تھی جیسے ہندوؤں میں ہے۔ ان کا مذہب حد کے درجہ کی بت پرستی تھا اور ان کا ایمان ایک مسبب الاسباب مالک الملک لاشریک پر نہ تھا بلکہ غیر مرئی ارواح کے توہم باطل کی سی حیثیت کا ان کا ایمان تھا۔ قیامت اور جزا و سزا جو فعل یا ترک کا باعث ہو اس کی انہیں خبر نہ تھی (جیسا کہ پادریان حال بخصوص عماد الدین کو نہیں ہے)۔ ہجرت سے تیرہ برس پیشتر (یعنی قبل نبوت) تو مکہ اس طرح سے ذلیل و نکمی حالت میں بے جان پڑا ہوا تھا۔ مگر ان تیرہ برسوں نے کیا ہی امر عظیم پیدا کیا۔ سینکڑوں آدمیوں کی جماعت نے بت پرستی چھوڑ کر خدائے واحد کی پرستش اختیار کی۔ (بخلاف پادریوں کے کہ وہ اب بھی تین خدا کی پرستش کرتے ہیں) اور اپنے اعتقاد کے موافق وحی الٰہی کی ہدایت کے مطیع و منقاد ہو گئے۔ اسی قادر مطلق سے بکثرت و شدت دعا مانگتے۔ اسی کی رحمت پر مغفرت کی امید رکھتے اور حسنات و خیرات و پرہیزگاری اور انصاف کرنے میں بڑی کوشش کرتے تھے۔ اب انہیں شب و روز اسی قادر مطلق کی قدرت کا خیال ہے وہ یہ کہ وہی باری ہمارے ادنیٰ ادنیٰ حوائج کا خبر گیراں ہے۔ ہر ایک قدرتی یا طبعی کیفیت میں جو ایک امور متعلقات زندگانی میں اور اپنی خلوت و جلوت کے ہر ایک حادثہ اور تغیرات میں وہ اسی کی یہ قدرت کو دیکھتے تھے اور اس کے علاوہ وہ لوگ اس روحانی حالت کو جس میں وہ خوشحال اور مطمئن رہتے تھے خدا کے فضل خاص و رحمت یا اختصاص کی علامت سمجھتے تھے اور اپنے کافر اہل شہر کو جو خدا کی تقدیر کئے ہوئے فتنہ ہونے کا تعین جانتے تھے۔ محمد (ﷺ) کو وہ اپنی حیات تازہ بخشنے والا سمجھتے تھے۔ "الخ" اس تھوڑے عرصہ میں مکہ اس عجیب تاثیر سے دو حصوں میں منقسم ہو گیا۔ مسلمانوں نے مصیبتوں کو تحمل اور شکیبائی سے برداشت کیا "الخ" ایک سو مرد و عورت نے اپنے ایمان عزیز سے انکار نہ کر کے اپنا گھر بار چھوڑ حبش کو ہجرت کر لی تھی پھر اس سے زیادہ لوگ اور ان میں نبی بھی (دیکھو نبوت کا اقرار ہے) اپنے عزیز شہر کو اور مقدس کعبہ کو چھوڑ کر مدینہ کو ہجرت کر آئے اور یہاں بھی اسی عجیب تاثیر نے دو یا تین برس کے عرصہ میں ان لوگوں کے واسطے ایک برادری جو نبی اور مسلمانوں کی حمایت میں جان دینے کو مستعد ہو گئے تیار کر دی۔ اہل مدینہ کے کانوں میں یہودی حقانی باتیں عرصہ سے گوش گزار ہو چکی تھیں مگر وہ بھی اس وقت خواب غفلت سے نہ ہوئے جب تک کہ روح کو کپکپا دینے والی باتیں نبی عربی کی نہیں سنیں۔ تب ایک نئی اور سرگرم زندگانی میں دم بھرنے لگے" انتہی۔ ایک جگہ اسی کتاب میں لارڈ صاحب لکھتے ہیں: "ہم بلا تامل اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام نے ہمیشہ کے واسطے اکثر توہمات باطلہ کو کالعدم کر دیا۔ اسلام کی صدائے جنگ کے رو برو بت پرستی موقوف ہو گئی۔ اور خدا کی وحدانیت اور غیر محدود کمالات اور قدرت کا مسئلہ حضرت محمد (ﷺ) کے معتقدوں کے دلوں اور جانوں میں ایسا ہی زندہ اصول ہو گیا ہے۔ جیسے کہ خود حضرت محمد (ﷺ) کے دل میں تھا۔ مذہب اسلام کی پہلی بات جو نفس اسلام کے معنی میں ہے یہ ہے کہ خدا کی مرضی پر توکل مطلق کرنا چاہیے۔ بلحاظ معاشرت کے بھی اسلام میں بہت کم خوبیاں نہیں ہیں۔ چنانچہ مذہب اسلام میں یہ ہدایت ہے کہ سب مسلمان آپس میں برادرانہ محبت رکھیں۔ یتیموں کے ساتھ نیک سلوک کریں غلاموں کے ساتھ نہایت شفقت سے پیش آئیں۔ نشہ کی چیزوں کی ممانعت ہے مذہب اسلام اس بات پر فخر کر سکتا ہے کہ اس میں پرہیزگاری کا ایک ایسا درجہ موجود ہے جو کسی اور مذہب میں نہیں پایا جاتا" انتہی۔

ہم بنظر اختصار انہیں دو چار عیسائی محققوں کے قول پر انحصار کرتے ہیں۔ ان محققین بالخصوص ڈاکٹر میور صاحب بہادر کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ جنہوں نے بمقابلہ مذہب اسلام اور نبی اسلام بہت سی باتیں یہاں بیان کرنے میں کچھ کمی نہ فرمائی اور منصب تاریخ نویسی کو نہایت عمدہ طور سے ادا کیا ہے۔ اب اگر ہمارے ہندوستانی پادری صاحبان بھی انصاف پر آئیں اور سچے عیسائی ہو جائیں اور حضرت مسیح علیہ السلام کی صداقت اور رسالت کی شہادت دینے والے یہودیوں کے جھوٹے الزامات سے بری کرنے والے کا اقرار کریں۔ یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی عداوت سے باز آئیں اور جس طرح یہود حضرت مسیح علیہ السلام کی تکذیب کر کے حیات ابدی سے محروم رہے نجات سے محروم ہوئے ہیں اور جن کتابوں میں آنحضرت ﷺ کے کفر اور معصیت کو گالیاں دی ہیں برا بھلا کہا ہے ان کی نسبت عیب لگائے ہیں ان کو جواب دیں تو کیا خوب ہو؟ دیکھو بھائیو خدا بالخصوص اللہ کے پاک اور مقدس اور برگزیدہ لوگوں سے ہے اگر تم سچے عیسائی ہو تو برائے خدا ذرا تو تنہائی میں بیٹھ کر سوچو کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عیسیٰ کے حق میں کیا برائی کی ہے بلکہ انہوں نے قرآن کی اور حضرت مریم کی اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی نہایت عظمت کی ہے۔ قرآن میں تمہارے اکابر کی مدح اور تصدیق بکثرت ہے تو رہا باقی البتہ تمہارے برخلاف مسئلہ تثلیث و کفارہ والوہیت مسیح کو (کہ جس کو عقل سلیم تسلیم کرتی ہے نہ کسی نبی علیہ السلام نے کبھی فرمایا ہے) نہیں مانتے جیسا کہ خود عیسائیوں کے محقق فرقے (جیسا کہ یونیٹیرین اور ایبیونی اور ... بیرین اور ... نصاریٰ نجران وغیرہم) ان کو خیال باطل کرتے رہے۔ اسلام کا طریق عجیب فراخ اور فراخ ہے کہ جس کو کسی نبی اور کتاب الٰہی سے انکار نہیں خواہ وہ کسی ملک اور کسی قوم کا ہو بشرطیکہ اس کی نبوت ثابت ہو جائے اور کتاب کا کلام الٰہی ہونا دریافت ہو جائے۔ تم والبتہ یہود سے مخالفت اور تعصب ہوتا بجا ہے کیونکہ وہ ملعون حضرت مسیح علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کو بری بات پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کی کسی کتاب آسمانی میں نہ کوئی بشارت ہے نہ کوئی خبر۔ ان کے مریدوں کے لئے تم عہد عتیق کی آیات کو کھینچ کھانچ کر لاتے ہیں تاہم ثابت نہیں ہوتی۔ نہ ان کے پاس کوئی معجزہ تھا نہ کوئی کرامت۔ گھر سے ناراض ہو کر بھاگ کر مصر چلے گئے وہاں بعض حکمت جادو وغیرہ اور چند نقوش و کلمات کے عجیب سیکھ آئے تھے اور یروشلم میں جو تماشے کر کے دکھا کر کیا کیا بلکہ خدا کا بیٹا بن بیٹھے۔ بہت سے احمق ان کے شعبدوں میں آگئے بہت کو سلطنت کا لالچ دیا اور ہول وطن کے بھی اپنے تھے چند عورتیں ساتھ رہا کرتی تھیں۔ پہلے انبیاء کو برا اور رہزن کہتے تھے (یوحنا ۱۰ باب) جب گرفتار کئے گئے اس وقت کوئی معجزہ بھی نہ دکھا سکے اور سب شعبدے بھول گئے۔ آخر الامر چیخ چیخ کر بڑی ذلت سے جان دی۔ چنانچہ تالمود میں یہ مرقوم ہے کہ ان کے ساتھ جو اکثر لوگ تھے سب تتر بتر ہو گئے۔ کچھ شعبدے حواریوں نے سیکھ لیے تھے ان کو دکھا کر لوگوں کو بہکاتے پھرے۔ آخر قسطنطین بادشاہ روم جو بڑا ظالم تھا عیسائی ہوا اس نے بزور شمشیر لوگوں کو عیسائی کیا۔ چونکہ اس مذہب میں شریعت پر عمل کرنے والے پر لعنت ہے ان کے ہاں سور و شراب کھانا کھلا رکھا ہر چیز مباح ہے نہ عبادت ہے نہ قربانی نہ تقویٰ۔ سوائے آزادی کی وجہ سے اکثر لوگ عیش پسند اس شہوت پرست مذہب میں داخل ہوتے گئے دنیا کی ترقی و تہذیب اور صنعت سے یہ لوگ دور نکلے الخ

قول پادری صاحب کیا یہ کفریات ان تحریفی باتوں سے کم ہیں جو آپ نے سید المرسلین ﷺ کی بابت میں لکھی ہیں؟

حاجت روائی فرماتا ہے۔ بلکہ بعض اقوام نے تو بعض اکابر کی نسبت یہ اعتقاد کیا کہ خدا تعالیٰ دنیا میں ان کی شکل میں ہو کر ظاہر ہوا ہے اور ان میں حلول کیا ہے جیسا کہ ہنود اپنے اوتاروں کی نسبت اور عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت یہی عقیدہ اب تک رکھتے ہیں۔ تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا۔ اور کسی کو روزی رسانی کا کسی کو پانی کا کسی کو تندرستی و بیماری کا کسی کو لڑکا دا رزانی کا الغرض کسی کو کسی کا اور کسی کو کسی اور چیز کا اپنے دل میں حاجت روا سمجھ لیا اور ان کی عبادت اور قربانی و نذر و نیاز و نام لینے کو اپنے لیے تقرب الٰہی کا وسیلہ جانا اور ان سے روگردانی کو باعث نقصان جان و مال مانا اس لیے ان کی پرستش ضرور بھی کی اور وہ لوگ کہ جن کی نسبت ان کا یہ گمان تھا انبیاء و اولیاء و ملائکہ ہیں۔ اور بعض لوگ اپنے آباء و اجداد اور جنوں اور ارواح خبیثہ کو، اور بعض عناصر آگ، پانی، ہوا، خاک کو بھی اور بعض آفتاب و ماہتاب ستاروں اور دیگر عجیب مخلوقات کو بھی اسی مرتبہ میں سمجھتے تھے۔ چنانچہ ان چیزوں کی پرستش کرنے والے ہنود اور مجوس اب تک موجود ہیں۔ ان چیزوں میں سے کوئی بھی ہنود نے نہ چھوڑی۔ عناصر کی پرستش وید[1] اور دھرم شاستر میں اب تک مذکور ہے۔ اور ان کی طرف دھیان دھرنے اور خیال جمانے کے لیے ان کے نام کی تصویریں پیتل اور پتھر وغیرہ چیزوں کی بنا کے آگے رکھ کر عبادت کرنے لگے لیکن ان تصویروں کو معبود نہ سمجھتے تھے بلکہ جہت[2] قبلہ خیال کرتے تھے۔ البتہ متاخرین نے خود ان تصویروں ہی کو معبود سمجھ لیا یہ پہلوں سے بھی بڑھ کر خرابی میں پڑے۔ عرب میں یہ بت پرستی عمرو بن لحی کی وجہ سے رواج پائی جو نبی ﷺ سے تخمیناً تین سو برس پیشتر تھا۔ پس جس طرح اہل ہند کے ہاں کرشن وغیرہ اکابر کی تصویریں مندروں میں دھری گئیں اور ان کی پوجا شروع ہوئی اسی طرح سے عرب میں بنی کلب نے ود کا بت بنایا اور ہذیل نے سواع کا اور مذحج نے یغوث کا اور ہمدان نے یعوق اور قوم حمیر نے سبا میں نسر کے نام کا بت بنا کے پوجا۔ اور یہی پانچوں بت قوم نوح میں بھی تھے جیسا کہ سورۂ نوح میں مذکور ہے اور قریش نے خاص مسجد ابراہیمی یعنی خانہ کعبہ میں حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام کے نام کے اور لوگوں کے نام کے چھوٹے بڑے بہت سے بت رکھ چھوڑے تھے اور کعبہ کے سب سے بڑا بت ہبل کے نام سے رکھا تھا۔ اور عرب جن بتوں کی پرستش کرتے تھے منجملہ ان کے لات اور منات اور ذوالخلصہ اور ذوالکفین اور ذوالشریٰ اور نہم اور سعیر اور فلس وغیرہ تھے کہ جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں۔ عرب کے لوگ عموماً معطلہ اور کچھ محصلہ تھے۔ معطلہ میں سے ایک صنف تو یہی بت پرست تھے جن کے خیالات کا رد قرآن مجید میں جا بجا ہے کہیں یوں فرمایا اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ الآیہ اور کہیں یوں کہا لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ الآية اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ الآية وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ الآیہ کہیں فرمایا لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ الآیہ اور ایک فریق عرب میں ایسا تھا کہ جو خالق کا اور مر کر دوبارہ حساب و کتاب جزا و سزا کے لیے زندہ ہونے کا انکار کرتا تھا اور طبع

---

[1] وید ہنود کے نزدیک کتاب آسمانی ہے اور دھرم شاستر ان کے نزدیک کتاب آسمانی ہے چنانچہ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ ۱۲ منہ

[2] بعض بت پرست جیسا کہ آریہ اور برہمن وغیرہ اپنی بت پرستی کی یہی توجیہ کیا کرتے ہیں مگر اس سے الزام شرک سے بری نہیں ہو سکتے کیونکہ ہم نے مانا کہ لالہ صاحب وغیرہ دانشمندوں نے مہادیو اور بشن اور کرشن اور کالی بھوانی وغیرہ کی مورتوں کو خدا نہ کہا بلکہ ان کو جہت قبلہ اور اصل معبود مہادیو وغیرہ کو جانا ان چیزوں کو جن کی یہ تصویریں ہیں معبود سمجھا یہی تو حقیقی اور صریح شرک ہے۔ ۱۲ منہ

کو زندہ کرنے والا اور ہر کو فنا کرنے والا جانتا تھا یعنی ترکیب اجسام کی صحبت سے آدمی اور دیگر حیوانات و نباتات خود پیدا ہو جاتے ہیں اور تحلیل ہوتے ہوتے گردش دہر سے فنا ہو جاتے ہیں نہ اس کے بعد مرنے کوئی حساب ہے نہ کتاب نہ دوزخ نہ بہشت نہ کوئی رسول نہ فرشتہ۔ ان لوگوں کو دہریہ کہتے ہیں۔ چنانچہ آج کل بھی انگلستان اور جرمن وغیرہ بلاد میں ان کی ذریت موجود ہے۔ اس فرقہ کا بھی قرآن میں بہت جگہ رد ہے قال اللہ تعالیٰ وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ جس میں خدا تعالیٰ نے ضروریات فطریہ و آیات قطعیہ کے ساتھ چند آیات اور سورتوں میں ان کی اس بیہودہ اور باطل خیال کو رد کیا قال أَوَلَمْ يَنْظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَقَالَ أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا خَلَقَ وقال قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿۷۹﴾ وَقَالُوا أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا ﴿۴۹﴾ الآیت۔ اس فرقہ کا بھی رد قرآن مجید کی اکثر آیات و اکثر سورتوں میں نئے نئے طور سے واقع ہوا ہے۔

اور ایک ایسا فرقہ تھا کہ جو خدا کو اور ابتدائے خلق کا تو قائل تھا مگر بعث و اعادہ کا منکر تھا۔ اس فرقہ کے عقائد کو بھی قرآن نے اکثر جگہ بڑی شدومد سے رد کیا ہے چنانچہ یہ آیت قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ الآیہ اور یہ آیت أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ انہیں کے رد میں وارد ہے۔ اور ایک فرقہ ایسا تھا کہ جو خالق اور ابتدائے خلق اور کسی قدر اعادہ کا قائل تھا مگر رسولوں کا منکر تھا اور بتوں کی عبادت کرتا تھا کہ یہ ہمارے لیے آخرت میں خدا کے پاس شفاعت کریں گے مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ ان کی رد میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ وغیرہا من الآیات۔

اور یہ لوگ بتوں کے نام کی قربانی کرتے تھے اور جس طرح کہ ہنود ہر سال اپنے بتوں کی زیارت کے لیے تیرتھ کے طور پر جاتے ہیں اسی طرح یہ مشرکین ان کے لیے حج کرتے اور منتیں مانتے اور بعض چیزیں حلال اور بعض حرام کرتے تھے اور اپنی کھیتی وغیرہ میں سے ان کے حصے مقرر کرتے تھے اور اس میں کسی قدر خدا کے نام کا بھی تعین کرتے تھے اور کبھی خدا کے نام جانوروں کے نام پر چڑھا دیتے تھے ان جانوروں میں سے کسی کو مردوں کے لیے حلال اور عورتوں پر حرام کر دیتے تھے چنانچہ سورۂ انعام میں اس کا رد موجود ہے وَقَالُوا هَٰذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرْثٌ حِجْرٌ لَا يَطْعَمُهَا إِلَّا مَنْ نَشَاءُ بِزَعْمِهِمْ الآیۃ وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَٰذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَىٰ أَزْوَاجِنَا وَإِنْ يَكُنْ مَيْتَةً فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ الآیہ ان کے رد میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ آلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ الآیہ وقال أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ وَصَّاكُمُ اللَّهُ بِهَٰذَا الآیہ اور علاوہ ان لوگوں کے وہ شبہے تھے اور بالخصوص حشر جسمانی کی نسبت کہتے تھے أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ أَوَآبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ

اس امر میں ایک شاعر جاہلیت نے یہ اشعار کہے ہیں۔

حیاۃ ثم موت ثم نشر　　حدیث خرافۃ یا ام عمرو

اور بعض نے مرثیہ میں یہ کہا ہے

فماذا بالقلیب قلیب بدر　　من الشیزی تکلل بالسنام

یحدثنا الرسول بان سنحیی　　وکیف حیاۃ اصداء وہام　۱۲منہ

وغیرہا من الآیات۔

دوم رسولوں کا آدمیوں کی شکلوں میں آنا اور حوائج بشریہ میں شریک ہونا جس کی نسبت خدا تعالیٰ خبر دیتا ہے وقالوا مال هٰذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق الی قولہ ان تتبعون الا رجلا مسحورا وقال وما منع الناس ان یؤمنوا اذ جاءهم الهدیٰ الا ان قالوا ابعث الله بشرا رسولا پس جو لوگ کہ فرشتوں کے قائل تھے وہ کہتے تھے کہ فرشتے کیوں رسول نہ ہوئے وقالوا لولا انزل علیه ملک وغیرہا من الآیات۔ اور جو قائل نہ تھے وہ صرف اپنے بتوں کو کافی اور وسیلہ سمجھتے تھے۔

اول شبہ کا جواب قرآن میں کثرت سے دیا گیا اور ثانی شبہ کا جواب بھی اکثر جگہ ذکر فرمایا کہ بشر تمہارے ہم جنس ہے فرشتہ نہیں اور اگر فرشتے کو بھی رسول کر کے تمہارے پاس بھیجتے تو انسان ہی کی شکل میں بھیجتے پھر شبہ کرنے والے اسی طرح اس پر بھی شبہ کرتے ولو جعلنٰه ملکا لجعلنٰه رجلا الآیہ اور جب اس ضرورت کے لیے بشر کو رسول کرنا پڑا تو بشر سے مقتضیات بشریہ ترک ہونی اس طرح ناممکن ہیں کہ جس طرح آگ سے حرارت کا جدا ہونا ناممکن ہے۔ پس اسی لیے جس قدر دنیا میں پیشتر انبیاء آئے کھاتے پیتے تھے بیوی بچے بھی رکھتے تھے قال تعالیٰ وما ارسلنا قبلک من المرسلین الا انهم لیاکلون الطعام ویمشون فی الاسواق اور بعض عرب تناسخ کے قائل تھے کہ انسان جب مر جاتا یا مارا جاتا ہے تو اس کے دماغ کا خون اور اجزاء اصلیہ مجتمع ہو کر ایک جانور بن جاتا اور سو برس تک اس کی قبر پر بولتا اور دشمن سے انتقام چاہتا ہے جیسا کہ آج کل صدہا عوام اور بالخصوص ہنود کے خیالات خام ہیں کہ فلاں شخص کی روح آتی ہے اور فلاں شخص جن بھوت بن کر لوگوں کو ستاتا پھرتا ہے یا فلاں جنگل یا فلاں جگہ میں رات کو فلاں مقتول بولتا اور پانی مانگتا ہے یا بڑے بزرگ گھر پروان ہونے کے لیے آتے ہیں یا فلاں عورت کی سوکن جو مرگئی ہے اس کو ستاتی ہے چنانچہ شیخ سدو اور زین خان دماموں اللہ بخش اور ہنومان کی چوکی وغیرہ بیہودہ خیالات انہیں لوگوں کی نشانی اور یادگاری ہے اس غلط خیال کو نبی ﷺ نے بھی بڑی شد و مد سے رد کیا فقال لاھامۃ ولا عدوی ولا صفر الحدیث بلکہ شگون اور نحوست اور فال وغیرہ خیال کی پرستش کو بھی منع کر دیا اور بتا دیا کہ خدا کی قضاء و قدر کو کوئی چیز رد نہیں کر سکتی قل لن یصیبنا الا ما کتب الله لنا الآیہ وان یمسسک الله بضر فلا کاشف له الا هو وان یمسسک بخیر فهو علیٰ کل شیء قدیر اور اسی مضمون کی بہت سی آیات ہیں۔ اور بعض کا یہ اعتقاد تھا کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں ان کی عبادت اور ان کے وسیلے سے حاجت براری ہوتی ہے اس کے رد میں خدا تعالیٰ نے اکثر آیات نازل فرمائی ہیں ازاں جملہ یہ آیت ہے الا انهم من افکهم لیقولون ولد الله وانهم لکاذبون اصطفی البنات علی البنین ما لکم کیف تحکمون اور بعض عرب جنوں کی پرستش کرتے اور ان کے نام کی دہائی دیتے تھے ان کے رد میں خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے وجعلوا بینه وبین الجنة نسبا ولقد علمت الجنة انهم لمحضرون۔

اور اکثر لوگ ایسے بھی تھے کہ جو کچھ باتیں جنوں سے دریافت کر کے اور اس میں دس جھوٹ ملا کے لوگوں کے آگے بیان کیا کرتے تھے اور ان لوگوں کو کاہن کہتے تھے جیسا کہ آج کل جہال جمعرات کو جگہ لیپ کر کا: سن کر سر پھیر کر گردن ہلانے لگتے ہیں کہ ہم پر سہو آتا ہے اور عوام ان سے مغیبات کا سوال کرتے اور اس پر ایمان لاتے اور اس کے قول پر عمل

پرست تھے اور تبوک وغیرہ اطراف عرب میں بالخصوص مدینہ طیبہ سے شمالی اور مغربی حصہ میں اکثر عیسائی لوگ حاکم تھے۔ ہرقل شہنشاہ روم کے صوبجات شمار ہوتے تھے اور خاص مدینہ منورہ میں اور اس کے اطراف خیبر وغیرہ مواضع میں یہود رہتے تھے باقی حجاز و نجد وغیرہ ملک خود مختار تھے۔

دوسرا فریق عرب کا (کہ جو حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے طریق پر چلتا تھا) ان کو حنفاء کہتے ہیں یہ لوگ موحد تھے نبی کے منتظر تھے لیکن یہ فریق بہت ہی کم تھا۔ منجملہ اس فریق کے زید بن عمرو بن نفیل تھے جو کعبہ سے تکیہ لگا کر توحید بیان کیا کرتے تھے اور شرک سے نفرت دلایا کرتے تھے اور حشر و نشر' حساب و کتاب کے قائل تھے منجملہ ان کے قیس بن ساعدہ ایادی ہیں۔ منجملہ ان کے مواعیظ کے یہ اشعار ہیں جو ثبوت حشر میں کہے ہیں۔

یا باکی الموت والاموات فی جدث
علیهم من بقایا برهم خرق
دعهم فان لهم یوما یصاح بهم
کما ینبه من نوماته الصعق

از انجملہ ان کے عامر عدوانی ہیں یہ شخص عرب کے حکماء اور خطباء میں سے ہے۔ اس کی ایک بڑی وصیت ہے جس کے اخیر میں یہ کلمات ہیں کہ میں نے ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی کہ جس نے اپنے تئیں پیدا کیا ہو۔ اور جو آنے والی ہے وہ جانے والی ہے اگر لوگوں کو مرض سے موت ہوتی تو دوا سے زندگی بھی ہو جاتی۔ اس شخص نے زنا اور شراب کو اپنے اوپر حرام کیا تھا اور شراب کی مذمت میں چند اشعار بھی کہے ہیں منجملہ ان کے قیس بن عاصم تمیمی اور صفوان ابن امیہ کنانی اور عفیف بن معدیکرب کندی ہیں۔

قرآن مجید کو اس وقت کے چار فریق کا رد اور دفع شبہات کرنا پڑا جو فطرت سلیمہ سے برخلاف اور راہ راست سے دور پڑے ہوئے تھے۔

اول: تو یہی عرب معطلہ کہ جن کے عقائد مذکور ہو چکے ہیں اور ان کے رد میں اہل منطق اور اہل فلسفہ کے طرز کو اختیار نہیں کیا کہ مقدمات یقینیہ سے قیاس بطرز اشکال مرکب کر کے پیش کیا جاتا اور امور بعیدہ پر مناظرہ کی بنیاد رکھی جاتی اور نہایت باریک باتوں پر الزام دیا جاتا کیونکہ ان عامیوں' انپڑھوں اور اونٹ اور بکری چرانے والوں سے اس طرح سے مناظرہ کرنا خلاف مقصود تھا۔ وہ ایسی باتیں کب سمجھ سکتے تھے اس لیے مقدمات مشہورہ اور مسلمہ پر اکثر الزام دیا اور ان مقدمات کا غلط ہونا ثابت کر دیا جن پر یہ عقائد فاسدہ مبنی تھے۔ چنانچہ ہر موقع پر ہم اس کی تشریح کریں گے اور تقدیم و تاخیر کا بھی لحاظ نہ کیا اور کلام کے مکرر ہونے سے اور اکثر سورتوں میں بار بار لانے سے اجتناب نہ کیا کیونکہ مقصود یہ تھا کہ ان کے دل میں شرک کی برائی جم جائے اور ان خیالات فاسدہ کی غلطی پیش نظر ہو جائے کس لیے کہ ذکی تو اشاروں سے سمجھ سکتا ہے اور عامی غبی تکرار اور تفصیل تام کے بغیر نہیں سمجھ سکتے۔ جو مفسر اس نکتہ سے واقف نہیں وہ آیات احکام اور آیات مخاصمہ میں باہم ربط دینے میں بڑا

۱؎ بحر محیط ص ۱۲ منہ

فرمایا اگر خدا کے نزدیک تمہارے ہی لیے دار آخرت خاص ہے تو ذرا موت کی آرزو تو کرو قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ الآیہ اور یہ کہ گناہ پر ہم کو چند روز عذاب رہے گا پھر نہیں۔ فرمایا یہ تمہارے دلوں کے منصوبے ہیں تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ الآیہ بَلٰی مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً الآیہ۔

ازانجملہ یہ کہ شہوت پرستی اور بدمستی سے انبیاء علیہم السلام کی نسبت بھی بڑی بدگمانیاں کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کی نسبت بد گمانہ خیال تھا اور حضرت لوط علیہ السلام کو یہ کہتے تھے کہ انہوں نے شراب پی کر اپنی دونوں بیٹیوں سے زنا کیا اور وہ دونوں اس سے حاملہ ہوئیں اور ایک نے مواب اور دوسری نے بن عمی جنا۔ چنانچہ سفر خلیقہ کے ۱۹ باب میں اب تک مذکور ہے۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے بت پرستی کی اور حضرت داؤد علیہ السلام نے اوریا کی جورو سے زنا کیا چنانچہ کتاب السلاطین میں اب تک موجود ہے۔ اس خیال کو خدا نے رد کیا کہ وہ ہادی اور خدا کے برگزیدہ بندے تھے خدانخواستہ اگر وہ بھی ایسا کریں تو پھر راستی کا کیا ٹھکانا۔ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ وغیرہا من الآیات۔

ازانجملہ یہ کہ بابل کی اسیری میں اصل نسخہ توراۃ ان کے ہاتھ سے مفقود ہو گیا تھا پھر مدت بعد ان کے علماء نے اپنی یاد کے طور پر کچھ مرتب کیا اور عزیر علیہ السلام اس کے مہتمم ہوئے آخر شاہ انطاکس کے حادثہ میں وہ بھی ان کے ہاتھ سے جاتا رہا پھر اپنے طور پر جو کچھ جی چاہا لکھا اور اس کا نام توراۃ رکھا (چنانچہ اس کی تحقیق آتی ہے) چونکہ یہ نسخہ خدائی تو تھا ہی نہیں انہیں کی تصنیف تھا اس لیے اس پر بھی پورا پورا عمل نہ کرتے تھے بلکہ ان کے مشائخ احبار و رہبان رشوت ستانی کے لیے کچھ کا کچھ ادل بدل کر الٹ پلٹ کر دیتے تھے یا اس کی کوئی تاویل کر دیتے تھے کہ جس سے خدا کے حکم پر عمل کرنے سے جدا ہو جاتے تھے۔ اس کی مذمت قرآن نے بیان کی ہے قال تعالیٰ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ الآیہ بلکہ جو ان کی مرضی کے موافق ہوتا تھا اس کو باقی رکھتے تھے اور جو مخالف ہوتا اس کو مٹاتے تھے اس لیے جناب نبی آخر الزمان ﷺ کی جو صریح خبریں ان کی کتب میں بھی آتی تھیں ان کو اور دیگر احکام رجم وغیرہا کو اپنے امراء کی خوشامد میں چھپایا یہ تو ان کے علماء کا طور تھا۔ عامیوں میں یہ خرابی تھی کہ وہ ان لالچی اور بے دین علماء کے اس وجہ معتقد تھے کہ ان کے خلاف بھی کوئی کیسی ہی حق بات کیوں نہ کہے اور انبیاء ہی آکر کیوں نہ سمجھائیں وہ اس کو ہرگز نہ مانتے تھے بلکہ ان حق گو لوگوں کے قتل کے درپے ہوتے تھے۔ چنانچہ بہت سے انبیاء کو اسی بات پر شہید کر ڈالا۔ ازانجملہ یہ کہ تعلیم انبیاء علیہم السلام کے برخلاف منہیات میں بالکل مستغرق ہو گئے تھے[1] اور بجائے درس و تدریس کتاب الٰہی کے جادو و منتر وغیرہ بیہودہ خیالات میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے اور جادو کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعلیم اور ان کے وزیروں کے ساتھ عداوت بھی تھی بیان سے باہر ہے۔ ان ناشائستہ کلمات کا

۱ یہود کا عمدہ یہی خیال ہے کہ کسی کے لیے جادو ٹونہ پر منتر پڑھنے جائز ہیں یہ بھی منتر انہی حروف اور دعا جو بقول ان کی ہی نجات کے واقف نہیں اور اس پر عجیب یہ ہے کہ اور غیر قوموں میں کسی کو کچھ بھی عمل سے نہ ہو ہمیں ہو سکتے ہیں نہ منتر ان میں بیٹھ نہ ہوں۔ یہی پر منتر نے ہندوستان کے ہندوؤں کو اول کی نے قومی عالیانی سب بھی۔ ۱۲ منہ

۲ جیسا کہ اس وقت جاہل لوگ اپنے بزرگوں اور آباء اجداد کی تقلید میں نصوص قرآنی و حدیث مصطفویہ کا انکار کرتے اور حیلہ و بہانہ کرتے رہتے ہیں ۱۲ منہ

۳ جیسا کہ آج کل دیہات کے جاہل فضول اور بیہودہ علوم کے سیکھنے میں لگے مصروف ہیں ۱۲ منہ

واپس ہوتے تھے تو ان پر بڑی لے دے ہوتی تھی کہ تم کیوں ایسی باتیں ان کو بتاتے ہو کہ جن سے وہ تم کو الزام دیں۔ الغرض اس طرح سے بہت سی ایسی باتیں پیش آتی تھیں کہ جن کا بجز خدا کی جانب سے ہونے کے... کبھی وہ جبرئیل علیہ السلام کی عداوت ظاہر کرتے تھے اور قرآن کے نہ ماننے میں یہ عذر پیش کرتے تھے۔ کبھی مدینے کے منافقین کو دھوکا دیتے تھے اس لیے سورۂ بقرہ وغیرہ میں اکثر ایسے مضامین ہیں۔

(نمبر ۳ فریق) کہ جس سے قرآن میں مناظرہ واقع ہوا ہے نصرانی ہے۔ یہ وہ تھے جو یہود سے بھی گمراہی میں کئی نمبر بڑھے ہوئے تھے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں سے جو کچھ مصائب مسیحیوں پر پڑنے شروع ہوئے ان کے ذکر کے لیے ایک جداگانہ دفتر چاہیے۔ انہیں حوادث میں انجیل ان کے ہاتھ سے جاتی رہی اور کچھ یادداشت کے طور پر تعلیم و تلقین کا سلسلہ جاری رہا۔ کسی معتبر ذریعہ سے یہ بات نہیں معلوم ہوتی کہ حواریوں کے پاس جب کہ وہ روم وغیرہ بلاد میں منادی کرتے پھرتے تھے کوئی حضرت مسیح علیہ السلام کی تصنیف یا خود ان کی تصنیف کتاب بھی ساتھ تھی؟ لیکن ان حواریوں نے دین حق کی اشاعت میں بڑی ہی کوشش فرمائی اور لوگوں کو اپنی کرامات اور نیک چلنی دکھا کر دینداری کی طرف متوجہ کیا۔ پھر تیسری دوسری صدی میں صدہا ایسے جھوٹے شخص پیدا ہوئے کہ جنہوں نے روح القدس نازل ہونے اور الہام ہونے کا دعویٰ کیا اور بہت سے جھوٹے عقائد اور اوہام غلط کو حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کے حواریوں کی طرف منسوب کیا اور لوگوں میں ان کا رواج دینا شروع کیا۔ چنانچہ رومیوں ۱۳ باب ۱۱ اور دوم قرنتھیوں میں اس کی تصریح ہے۔ اور صدہا جھوٹی انجیلیں اور نامے معروف و مشہور ہو گئے جیسا کہ باب اول انجیل لوقا اور ابتدا خط گلتیوں اور باب دوم نامہ تسلنیکیوں میں اس کی تصریح ہے۔ اور اس طوفان بے تمیزی کا باعث نہ تنہا طمع نفسانی اور تعطیل شریعت ہی تھی بلکہ بہت سے سادہ لوح جھوٹ بول کر دین کو ترقی دینا موجب ثواب جانتے تھے۔

چنانچہ ولیم میور اپنی اردو تاریخ کلیسیا کے باب ۳ حصہ ۲ دفعہ ۲ میں لکھتے ہیں کہ دوسری صدی کے عیسائیوں میں یہ گفتگو رہی کہ جب غیر مسیحیوں سے بحث کا اتفاق ہو تو ان کے طریقے کو اختیار کرنا چاہیے۔" چنانچہ اکثروں کی رائے سے یہی بات قرار پائی۔ اس سے بحث میں تیزی تو پیدا ہوئی مگر راستی اور صفائی میں نقص پڑا اور جعلی تصنیفات پیدا ہونی شروع ہوئیں کیونکہ فیلسوف جس کی پیروی کرتے تھے تو رواج دینے کے لیے اس کے نام سے تصنیف کر کے مشتہر کر دیتے تھے۔ ان کی تقلید سے یہی طریقہ عیسائیوں نے اختیار کیا۔ یہ بات بھی خلاف حق اور قابل الزام شدید کے تھی انتہی مختصر۔ اور یہی بات ان کی پولوس کے اس خط سے جو انہوں نے رومیوں کو لکھا ہے ظاہر ہوتی ہے جو وہ رومیوں کے باب سوم میں لکھتے ہیں۔ "پھر اگر میرے جھوٹ کے سبب خدا کی سچائی اور اس کے جلال کے لیے زیادہ ظاہر ہوئی تو پھر کیوں گنہگار کی طرح مجرم ٹھہرتا ہوں اور ہم کیوں نہ برائی کریں تاکہ بھلائی ہو" انتہی۔ الغرض اسی پولوس نے اور بھی دین کو الٹ پلٹ کر دیا اور بجائے صداقت اور ایمانداری کے بیچارے سیدھے سادے ایمانداروں کے دلوں کو بھی خیالات اور کفر کے عقائد سے بھر دیا۔ چاروں انجیل کہ جن پر آج کل کے عیسائی دھار کھائے پھرتے ہیں اسی پر آشوب زمانہ کی تصنیف ہیں۔ یہ تثلیث اور کفارہ اور الوہیت مسیح کہ جس کو عیسائی نجات کا مدار جانتے ہیں ایسے ہی جعلسازوں کی کثرت ہے۔ گرچہ بعض بعض فرقہ عیسائیوں کے اس کفر کے سخت منکر بھی تھے

جیسا کہ فرقہ جونی نیرین وغیرہ مگر گمراہی زور پکڑتے پکڑتے آنحضرت ﷺ کے عہد تک حد سے تجاوز کر گئی تھی۔

ازاں جملہ سب سے بڑھ کر یہ بدعقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ ہے وہ حضرت مریم کے پیٹ میں رہ کر حسب دستور دنیا میں باہر آیا اور انسانی جامہ پہنا اور تمام بنی آدم کے گناہ اپنے اوپر اٹھا کر لے گیا (چنانچہ یہ مضمون کتاب العین کی ہدایت المسلمین کے صفحہ ۳۷ میں ہے) اور گناہ کی معافی کا سوائے اس مشقت کشی کے اس کو اور کوئی طریقہ نہ ملا۔ آخر پھانسی چڑھا اور ملعون ہوا اور تین دن دوزخ میں رہا اور پھر جی اٹھا اور حواریوں کی بے ایمانی اور بے وفائی پر خفا ہوتا ہوا آسمان پر چڑھ گیا اور پھر دوبارہ آنے کا وعدہ کر گیا۔ چنانچہ اس عقیدہ کو پادری فنڈر نے اپنی کتاب مفتاح الاسرار میں بڑے تفاخر سے بیان کیا بلکہ اسی پر نجات کا مدار ٹھہرایا ہے۔ اس کو یہ لوگ الوہیت مسیح کہتے ہیں۔ ان بیہودہ خیالات کو بھی خدا تعالیٰ نے ان دلائل سے قرآن میں رد کیا کہ جس کو ہر ذی عقل اور صاحب فطرت سلیمہ بہت جلد قبول کر سکتا ہے قال لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اس آیت کی تفسیر میں تم کو آگے چل کر معلوم ہوگا کہ اس خیال باطل کو کس طرح سے مٹایا ہے؟ جہاں تک کہ ہم کو اس وقت کے پادریوں کی تصنیفات دیکھنے کا اتفاق ہوا ان میں سے مسئلہ کی دلیل سوائے ان دو باتوں کے اور کچھ نہ معلوم ہوئی۔

(۱) یہ کہ بیٹے کا لفظ حضرت مسیح پر بولا گیا۔ اس کو پادری فنڈر نے مفتاح الاسرار میں کئی ایک ورق میں بڑی فصاحت خرچ کر کے بیان کیا اور بغیر سمجھے بوجھے صوفیہ کرام کے الفاظ حدیث اور وحدت کو بڑی تکلیف دی ہے مگر نتیجہ ندارد۔

(۲) یہ کہ خدا کے افعال مخصوصہ کو انجیل میں مسیح نے اپنی طرف منسوب کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت مسیح خدا یا خدا کا بیٹا بلکہ اکلوتا بیٹا ہے۔

اول بات کا جواب بہت سہل ہے کہ یہ لفظ اور لوگوں پر بھی بولا گیا ہے[۱] بلکہ جب وہ بیٹے نہیں تو مسیح میں کیا خصوصیت ہے؟ اگر بغیر باپ کے پیدا ہونا تو آدم بغیر باپ اور بغیر ماں کے پیدا ہوئے ہیں۔ خدا قادر ہے جس طرح چاہے پیدا کرے اِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ الآیہ۔

دوم باپ بیٹے حقیقی میں مجانست تو ضرور ہے پھر اگر عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے اور خدائی میں شریک ہیں تو وہ فصل کیا ہے؟ اور فصل ہے تو مرکب ہیں اور ہر مرکب حادث ہے اور اگر فصل نہیں تو اتحاد محض ہے پھر باپ کون اور بیٹا کون؟ ایک چیز آپ

۱۔ انجیل متی باب ۵ آیت ۹ و ایضاً باب ۶ آیت ۹ و لوقا باب ۳ آیت ۳۸ و یوحنا باب ۱ آیت ۱۲۔ ان مقامات پر مسیح علیہ السلام کے علاوہ اور لوگوں پر بھی خدا کا بیٹا اطلاق ہوا ہے۔ ۱۲ منہ

۲۔ یہ تو ہمارے نزدیک ہے ورنہ یہود کے نزدیک ... گمراہوں کے نزدیک اور اس وقت دنیا و دینی راہوں کے تو بڑے تھے ان کے باپ یوسف بڑھئی ہیں اس سے وہ اپنے تئیں ابن آدم کہتے تھے۔ علاوہ اس کے اگر خدا یا خدا کے بیٹے تھے تو ... کی کیا ضرورت تھی اور پھر یہود کے ہاتھ سے صلیب پر ایلی ایلی لما سبقتنی کہہ کر کیوں چلائے جان دی۔ وہ اگر گناہ بخشنے دنیا میں آئے تھے اور بھی لوگوں کو گناہگار کر گئے کیا خدا کو اپنی جان دینی آسان تھی اور گناہ بخشنا محال تھا پھر جب وہ مر گئے تو اپنے سر پر لعنت لے کر جہنم میں گئے تو ان کے لیے کون شفیع ہوا۔ ۱۲ منہ

ازانجملہ یہ کہ خدا تعالیٰ بشر کے گناہ معاف کرنے پر قادر نہیں اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سب انبیاء گنہگار چلے آتے تھے اور خدا کو اپنے بندوں کی مغفرت منظور تھی تو سوائے اس کے اور کچھ تدبیر نہ سوجھی کہ دنیا میں بشکل عیسیٰ ظاہر ہوا اور سب کے گناہ (یا تو صرف عیسائیوں کے) سمیٹ کر اپنے اوپر رکھے اور سب کے عوض آپ تین روز جہنم میں رہا اور ملعون ہوا (چنانچہ یہ بات نامہ پولوس اور پادریوں کی کتاب سے اب تک پائی جاتی ہے) اسی عقیدہ کے اعتماد پر پولوس مقدس جو عیسائیوں کے نزدیک بڑا رسول ہے اپنے اس خط میں جو طیطس کو لکھا تھا حکم دیتا ہے کہ پاک لوگوں کے لیے سب کچھ پاک ہے پر ناپاک اور بے ایمانوں کے لیے کچھ پاک نہیں۔ علاوہ اس کے اپنے خطوط میں بڑی شد ومد سے شریعت پر عمل کرنے کو حرام کہتا ہے۔ اور شراب پینے اور گناہ کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ اسی کے فتوے پر عمل کر کے عیسائیوں نے باوجود اس اقرار کے کہ تورات کے احکام ہمیشہ رہیں گے سب شریعت کو بالائے طاق رکھ دیا اور ہر ایک طرح کی بدکاری اور گناہ اور بلا کو دل کھول کر کے عمل میں لائے۔ اسی لیے یورپ میں ملک کے ملک ایسے بے دین اور ملحد ہو گئے کہ جو خدا اور خدا کی باتوں پر قہقہہ اڑاتے ہیں جن کا اثر ہندوستان میں بھی پولوس ہند آنریبل سید احمد خاں صاحب بہادر کے ذریعہ سے نوجوان انگریزی خوانوں میں پہنچا۔ اور شراب خوری اور زنا نے از حد رواج پایا۔ اس مسئلہ تثلیث اور کفارہ کو نہ تورات نے بیان کیا نہ صراحۃً نہ کنایۃً اناجیل اربعہ نے بیان کیا اور کسی لفظ باپ یا بیٹے وغیرہ سے اس مطلب کو سمجھنا محض خیال خام ہے تاویل کو بڑی گنجائش ہے۔ نہ پہلے کسی نبی نے اپنی امت کو تعلیم فرمایا اور کس طرح فرماتے حالانکہ یہ بدیہی البطلان اور صریح الفساد ہے بھلا کوئی دانشمند کہہ سکتا ہے کہ خطا کرے کوئی اور اس کی سزا پائے کوئی؟ اور یہ کیا خدا کا انصاف ہے بہت جگہ رد کیا ہے۔

ازانجملہ یہ ہے وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی اور یہ بھی فرمایا کہ میرا جناب عالی ہے جس طرح میں گناہوں پر مواخذہ کرتا ہوں۔ بندوں کی عاجزی اور معافی مانگنے اور گریہ وزاری کرنے سے بخش بھی دیتا ہوں اور کچھ پروا نہیں کرتا۔ میں کم ظرف اور تنگ حوصلہ نہیں ہوں میرے غصہ سے میری رحمت کا دامن فراخ ہے۔ قولہ تعالیٰ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ وغیرہا من الآیات یہ بدعت بھی عیسائیوں میں تیسری یا دوسری صدی میں مروج ہوئی تھی کہ جس کا رد کرنا حکمت الٰہی میں ضرور تھا۔

ازانجملہ اس پولوس ذات شریف نے عیسائیوں کی ضد میں عیسائیوں کو بے قید کرنے کے لیے ایک یہ فتویٰ دیا تھا کہ انسان کی نجات عبادت روحانی سے ہوتی ہے اور عبادت جسمانی محض ابتدائی حالت میں تھی اب فضول ہے۔

---

1 سود اور شراب جو تورات میں حرام ہے عیسائی اس کو حلال جانتے ہیں۔ ۱۲ منہ

2 بعض ناانصاف عیسائی جو کسی قدر عربی دانی سے گو طفیل ہو گئے قرآن مجید پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن نے باوجودیکہ ان کتابوں کی از حد تصدیق کی پھر ان نجات کی باتوں کا انکار الوہیت وغیرہا کو لا کے رد کیا اس سے قرآن کا کتاب الٰہی ہونا معلوم نہیں ہوتا۔ چنانچہ پادری عماد الدین نے ہدایت نامہ میں اس بات پر بڑا زور دے کر عیسائیوں میں سرخروئی حاصل کی ہے۔ مگر یہ اعتراض ویسا ہی اعتراض ہے کہ جیسا کوئی چور قزاق کسی عادل حاکم کی نسبت میں یہ عیب ثابت کرے کہ وہ چوروں اور قزاقوں کو سزا دیتا ہے اس سے اس کی عدالت میں فرق ہے۔ اور قرآن نے ان کتابوں کی کہ جن میں یہ ناپاک مضامین مذکور ہیں کس جگہ مدح فرمائی ہے ذرا وہ آیت تو بیان کیجیے۔ کہ ان لوگوں کی وہ تصنیفات جو سو دو سو برس بعد موسیٰ و عیسیٰ کے ہوئی ہے تورات و انجیل ہو سکتی ہیں۔ ۱۲ منہ

اس کی پابندی اچھی نہیں۔ عبادت روحانی یا تعلیم روحانی کیا ہے؟ یہی بیہودہ خیالات الوہیت مسیح و تثلیث و کفارہ اور عبادت جسمانی انبیاء کی شریعت نماز و روزہ و اشیاء کی حلت و حرمت قربانی و ختنہ وغیرہا احکام۔ پس اس خام خیال کو یہاں تک ترقی دی کہ توراۃ کے جملہ احکام کو منسوخ کیا۔ بلکہ ملیامیٹ کر دیا اور اس پر لطف یہ کہ عدم نسخ احکام توراۃ کا دعویٰ۔ الغرض سب کو ساجڑ بنا دیا جس طرح تکیوں میں بھنگڑ بھنگ گھوٹتے جاتے اور گلے رگڑا سے جھگڑا کھینچے جاتے ہیں پھر ان کے پیر و مرشد سائیں سومنے شاہ یا عارف بخش سائیں یہ تعلیم دیتے ہیں کہ واہ عاشقوں کی عبادت اور نماز روزہ تو عبادت روحانی ہے یعنی یہ سرور اور اس کی یاد میں مست رہنا باقی سب جھگڑے ہیں اسی طرح عیسائی بھی انہیں دو تین کفری باتوں کو تعلیم روحانی اور پچھلی شریعتوں کی تکمیل اور سب کا عطر کہتے ہیں باقی سب ہیچ۔ فائدہ دنیا میں عیسائی مذہب پھیلنے کا سبب یہی آزادی ہے ورنہ مذہب کی خوبی تو معلوم۔ اس بیہودہ خیال کے بطلان پر بھی دلائل لانے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ شریعت کے احکام دو قسم کے ہیں نظری یعنی اعتقادیات جیسا کہ خدا کو وحدہ لاشریک جاننا اور اس کو مجمع صفات ازلی و ابدی و رحیم و کریم اعتقاد کرنا رسولوں کو برحق سمجھنا فرشتوں کو اور خدا کی بھیجی ہوئی کتابوں کو قیامت کے دن کو اور اس کے حساب و کتاب کو حق سمجھنا۔

دوم عملیات ان کی پھر دو قسم ہیں عبادات اور معاملات عبادات جانی اور مالی۔ جانی جیسا کہ نماز پڑھنا نجاست ظاہری دور کر کے اس کے سامنے دست بستہ کھڑا ہو کر اس کی ثناء و صفت کرنا اس کے آگے جھکنا اور اس کے آگے سجدہ کرنا اور نہایت درجہ کا اس کے آگے عجز و نیاز کرنا۔ اب یہ جسم کی پاکی اور اس کے آگے جھکنا کھڑا ہونا اس نیاز روحانی کی صورت ہے کہ جو اس ہیئت اور طریقے پر اچھی طرح سے پایا جاتا ہے نہ کہ مقصود اصلی اور مالی جیسا کہ زکوٰۃ دینا صدقہ دینا۔ اس میں بھی اپنے دل کی محبوب چیز کو دے کر اور بنی آدم کی حاجت براری کر کے تقرب روحانی پیدا کرتا ہے اور پہلی قسم تو سراسر تعلیم روحانی ہے اس میں جسم کو کچھ دخل ہی نہیں۔ اب رہے معاملات کسی پر ظلم نہ کرنا وغیرہ سو یہ بھی سراسر حکمت ہے اور زیادہ تشریح اس کی ہم آگے بیان کریں گے۔ پس اس پر اعتراض کرنا میاں پولوس صاحب کی خوش فہمی اور اس پر ہٹ کرنا عیسائیوں کی ہٹ دھرمی ہے۔ اگر یہ تعلیم عیب ہے تو پھر نبی کی کیا ضرورت ہے؟ کیا معجزہ ہی دکھانا مقصود ہے کہ جس کو خلاف نظر بندی اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ اس عقیدہ کو بھی خدا تعالیٰ نے رد کیا کہ رسول کی معرفت جو کچھ احکام الٰہی ہوتے ہیں وہ عین حکمت ہوتے ہیں۔ اگر ان سے کچھ فائدہ ہے تو بندے کا اور ترک سے نقصان ہے تو انہیں کا۔ جس طرح کہ کوئی طبیب سم کھانے سے منع کرے۔ فقط اس قدر فرق ہے کہ سم کا اثر جسم پر ہوتا ہے اور نبی طبیب روحانی ہے اس کے اوامر و نواہی کا اثر روح پر پہنچتا ہے جو لوگ اس تجربے سے واقف نہیں جیسا کہ پادری صاحب وغیرہ تو وہ عجب کج بحثی کرتے ہیں کہ جس کو کوئی عاقل پسند نہیں کرتا قال تعالیٰ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ الآیہ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ الآیہ۔ علاوہ اس کے جب کوئی امر شرعی ہی باقی نہ رہا اور نہ خدا کی طرف سے کوئی چیز حلال و حرام رہی نہ فرض و واجب تو عیسائیوں سے کوئی پوچھے:

(۱) یہ کہ اب گناہ کس فعل کے کرنے یا نہ کرنے سے ہوتا ہے؟ پس گناہ کا وجود ہی نہ رہا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ الوہیت مسیح و تثلیث و کفارہ پر ایمان انسان جو چاہے سو کرے اس کے لیے کوئی امر گناہ نہیں۔

خدا اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کی جگہ باقی نہ رہی تھی یا حرص مال و جاہ و حسد و کینے سے ان کے دل اس قدر پر تھے کہ جن میں مناجات و طاعات و عبادات کی گنجائش نہ رہی۔ انہی کے حق میں ہے وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوا كُسَالَىٰ الآیہ اور بعض ایسے تھے کہ امور معاش میں اس قدر مشغول تھے کہ ان کو امور معاد کی گنجائش اور آیات الٰہی میں فکر کرنے کی مہلت ہی نہ تھی جن کی نسبت فرمایا اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا الآیہ اور بعض ایسے تھے کہ جن کے دلوں میں آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت میں طرح طرح کے خیالات فاسدہ پیدا ہوتے تھے گو دائرۂ اسلام سے بالکل باہر نہ ہوتے تھے اور ان خیالات کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ پر احکام بشریہ جاری ہوتے دیکھتے تھے۔

دوم شریعت محمدیہ ایک سلطنت آسمانی کے پیرایہ میں نازل ہوئی ہے پس وہ لوگ بھی آپس میں ان خیالات کو ذکر کرتے تھے پھر جب قرآن میں ان امور پر تہدید ہوتی تھی تو کہنے بیٹھ جاتے تھے۔

قال تعالیٰ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ الآیہ اور زیادہ سبب اس نفاق کا یہ تھا کہ مدینہ منورہ میں آنحضرت کے تشریف لانے سے پیشتر عبداللہ بن ابی بن سلول ایک شخص رئیس مدینہ تھا جس پر تمام آدمی متفق تھے۔ سب لوگوں کی یہ مرضی تھی کہ اس کو سردار بنایا جائے۔ پس جب آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور تمام لوگوں کو دل و جان سے حضرت ﷺ پر اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر فدا ہوتے دیکھا تو ایک شعلۂ حسد حب ریاست کی وجہ سے اس کے دل میں بھڑک اٹھا چونکہ تمام لوگ حضرت ﷺ پر ایمان لا چکے تھے اس کی کیا دال گلتی تھی۔ ظاہر میں مقابلہ کرنے کی طاقت کہاں تھی؟ اس لیے لوگوں کے دکھانے کو یہ بھی اور اس کے یار و اشنا بھی اسلام میں داخل ہوئے مگر خبث باطنی کی وجہ سے ہمیشہ حضرت ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور حضرت ﷺ کی نسبت نکتہ چینیاں کرتا رہا اور اس کے ساتھ اور بھی میلے دل کے دس بیس لوگ شریک ہو گئے۔ چنانچہ سورۂ منافقون وغیرہا سورتوں میں ان لوگوں کی توبیخ و تنبیہ مذکور ہے۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جو ایک بہتان اٹھا تھا وہ بھی انہیں لوگوں کی سازش سے تھا جس کا سورۂ نور میں ذکر ہے۔ اور یہ لوگ غزوات میں شریک نہ ہوتے تھے حیلہ و بہانہ کر کے پیچھے رہ جایا کرتے تھے اور لوگوں کو جانے سے منع کرتے تھے اور جب کوئی غنیمت کا موقع دیکھتے تھے تو مونچھوں پر تاؤ دے کر سب سے پہلے آ موجود ہوتے تھے اور حضرت ﷺ کے جہاد و حرب کی خبریں خفیہ کفار کو بھیجا کرتے تھے یہ سب امور قرآن میں مفصل مذکور ہیں لیکن قرآن کے ان نصائح نے جو روح کو زندہ کرتی ہیں ان لوگوں پر بھی خوب اثر کیا کہ رفتہ رفتہ یہ لوگ بھی خلوص دل سے اسلام کے جان نثار ہوتے گئے اور دو چار بدبخت ازلی جو تھے سو مر گئے۔ آخر نزول قرآن تک کوئی منافق مدینہ میں باقی نہ رہا تھا یہ بھی قرآن کا ایک بڑا معجزہ ہے۔ وللہ الحمد والمنۃ۔

علاوہ ان کے ضمناً تمام جہان کے گمراہ لوگوں کا رد بھی قرآن مجید میں مذکور ہے جیسا کہ فرقۂ مجوس۔ ان کے نزدیک آگ اور آفتاب کی پرستش ہے اور بدی کا خالق مستقل اہرمن کو اور خیر کا یزدان کو مانتے ہیں۔ ان باتوں کا خوب رد قرآن میں موجود ہے۔ خدا کی حکمت بالغہ کا یہ مقتضی تھا کہ اپنے اخیر نبی ﷺ کو ایسے پر آشوب زمانہ میں بھیجے کہ گمراہیوں کے جس قدر اقسام ہیں سب مجتمع ہو چکی ہوں تاکہ ان کے رد سے ان تمام گمراہیوں کا رد ہو جائے۔ کس لیے کہ تمام گمراہیوں کے اصل اصول یہی چار فریق ہیں اب جو کوئی پیدا ہوگا انہیں کی شاخ ہوگا۔

وَقَالَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ آسمان و زمین اور ان کی درمیانی چیزوں کے پیدا کرنے کی بابت فرمایا ہے قُلْ اَئِنَّکُمْ لَتَکْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ الآیۃ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَکَ فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَآ اَقْوَاتَهَا فِیْٓ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ الآیات۔ چونکہ کنہ ذات باری تعالیٰ کا معلوم کرنا اور اس کی صفات سے کما حقہ مطلع ہونا بندوں کی طاقت سے باہر تھا اور بغیر علم ذات و صفات نہ تو بندوں کے نفوس مہذب ہو سکتے تھے نہ نبوت بری الذمہ ہو سکتی تھی نہ کتاب الٰہی اپنے اصلی مقصد کو پورا کر سکتی تھی اس لیے علم بالوجہ پر بس کیا اور صفات میں ان صفات پر مدار رکھا کہ جو بندوں کے نزدیک قابل مدح ہیں اور جن کو وہ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں جیسا کہ رحیم و کریم و سمیع و علیم و حی و بصیر و متکلم و مرید ہونا اور عرش پر قائم ہونا اور ہاتھ اور منہ ہونا وغیرہ ذلک۔ لیکن انسان کی جبلی بات ہے کہ خواہ مخواہ کسی ادنیٰ مناسبت سے کسی چیز کے ساتھ تشبیہ دے کر بیان تعین نہ کی جائے اور خالص استعارہ کیوں نہ مقصود ہو مگر یہ حضرت اپنی قوت وہمیہ کی مدد سے اس کو پورا پورا مشبہ بہ ہی سمجھ بیٹھتا ہے اور سب احکام اس کے اوپر جاری کر دیتا ہے۔ اس لیے بعض نے یہ سمجھ لیا کہ درحقیقت خدا تعالیٰ کی دو آنکھیں اور دو کان اور مضغہ گوشت زبان اسی طرح ہے کہ جس طرح ہمارے لیے ہے اور اپنے عرش پر بھی اسی طرح بیٹھا ہے کہ جس طرح دنیا میں بادشاہ اپنے تخت پر بیٹھتے ہیں وغیرہ ذلک من التشبیہات۔ (اور احادیث صحیحہ میں بھی چونکہ اسی اصلی غرض پر قرآن کو اسی عنوان سے بیان کیا ہے تو اس سے اور بھی خیال میں تشبیہات دلنشین ہو گئیں) لیکن یہ خیالات بالکل خلاف واقع ہیں کیونکہ یہ وہی تشبیہ تو ہے کہ جس کے یہود قائل تھے۔ علاوہ اس کے خدا کا حادث ہونا اور جسم ہونا اور دو کان ہونا وغیرہ و عیوب بھی اس میں ثابت ہوتے ہیں کہ جو اس کی ذات مقدس اور الوہیت کے منافی ہیں۔ اس لیے قرآن مجید میں اس مرض کی دوا بھی نازل فرمائی۔ اور ان اوہام کو یہ فرما کے رد کر دیا لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ اَفَمَنْ یَّخْلُقُ کَمَنْ لَّا یَخْلُقُ تاکہ صفات اور متشابہات اور اوصاف بشریہ سے اس کو بری اعتقاد کیا جائے اور اس کو مجسم ہونے اور بشر یا کسی اور چیز کی صورت میں ظاہر ہونے اور مکان و زمان و ما یلزمہا سے صد ہا منازل دور اور بالکل نور سمجھا جائے وَهُوَ الْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ

(۳) علم التذکیر بایام اللّٰہ یعنی ان واقعات اور حوادثات کا بیان کرنا کہ جن میں خدا تعالیٰ کے فرمانبردار نیک بندوں کی خوبیاں اور ان پر انعام الٰہی مذکور ہوں اور نافرمانوں اور سرکشوں کے ساتھ جو کچھ دنیا میں پیش آیا اور جو کچھ آخرت میں آئے گا اس کا بیان ہو۔ اس سے بھی انسان کو ایک عبرت اور نصیحت ہوتی ہے۔ پس جب کہ مقصود یہ تھا تو قرآن میں سابقین کے قصص بیان کرنے میں ان چند امور ضروریہ کی رعایت کی گئی۔

(۱) یہ کہ قصہ کو تاریخ کے طور پر شروع سے اخیر تک باترتیب وقوع نہ بیان کیا جیسا کہ پانچوں توریت اور چاروں انجیلوں اور کتاب التواریخ و کتاب السلاطین وغیرہ کتب بائبل کے مصنفوں نے کیا ہے یا جس طرح اور تمام اہل تاریخ اور روزنامچہ نویس کرتے ہیں کیونکہ اس سے مطلب اصلی جو عبرت اور نصیحت ہے فوت ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ ایسے بہت کم قصے ہیں کہ جن میں اول سے لے کر آخر تک عبرت ہو بلکہ بہت اور باتیں خارج بحث بھی ہوتی ہیں۔ اگر کوئی ایسا قصہ ہو تو اس کو تمام بیان کرنا کچھ مضائقہ نہیں جیسا کہ یوسف علیہ السلام کا قصہ۔ یہ تاریخ گوئی مورخین کی شان ہے نہ کہ رب العالمین کی۔

۱؎ کہاں ہے وہ شخص کرسچن جو منصور ہو رہا ہے حضرت یوسف کے قصہ کے غیر الہامی ہونے کا اس بیان سے الزام لگا کر اس تفسیر شریف کو عام مسلمانوں کے نزدیک غیر قابل اعتبار بنانا چاہتا ہے۔ ۱۲ منہ حقانی

سمجھتے ہیں کہ ان قصص سے مقصود وعظ و پند ہے پس کبھی ایک شخص کا واقعہ چند امور قابل عبرت کو متضمن ہوتا ہے اس کو ایک بار پورا بیان کرنے سے غرض متکلم کی جو ان امور پر متنبہ کرنا ہے حاصل نہیں ہوتی۔ اس لیے ان اغراض کے لیے بار بار دہرا دینے کے لیے وہ قصہ بیان کیا جاتا ہے جس طرح اہل کے نمرود کا قصہ جو صدہا عبرت کو متضمن ہے ہر عبرت کے لیے اس کو ذکر کیا جائے۔ اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ قرآن میں بہت بار وارد ہوا ہے پھر اس سے کم اور قصے۔

(۲) باوجود اس تکرار اور بار بار آنے کے ہر قصہ اپنے اپنے موقع پر ایک نیا لطف دیتا ہے۔ اس خوبی سے اس قصہ کا دوبارہ اعادہ کیا ہے کہ گویا یہ قصہ پہلے مذکور ہی نہ ہوا تھا۔ اس کے سننے کو ابتدائی قصہ کی طرح کان مشتاق رہتے ہیں۔ یہ بات بھی قرآن کی فصاحت و بلاغت کے لیے بڑی برہان قوی ہے ورنہ کیسا ہی کوئی بلیغ کیوں نہ ہو اس کے کلام کو تکرار بے لطف کر ڈالتا ہے (کیوں نہ ہو قرآن معجزہ ہے یہ اسی کا کام ہے)۔

(۳) خدا پاک چونکہ بندوں کے محاورے میں کلام کرتا ہے تو اپنے کلام میں ضرور ان باتوں کی رعایت رکھتا ہے کہ جس کی بندے رکھتے ہیں۔ پس اس لیے کہیں لفظ لَعَلَّ بول جاتا ہے کہ جس کو بلفظ امر متضمن میں بولتے ہیں اور کہیں یَعْلَمَ اللّٰهُ فرما دیتا ہے کہ جس کو بلفظ اپنے محاورہ میں وہاں بولتے ہیں کہ جہاں ان کو پہلے سے علم نہیں ہوتا۔ اور کہیں بجگہ بلفظ شک کا کلمہ بولتے ہیں اس ہی کلمہ ارشاد فرماتا ہے جیسا یونس علیہ السلام کے قصہ میں مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ کہ وہ لوگ لاکھ کچھ تھے یا زیادہ خدا کو ان کی تعداد میں کوئی شک یا تردد تھا مگر ایسے موقع پر بلفظا یوں ہی بولتے ہیں۔ پس جو مفسر اس نکتہ سے واقف نہیں وہ تکلف کر کے تاویلات کی مشقت میں پڑتے ہیں اور ملحدین وغیرہ ناواقف لوگ تو اس کو قرآن پر اعتراض جتانے کا اچھا موقع جانتے ہیں۔

(۴) یہ کہ بعض موقعات خدا تعالیٰ مذہب انسان کی ایک جبلی عادت بیان کرتا ہے کہ انسان کی عادت یوں ہے کہ جب اس کے اوپر تنگی ہوتی تو خدا کو یاد کرتا اور اس سے بڑی گریہ وزاری کے ساتھ سوال کرتا ہے اور جب فراخی وقت اور حصول مراد کا وقت آتا ہے تو اپنی شیطانی حرکتوں کی طرف آ جاتا اور علت حقیقی کو چھوڑ کر اسباب ظاہری کی طرف یا اپنے خیالی معبودوں کی طرف اس نعمت کو منسوب کرتا ہے۔ چنانچہ سورۂ اعراف میں فرماتا ہے هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا الآیہ" کہ خدا نے ایک جان سے تم کو پیدا کیا اور زوجہ بھی اسی سے بنائی۔" اب آگے خدا تعالیٰ جنس زوج و زوجہ کا جبلی حال بیان فرماتا ہے کہ جب بیوی حاملہ ہوتی ہے تو دونوں میاں بیوی خدا سے دعا کرتے ہیں کہ اگر تو نے ہم کو اچھا بچہ عنایت کیا تو ہم تیری شکرگزاری کیا کریں گے۔ پس جب ان کی مراد کے موافق دیا تو غیروں کی طرف رجوع ہوئے اور شریک بنانے لگے بعض مفسرین جو اس نکتہ سے واقف نہیں انہوں نے بجائے جنس زوج اور زوجہ کے خاص حضرت آدم اور حواء کی طرف بقرینہ نفس واحدہ تفسیر پھیر دی اور پھر ان محدثین نے کہ جن کے اختیار میں اسناد ہے وہ اسناد کے تابع نہیں اس کی تائید میں عبدالحارث[1] اور شیطان کا ایک قصہ روایت کر دیا اور حضرت آدم علیہ السلام کی شان نبوت کی طرف کچھ خیال نہ کیا۔ مخالفین

[1] حضرت شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ محدثین نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے۔ اور تفسیر کشاف میں جو صاف ترجمہ ہے اس بات کی صاف تصریح ہے کہ آدم علیہ السلام اور حواء مراد نہیں بلکہ نوع انسانی۔ ۱۲ منہ

چنگل اور لوہے کی بڑی بڑی دیواریں یاجوج و ماجوج کے بند کرنے کو بنائیں اور محمد صاحب (ﷺ)[1] باوجودیکہ وہ بت پرست تھا اس کو نبی کہتے ہیں اور یہ کہ حضرت مسیح ؑ نے پنگھوڑے میں باتیں کیں اور لڑکپن میں اس سے معجزات ظاہر ہوئے اور مٹی کے جانور بنا کے اڑائے اور خضر اور موسیٰ ؑ کی ملاقات اور اصحاب کہف اور رقیم کا قصہ جو سورۂ کہف میں ہے۔ انتہیٰ ملخصاً۔

اقول جواب سے پیشتر دو بات عرض کئے دیتے ہیں تاکہ منصف مزاج عیسائی انصاف پر بس کریں۔

(۱) یہ کہ ان امور کو بے اصل اور جھوٹ کہنا جب بعقت رکھتا کہ اہل کتاب کے پاس کل کتابیں سماوی ہوتیں اور پھر تمام جہان کے واقعات اور سرگزشت ان میں موجود ہونے کا دعویٰ بھی ہوتا۔ پس جب ان میں یہ واقعات نہ ہوتے تو ان کو جھوٹ کہتے لیکن یہ دونوں باتیں اہل کتاب کے نزدیک بھی نہیں اول تو یوں نہیں کہ خود بائبل میں بلکہ موسیٰ ؑ کی تورات وغیرہ کتابوں میں ایسی کتابوں کے حوالے ہیں کہ جن کا مجموعہ چودہ کتابیں ہیں اور وہ کتب[2] مفقود ہیں اول جنگنامہ جس کا حوالہ سفر عدد کے ۲۱ باب میں ہے۔ دوم کتاب الیاشر کہ جس میں ایسا عجائب حوالہ[3] ہے کہ جس کو کوئی ذی عقل بھی نہیں مانتا کہ آفتاب ٹھہر رہا اور مہتاب ٹھہر گیا اور قریب دن بھر کے پچھم کی طرف مائل نہ ہوا انتہیٰ۔ سوم کتاب یاہو چہارم کتاب سمعیا کی پانچویں کتاب وغیرہ تک کہ ناتن کی اور دوسری بات کا تو کوئی صاحب عقل بھی اقرار نہیں کر سکتا اور کیونکر کر سکتا ہے حالانکہ ہندوچین بلکہ خاص انہیں ملکوں کے ہزارہا صحیح واقعات کتب سماویہ میں درج نہیں ہوئے۔

(۲) یہ کہ باستثنیٰ یہ باتیں ایسی ہیں کہ جن کو جمہور یہود اور متقدمین نصاریٰ سب تسلیم کرتے تھے۔

قطع نظر اور حوالوں کے ہم خاص پادری فنڈر ہی متعصب اور ناانصاف کے منہ سے اقرار کرا دیتے ہیں۔ پادری صاحب میزان الحق کے ۳ باب کے ۴ فصل میں لکھتے ہیں قولہ ’’پھر قرآن میں بہت حکایتیں ایسی مرقوم ہیں کہ جو کتب عہد عتیق و جدید سے لی گئی ہیں نیز ایسی اور حکایتیں بھی قرآن میں پائی جاتی ہیں کہ جو عہد عتیق و جدید سے اخذ کی گئی ہیں لیکن اتنا فرق ہے کہ یا تو قرآن میں کم و بیش بیان ہوئی ہیں یا کچھ تبدیل و تغیر سے لکھی گئی ہیں‘‘ الخ اور پچھلی باتوں کی نسبت لکھتے ہیں قولہ ’’یہ سب یہودیوں کی حدیثوں اور تواتر سے لیا گیا ہے چنانچہ اس زمانہ میں بھی اس قسم کی حدیثیں تالموت و گمرہ و مدراش و سیدرا نامی کتابوں اور یہود کی اور کتابوں میں بھی منضبط ہیں اسی طرح باقی حضرت مسیح کے معجزات طفولیت انجیل طفولیت میں مندرج ہیں۔ اور اصحاب کہف کا قصہ افرائم کی تصنیف میں اب تک پایا جاتا ہے‘‘[4] انتہیٰ ملخصاً۔

⁕ کہ اس نے مغرب میں وہ دلدل تھی کہ جس میں آفتاب غروب ہوتا تو دلدل میں معلوم ہوتا تھا جس طرح سمندر میں آفتاب پانی میں ڈوبتا معلوم ہوتا ہے حالانکہ پانی اور دلدل میں نہیں ڈوبتا اس کو ہر ذی عقل جانتا ہے۔ ۱۲ منہ

[1] حضرت محمد ﷺ نے مکہ والوں کو جو بت پرست تھا کبھی نبی نہیں کہا یہ محض الزام ہے۔ ۱۲ منہ

[2] بعض عیسائی یہ کہتے ہیں کہ یہ کتابیں الہامی نہ تھیں اس کا جواب یہ ہے کہ الہامی کتاب میں جو کوئی واقعہ غیر الہامی کتاب سے حوالہ دیا دیکھیں ہے اس بات پر کہ عیسائیوں کا الہام عام مورخین کی مانند ہے اور یہ کہ صاحب الہام کو ایسے واقعات کا علم محض تاریخی کتابوں سے ہے جو رطب و یابس سے خالی نہیں پھر اس الہام کو نبوت کا حصہ ٹھہرانا محض عبث ہے۔ ۱۲ منہ

[3] پروٹسٹنٹ عیسائی چونکہ نیچر پرست اور فلسفہ کے بہت پابند ہیں ایسی باتوں کو خصوصاً خلاف فطرت کے معجزہ کو محال کہا کرتے ہیں۔ اس لیے لامحالہ اس کو باطل کہا گیا اور اس کتاب میں مذکور ہونے سے انہی لوگوں کی طرف سے کہ ایک پرانے کرسچان نے اس کو محض جواب بنا کر مصنف عذاب پر اعتراض کر کے بڑی تاویلیں جتلائی ہے حالانکہ کتب نصاریٰ میں اس قسم کی گفتگو کثرت سے ہے۔ ابو الحسن حقانی

[4] ولیم میور صاحب نے اس قصہ کو بخوبی تسلیم کیا ہے۔ ۱۲ منہ

اب ہم ان اعتراضات اور ان کی دیگر اعتراضات کا دوسری طرح پر جواب دیتے ہیں کہ جس کا رد قیامت تک عیسائیوں سے نہ ہو سکے گا۔ ہمارا جواب ان اعتراضات کا دو چیز مشتمل ہیں:

(۱) یہ کہ یہ حکایات کتب مقدسہ کے برخلاف ہیں جو کلام الٰہی ہیں (۲) بعض ایسی حکایات بھی ہیں کہ جو کتب مقدسہ میں موجود نہیں گو کسی اور کتاب میں ان کی سند ہو۔ اول بات کی نسبت پادری صاحب کو واجب ہے کہ یہ چند امور براہین قاطعہ سے ثابت کریں: (۱) یہ کہ یہ کتب مقدسہ جو بالفعل اہل کتاب کے ہاتھ میں ہیں اور جن کی مخالفت سے قرآن پر الزام لگایا جاتا ہے کلام الٰہی بھی ہیں کیونکہ محض توریت و انجیل و زبور ان کے نام مقرر کرنے سے یہ کلام الٰہی نہیں ہو سکتیں۔ کیا لوہے کا نام چاندی رکھنے سے چاندی ہو جائے گا؟ پس اول مرتبہ یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ جس توریت و انجیل و زبور کا قرآن میں ذکر ہے وہ یہی کتابیں ہیں اور اس امر کے ثبوت میں یہ کہنا کافی نہ ہوگا کہ اگر یہ وہی کتابیں نہیں تو اصلی کتابیں تم لا کر دکھاؤ۔ کیونکہ جب ان اصلی کتابوں کا باقرار علماء یہود و نصاریٰ صفحۂ عالم پر وجود ہی نہیں تو کوئی کہاں سے لا کر دکھائے؟

(۲) یہ کہ یہ کتابیں بلا شبہات ویسی ہی ہیں کہ جس طرح ان کو ان کے مؤلفین نے تصنیف کیا لیکن اس کا ثبوت محالات سے ہے کیونکہ باقرار علماء اہل کتاب باب کے باب اور بہت سی آیات ان میں لوگوں نے داخل کر دیے ہیں۔ چنانچہ پادری فنڈر اختتام مباحثہ دینی مطبوعہ اکبرآباد صفحہ ۵۳ خود مقر ہیں کہ تخمیناً ڈیڑھ لاکھ جگہ ان کتابوں میں غلطیاں واقع ہوئی جن کو وریس یوں ریڈنگ کہتے ہیں اور زیادہ تفصیل اس کی آگے آتی ہے۔ اگر ان اختلافات کی وجہ سے قرآن غلط ہے تو پھر ہم کیوں ان کتابوں میں جو فحش اختلاف اور صریح غلطیاں ہیں ان سے ان کتابوں کو بھی غیر الہامی کہیں۔ شاہد اول ورس ۲ باب ۲۲ کتاب ۲ اخبار الایام میں عبری ترجمہ کے موافق یہ لکھا ہے کہ اخزیاہ بیالیس برس کی عمر میں بادشاہ ہوا حالانکہ یہ صریح غلط ہے کیونکہ جس سال یہ بادشاہ ہوا اور اس کا باپ یہورام مرا تو اس کی چالیس برس کی عمر تھی۔ چنانچہ اسی کتاب کے باب ۲۱ مطبوعہ ۱۸۴۴ء میں ہے کہ یہورام بتیس برس کی عمر میں بادشاہ ہوا اور آٹھ برس تک بادشاہت کرتا رہا۔ پس اخزیاہ کی تخت نشینی کے وقت بیالیس برس کی عمر تھی اور اس کے باپ یہورام کی چالیس برس کی۔ اس کا بیٹا دو برس باپ سے بڑا تھا اس سے زیادہ بھی کوئی غلطی ہوگی؟ مگر پھر اس کو کتاب الٰہی کہتے ہیں۔

(۳) کتاب اول سموئیل ۶ باب آیت ۱۹ میں ہے کہ اس نے پچاس ہزار اور ستر مارے اور عربی اور سریانی نسخہ میں بقول پادری صاحب مفسر پانچ ہزار ستر لکھتے ہیں اور یوسیفس مؤرخ جو عیسائیوں کے نزدیک بڑا محقق ہے کل ستر آدمی ہی بتاتا ہے۔ اس اختلاف کا کیا ٹھکانا ہے؟

(۴) کتاب التاریخ ۲ باب ۱۶ میں ہے کہ آسا کی سلطنت کے چھتیسویں برس بعشا یہود پر چڑھا اور اول سلاطین ۱۵ باب میں ہے کہ آسا کی سلطنت کے تیسرے سال بعشا تخت نشین ہوا اور ۲۴ برس سلطنت کی۔ ان میں ایک ضرور غلط ہے اور اس طرح کی صدہا غلطیاں ہیں کہ جن کو مفسرین اہل کتاب بھی تسلیم کرتے ہیں۔ پس ایسی غلط کتابوں کے اعتماد پر قرآنی واقعات کو جھوٹ کہنا بڑی سینہ زوری ہے۔ کیا ان کے اغلاط کے لیے قرآن اصلاح کنندہ نہیں ہو سکتا؟[ل]

ل چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے یَقُصُّ عَلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَکْثَرَ الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ۱۲

ہے" ابن ماجہ اور بیہقی کی تخلیہ میں ؟ آنریبل سید احمد خان صاحب نے ان نصوص قرآنیہ کا انکار تاویل کے پیرایہ میں کیا ہے۔ ان سب لغو اور بیہودہ اعتراضات کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں ان معترضوں کو لازم ہے کہ اس مقام کو غور کر کے سمجھیں اور جنت کی حقیقت پر مطلع ہو ویں پھر اعتراض کریں ورنہ آخرت میں مخبر صادق ﷺ کے فرمانے کے بموجب جب یہ چیزیں مومنوں کو ملیں گی اور وہ عذابات پادریوں اور منکروں ملاؤں کو نصیب ہوں گے اس خبر کی خود تصدیق ہو جائے گی ذرا صبر کریں۔ اور وہ دلیل عقلی و نقلی جو پادری صاحب نے ذکر فرمائی ہم تو آج مشتاق اس کے سننے کے رہے مگر کسی پادری نے ان کیفیات کے محال ہونے پر کوئی دلیل نہ بیان کی اور کیا خاک کریں محض زبانی جمع خرچ ہے اور بس۔

(پنجم) علم الاحکام: یعنی بندوں کے لیے دین و دنیا میں جو جو امور ضروریہ اور نافع ہیں ان کو فرض، واجب، مستحب بنایا اور جو چیزیں مضر ہیں ان کو ان کے ضرر کے لحاظ سے حرام، مکروہ تحریمی، تنزیہی قرار دیا۔ کیونکہ جو چیز اشد ضروری ہے وہ فرض ہے اور جو اس سے کم تو واجب پھر اس سے کم تو وہ مکروہ تنزیہی ہے اور جو مساوی الطرفین ہے کہ نہ مضر نہ ضروری اس کو مباح کہا۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ خدا تعالیٰ بے فائدہ اور عبث کسی چیز کا حکم نہیں دیتا بلکہ جس طرح طبیب محض مریض کے نفع و ضرر پر لحاظ کر کے دوا و غذا کا حکم دیتا ہے اسی طرح نبی جو طبیب روحانی ہے حکم دیتا ہے۔ قال تعالیٰ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ الآیۃ پس ان مجموعہ احکام کا نام شریعت ہے کہ جس کو پادری لوگ شریعت اخلاقی اور احکام باطنی اور اصلی شریعت کہتے ہیں پھر ان احکام کی دو قسم ہیں ایک نظری کہ جن میں ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء کے فعل کی حاجت نہیں بلکہ دل سے متعلق ہیں جیسا کہ خدا تعالیٰ کو وحدہ لاشریک جاننا اور جسمانیت اور جمیع عیوب سے اس کو پاک سمجھنا وغیرہ ذلک کہ جن کی تفصیل علم عقائد میں ہے۔ یہ احکام لوگوں اور زمانے کے بدلنے سے نہیں بدلتے اور اسی لیے یہ منسوخ بھی نہیں ہو سکتے۔

دوم عملی کہ جن میں اعضاء کو دخل ہے پھر ان احکام عملیہ کی بھی دو قسم ہیں:

نماز: اول وہ احکام کہ جو خدا تعالیٰ کے ساتھ بالخصوص متعلق ہیں جیسا کہ اس کی عبادت کرنا اور علاوہ روح کے اپنے تمام اعضاء سے اس کی شکر گزاری کرنا جس کو عرف شرع میں نماز کہتے ہیں۔ اس قدر تو سب کے نزدیک اصل ہے باقی اب نماز کے طریقے (کہ کسی وقت محض سجدہ تھا اور کبھی قیام اور کبھی فقط زبان سے اس کی ستائش کا راگ گانا) مختلف ہیں اس اخیر نبی کے عہد میں نماز کے اندر وہ سب باتیں جمع کر دی گئیں اور روح اور جسم دونوں کو شامل کر لیا گیا پھر اس نماز کے لیے طہارت بدن و جائے و جامہ شرط قرار دی گئی کیونکہ جب حقاً و عقلاً بغیر طہارت کے روح پر کثافت ہوتی ہے اور آپس میں بھی امراء و شاہوں کے دربار میں ہاتھ پاؤں دھو کر نجاست و میل کچیل سے صاف ہو کر جاتے ہیں۔ پس شاہنشاہ حقیقی کے روبرو خراب حالت بنا کر جانا اور دل کو مکدر اور بوجھل کر کے اس کی طرف لگانا شوخی اور ناز بیجا ہے اس کی قرآن میں جا بجا تاکید ہے اور لفظ واقیموا الصلوٰۃ سے اس کو تعبیر کیا ہے مگر اس کی تمام ہیئت پیغمبر ﷺ نے ادا کر کے اور زبان سے کہہ کے تعلیم فرما دی ہے اور اسی لیے اس کو اسلام کا رکن قرار دیا ہے۔

روزہ: اور جیسا کہ اپنے نفس کو اس کے لیے تمام خواہشوں اور کھانے پینے جماع کرنے سے روکنا اور قوت بہیمیہ کو مغلوب کر

کے روح کو اس کے اذکار سے منور اور تازہ کرنا جس کو روزہ کہتے ہیں یہ بھی تمام شریعتوں میں تھا مگر اس کے آداب اور طریقے اور حدود پیغمبر علیہ السلام نے بہ نہایت تعلیم فرمائے اور قرآن میں كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ کے لفظ سے تاکید کی اس لیے یہ دوسرا رکن اسلام کا قرار پایا۔

زکوٰۃ: اور جیسا کہ اپنے مال میں سے ایک حصہ معین خدا کے نام پر تصدق کرنا اور اس محبوب عالم کی محبت کو دل میں جگہ دینا اور روپیہ اور مال کو کہ جس کی طرف انسان کی اکثر طبیعت مائل رہتی ہے اس کے بے ہاتھ سے چھوڑنا۔ پھر اس سے تب کے بیکسوں اور یتیموں کی مدد کرنا اس کو زکوٰۃ کہتے ہیں۔ یہ بھی پہلے تھی مگر اس کے حدود و آداب و تقرر نصاب و تعیین مصارف اسلام نے نہایت مناسب طور پر قرار دیے اور قرآن میں مطلقاً بلفظ آتُوا الزَّكٰوةَ سے اس کا مطالبہ کیا ہے۔ اس لیے یہ تیسرا رکن قرار پایا۔

حج: اور جیسا کہ کسی موضع متبرک میں (کہ جہاں اس کے بڑے بڑے محبوب دوستوں نے خدا سے کلام کیا اور اپنی تجلی سے ان کو مشرف کیا ہو اور جس کو بیسیوں اعتبارات سے تمام زمین پر شرف ہو) جانا اور عاشقانہ وضع بنا کے اس پر تصدق ہونا اور دعا و مناجات کرنا جس کو حج کہتے ہیں یہ بھی پہلے سے چلا آتا ہے مگر اسلام نے اس کے بھی آداب و طریقے الہامی طور پر محدود قائم کئے اور جو خرابیاں پیش آگئی تھیں ان کو دور کر کے خاص ابراہیمی طرز کو برقرار رکھا۔ اس کے فوائد و اسرار بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں آگے بیان کریں گے۔ چونکہ یہ بھی ایک روح کو تازہ کرنے والی عبادت ہے اس لیے اس کو بھی قرآن میں وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ کے لفظ سے طلب کیا۔ اس لیے یہ بھی چوتھا رکن اسلام کا قرار پایا۔

زبان سے کلمہ کہنا: اور جیسا کہ اس کی توحید اور اس کے رسول کے برحق ہونے کا لوگوں میں زبان سے اقرار کرنا کہ دل سے تو جاننا تو ہر وقت ہی فرض ہے مگر احکام ظاہریہ کے لیے ایک بار عمر بھر میں بھی اقرار کرے جس کو ادائے شہادت کہتے ہیں اس کو بھی قرآن میں جابجا بیان فرمایا اس لیے یہ پانچواں رکن اسلام کا قرار پایا۔

جہاد: چونکہ خدا تعالیٰ کو اپنے بندوں کے حال پر بڑی مہربانی ہے وہ خود اور اس کی توحید تمام عالم پر آشکارا ہے اس لیے جب بندے کو مجبوری ہو جیسا اس کی زبان از خود بند ہو یا کوئی ظالم بزور بند کرے تب اس کے ذمہ پر یہ ادائے شہادت فرض نہیں۔ ہاں اگر اس مصیبت پر بھی ادا کرے گا تو شہید ہوگا اجر پائے گا۔ پادری بالخصوص صفدر علی خلوت تعصب میں بالکل غرق ہیں ان کو یہ امر معلوم نہیں اس لیے نیاز نامہ کے صفحہ ۳۳ میں غضب ہوتے ہیں کہ اسلام نے جھوٹ بولنے کی اجازت دی۔ جھوٹ پر پادریوں کے مذہب کی بنا ہے جیسا کہ پولوس مقدس فرماتے ہیں اس لیے ان کو ہر جگہ جھوٹ ہی نظر آتا ہے۔ ان سب امور کے انتظام اور قیام کے لیے ایک حکم جہاد کا بھی تھا۔ جس طرح ہر گورنمنٹ اپنے احکام و قوانین کو اپنی سطوت اور زور سے نافذ کرتی ہے خواہ چور مانے یا نہ مانے مگر سلطنت ضرور اس کو زبردستی سے قید کرتی ہے۔ بھی بغاوت و کسی اور کو حکم نہ کرے اگر گورنمنٹ ایسا نہ کرے تو اس کا قصور ہے۔ پس اس حکم کو سوائے جاہل اور کم اندیش کے کوئی شخص گورنمنٹ کا ظلم نہیں کہہ سکتا۔

اسی طرح خدا تعالیٰ کو یہ منظور ہوا کہ سب سے پچھلے رسول کو بھیجے اور علاوہ معجزات و آیات بینات اس کو اپنا وہ کہ اس کو دنیا میں اپنا نائب بنائے اور اپنے احکام حیات بخش کی کہ جن سے خاص بندوں ہی کا نفع اور بھلائی ہے اس رسول کی معرفت بزور تعمیل کرانے اور سر اس کا یہ ہے کہ اس نبی آخر الزمان کا وجود تمام عالم پر خدا کی رحمت ہے۔ کیا مقتضائے رحمت یہ ہوا کہ

اخیر زمانہ میں کہ جب قوت بہیمیہ[1] اور شیطان کا غلبہ زیادہ ہو ماں باپ مہربان یا طبیب شفیق جس طرح اپنے بچہ کو زبردستی دوا پلاتے اور مہلک کرمضر چیزوں سے روکتے ہیں اسی طرح ان احکام پر ان کو چلائے ایسا نہ ہو کہ گناہ میں پڑ کر ہلاک ہوں۔ اور سب سے زیادہ یہ کہ خدا کے ساتھ جس قدر لوگ گستاخی کرتے ہیں شرک کرتے ہیں پتھروں کو پوجتے ہیں ان چیزوں کو مٹا کر دنیا کو پاک و صاف کر دے۔ مظلوم کی اعانت کرے ظالم کے شر کو دفع کرے اعلانیہ فحش سے باز آئے چوری اور حرامکاری اور رہزنی کو روکے اور دنیا میں عدالت قائم کرے۔ سو اس بات کو خدا نے جس کا ۴۵ زبور[2] میں وعدہ کیا تھا پورا کر دیا کہ جزیرۂ عرب میں ایک شخص یتیم و بیکس کو کہ جس کے پاس نہ فوج نہ ملک نہ مال و زر تھا پیدا کیا اور روم و ایران وغیرہ اس وقت کی بڑی سلطنتوں کو اس کے پیرووں کے ہاتھ میں دے دیا اور اس نے اور پھر اس کے جانشینوں نے اس حکم کی نہایت عمدہ طور پر تعمیل کی۔ اور اس کا نام جہاد ہے سو اس کا بھی قرآن کی چند سورتوں میں ذکر ہے اور مختلف الفاظ سے اس کو طلب کیا ہے جیسا جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ فرمایا کہیں كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وغیرہا ان آیات مگر باوجود اس کے اسلام قبول کرنے پر کسی کو مجبور نہیں کیا اور لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فرمایا فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ سنا دیا۔

اور یہ جہاد بھی حضرت موسیٰ اور انبیاء بنی اسرائیل ﷺ میں جاری تھا۔ چنانچہ کتاب یشوع وغیرہ میں بھی حضرت موسیٰ اور یشوع وغیرہ انبیاء کا جہاد مذکور ہے اور بزور احکام پر چلنے کی بھی تورات میں صراحت ہے۔ چنانچہ سفر خروج ۲۲ باب میں یہ حکم ہے۔ "تو جادوگرنی کو جینے مت دے جو کوئی چارپائے سے مباشرت کرے مار ڈالا جائے جو کوئی فقط خداوند کے سوائے کسی معبود کے لیے قربانی کرے وہ عذاب سے مار ڈالا جائے" ۲۱ باب میں ہے۔ "اور وہ جو اپنے باپ یا ماں پر لعنت کرے البتہ مار ڈالا جائے۔" پھر سفر احبار کے ۲۰ باب میں زانی کے قتل کا حکم ہے۔ اور لونڈے باز اور چارپائے سے جماع کرنے والے کو قتل کا حکم دیا ہے۔

اب منصف با انصاف پادریوں نے جو شریعت موسوی[3] کے دشمن ہیں آنحضرت ﷺ کے جہاد پر طعن کیا ہے ان کو لازم

[1] جو ہے کہ تمام قوم میں جس قدر شرف اور علو اور قدرت ملک دیا گیا تھا ان کی اولاد میں جس قدر انفصال ہوتا گیا کم ہوتا گیا کیونکہ جس قدر مبدء سے بعد ہوتا جاتا ہے قوت کمزور ہوتی چلی جاتی ہے۔ ۱۲ منہ

[2] اس زبور میں آنحضرت کی نسبت یہ الفاظ ہیں۔ "اے پہلوان تو جاہ و جلال سے اپنی تلوار حمائل کر کے اپنی ران پر لٹکا امانت اور حلم اور عدالت پر اپنی بزرگواری و اقبالمندی سے سوار ہو کر آگے بڑھ تیرا داہنا ہاتھ تجھے ہیبت ناک کام دکھائے گا۔" ۱۲ منہ

[3] بیان جہاد کے سلسلہ میں پادری صفدر علی کہتے ہیں کہ موسیٰ اور یشوع کے لڑائی کرنے سے جہاد پر قیاس نہ کریں کیونکہ کتاب مقدس میں کسی جگہ موسیٰ اور یشوع کو یہ حکم نہیں دیا گیا کہ تم کفار سے بزور ایمان کرواؤ اگر نہ مانیں تو قتل کرو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر موسیٰ اور یشوع کا کنعانیوں وغیرہ کو قتل کرنا خدا کے حکم سے دنیا جہان کے لیے نہ تھا تو معاذ اللہ خدا کی عدالت اور موسیٰ کی رسالت پر بھی ایک ظلم تھا جو بلا سبب خدا کو بے گناہ کے ساتھ قتل کیا۔ حقانی

[4] روم کے مقابلہ پر بھی اسلام پادریوں نے گھبرا کے نہیں کہ یہ ملک خلفاء نے جبر سے فتح کیا تھا کہ صحابہ نے۔ اول روم سے ... صحابہ نے فتح کر لی تھی۔ اور روم خود صحابہ کا طرف روم سے جنگ کرنا ... وغیرہ نے لکھا ہے مگر ان پادریوں کے جہد نے تو تعصب کو ظاہر کیا ہے۔

ہے کہ پہلے توراۃ اور موسیٰ پر طعن کریں ورنہ وہ کیا بات نئی ہے جو حضرت ﷺ نے خلاف عقل ونقل جاری فرمائی۔

قسم دوم وہ احکام جو بندوں کے ساتھ متعلق ہیں پھر ان کی تین قسم ہیں کیونکہ اگر خاص ایک ہی شخص کے حالات اور معاملات کی درستی سے متعلق ہیں تو ان کو تہذیب الاخلاق کہتے ہیں جیسا کہ چوری نہ کرنا' جھوٹ نہ بولنا' تکبر نہ کرنا' حسد' بغض و کینہ و حرص نہ کرنا' فروتنی سے پیش آنا' لوگوں کے ظلم کی برداشت کرنا' توکل اور قناعت سے دنیا میں رہنا' عدل و انصاف کو اپنا شیوہ بنانا وغیر ذلک۔ ان امور کو بھی قرآن نے کس کس خوبی سے بیان کیا ہے کہ طاقت بشریہ سے باہر ہے۔ پھر ان سب باتوں کو ایک آیت میں جمع کر دیا کہ جس کا نتیجہ کتنا ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا الآیہ۔

اور اگر ایک گھر کی معاشرت اور انتظام سے علاقہ رکھتے ہیں تو ان کو تدبیر المنزل کہتے ہیں کہ باپ بیٹے سے کس طرح پیش آئے اور جورو خصم باہم کس کس طرح سے گزران کریں اور نکاح' بیع وشراء' قرض و امانت میں کس طرح سے برتاؤ کریں؟ ان امور کو بھی قرآن نے بہت سی سورتوں میں مختلف عنوان سے بیان کیا ہے۔ والدین کی نسبت فرمایا۔
وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا اور فرمایا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا وغیرہا من الآیات۔

اور اگر شہر اور ملک کے متعلق ہیں تو ان کو سیاست ملک کہتے ہیں یعنی چور اور قزاق اور امن عام میں خلل انداز کے ساتھ کیا کرنا چاہیے۔ زانی اور غاصب کے ساتھ یوں کرنا چاہیے' اپنے سردار اور بادشاہ کی اس طرح سے اطاعت کرنی چاہیے۔ اس امر میں بھی قرآن میں بہت کچھ مذکور ہے فرمایا: وَاُولُوا الْاَمْرِ مِنْكُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ بس حکمت عملی و تہذیب نفس بتمام و کمال قرآن میں مذکور ہے۔ طہارت ظاہریہ و باطنیہ' حدود و قصاص' میراث' طلاق کی بابت کوئی بات قرآن نے نہیں چھوڑی اور اسی طرح جو چیزیں ناپاک اور مخرب طبع تھیں ان کی حرمت اور پاک اور ستھری چیزوں کی حلت بھی بیان کر دی۔

پادریوں نے پولوس کے بہکانے سے حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کی تمام شریعت کو چھوڑ دیا اور بات یہ بنائی کہ تمام انبیاء سابقین ناقص اور ان کی شریعتیں غیر کامل تھیں۔ مسیح علیہ السلام نے آ کر سب کی تکمیل کر دی۔ قربانی کی جگہ خود کفارہ ہو گئے۔ اسی طرح جانوروں کی حلت و حرمت بھی ایک بے فائدہ چیز تھی۔ پھر فنڈر صاحب اور صفدر علی وغیرہما نے ایک اور حیلہ کیا کہ "شریعت کی دو قسم ہیں ایک اخلاقی دوسری رسمی۔ پس مسیح نے رسمی کا جھگڑا یعنی کامل کیا ہے نہ اخلاقی کو۔ اور قرآن میں سراسر شریعت رسمی ہی بھری پڑی ہے۔ اور قرآن میں یہ نقص ہے کہ وہ شریعت اخلاقی کو جو لب دین ہے منسوخ بتلاتا ہے۔" الخ

چنانچہ پادری صفدر علی نیاز نامہ کے صفحہ ۲۰ سے لے کر ۳۰ تک اس امر میں بڑی قابلیت جتلا رہے اور قرآن پر منہ آ رہے ہیں لیکن پادریوں کا اس بارے میں ایسا غلط بند ہے کہ اگرچہ بہت ہی کچھ کرتے ہیں مگر کوئی بات نہیں بن آتی کیونکہ یہاں چند امر ہیں:

(۱) "تو بقول حضرت مسیح آسمان و زمین ٹل جائیں گے مگر یہ باتیں نہ ٹلیں گی۔" (مرقس باب ۱۳) پھر انجیل متی میں پانچویں باب کی ۱۷ آیت ہے۔ "یہ خیال مت کرو کہ میں توراۃ یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنے آیا ہوں کیونکہ میں تم سے سچ

کہتا ہوں کہ جب تک آسمان و زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا شوشہ توریت کا ہرگز نہ مٹے گا۔" اخلاقی اور رسمی کی اس میں کوئی تمیز نہیں۔ پس جب رسمی کو بھی نہ مانا تو شوشہ کیا بلکہ ورق کے ورق اور باب کے باب ٹل گئے۔

(۲) نیاز نامہ کے صفحہ ۲۰ میں اول یہ اقرار کرنا کہ وہ قدوس سبحان الٰہی اس ذاتی پاک زین کی خوبی کے اقتضاء سے اپنی تمیز وار مخلوق کو ان اعمال و افعال کے کرنے کا حکم دیتا ہے کہ جو بذاتہ نیک ہیں اور ان سے منع کرتا ہے جو بذاتہ بد ہیں (الخ) پھر رسمی شریعت بنانے کے لیے یہ کہنا اب باقی رہے وہ افعال جو از خود نہ برے ہیں نہ بھلے اجتماع النقیضین ہے کہ جس کا کوئی عاقل قائل نہیں۔ اس کے بعد یہ نتیجہ نکالنا قول صفحہ ۲۳ "لہٰذا جو کچھ خدا نے بنایا ہے اور پیدا کیا ہے وہ بذاتہ ناپاک نہیں ہو سکتا ہے۔ ہر چہ از غیب ست بے عیب است۔" عیسائیوں کے لیے گوہ موت اور تمام نجاسات کو پاک قرار دیتا ہے۔

دوم توریت سفر احبار اا باب کے مخالف ہے کیونکہ اس میں بہت سی چیزوں کو ناپاک لکھا ہے اور یہ بھی درست ہے کہ یہ چیزیں از خود ناپاک نہیں احکام الٰہی سے ہیں۔ مگر باوجودیکہ ان کی ناپاکی حکم الٰہی سے بیان ہو چکی پھر ان کو شریعت رسمی کہہ کے پاک کرنا توریت کا منسوخ کرنا اور آسمانی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلانا ہے۔ (متی ۵ باب ۱)

(۳) اس رسمی کے علاوہ اخلاقی شریعت کو بھی تو منسوخ کر ڈالا اور اس کے بدلی ہونے کا کچھ خیال نہ کیا کیونکہ حسب بیان مصنف نیاز نامہ صفحہ ۲۰ "رسمی شریعت کو رسومات اور مشروبات میں منحصر کیا ہے" اور موسیٰ کے احکام عشرہ کو تو اخلاقی شریعت قرار دیا ہے حالانکہ ان میں سے کسی کی پابندی بھی نصاریٰ کے نزدیک فرض نہیں۔ پھر اب وہ کون سی بات شریعت کی باقی رہ گئی ہے جس کو اخلاقی اور باطنی کہہ کر پادری صاحب پابند شرع کہلائیں گے؟ کیونکہ اناجیل مروجہ میں تو پولوس نے صاف یہ کہہ دیا کہ پرانا حکم اس لیے کمزور اور بے فائدہ تھا اٹھ گیا (عبرانیوں کا ۷ باب ۱۸ آیت) اور اس پر طرہ یہ کہ بلا لحاظ اخلاقی و رسمی شریعت پر عمل کرنے سے منع کر دیا اور جوش میں آ کر یہ الفاظ بھی بول دیا پھر اب کس منہ سے صفدر علی قرآن پر معترض ہے کہ اس نے نسخ احکام کا دعویٰ کیوں کیا؟ مگر شاید پادری صاحب نسخ کی جگہ لفظ تکمیل بول کر خلاصی چاہتے ہیں سو یہ ناممکن ہے لفظ بدلنے سے کام نہیں چلتا۔

(۴) قرآن کے جملہ احکام کو رسمی شریعت کہنا یا تو اس وجہ سے ہے کہ پادری صاحب کو علم نہیں کاش! ہماری کتاب ہی دیکھ لیتے یا محض تجاہل عارفانہ اور تعصب جاہلانہ ہے ورنہ جس قدر احکام کہ ہم نے نمونے حسب قرار داد صفدر علی سب اخلاقی ہیں۔ اے عیسائیو! تعصب دور کرو اور راہ حق پر آ جاؤ ابدی جہنم سے بچو۔

واضح ہو کہ ان احکام کے جاری کرنے میں خدا تعالیٰ نے فطرت کا لحاظ رکھا ہے۔ پس جو جو رسمیں لوگوں میں فطرت اور طریقہ نبوت کے موافق تھیں ان کو قائم رکھا۔ ان کی فضیلت بیان کر دی اور جہاں کہیں کچھ کمی زیادتی تھی اس کو تغیر کر کے اصلی حالت پر کر دیا اور جو احکام بالکل خلاف فطرت تھے ان کو مٹا دیا۔ اور آپ بخوبی یہ تو جان چکے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام محض اسی لیے دنیا میں بھیجے جایا کرتے ہیں کہ وہ ان امور خلاف فطرت کو کہ جو لوگوں میں رواج پا گئے ہوں مٹا دیں اور فطرت خوابیدہ کو جگائیں اور چونکہ فطرت سب انسانوں کی ایک ہے اس لیے تمام انبیاء کے اصول شریعت بھی ایک ہیں۔

۱ پادری صاحب کا یہ اعتراض (کہ آنحضرت ﷺ نے یہود کے احکام توریت سے لے کر اور مجوس کے احکام سے اور قدیم عرب کے طور و عادات ←

کمامر۔ ہاں بلحاظ زمان و اشخاص بعض امور جزئیہ کو انبیاء علیہم السلام ضرور بدلتے ہیں اور یہ بھی یاد رہے کہ خدا تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ عرب کی اصلاح آنحضرت ﷺ سے کرے اور پھر تمام عالم کی اصلاح عرب سے کرے۔ پس اس لیے ضرور ہوا کہ آپ کی بعض شریعت کا مادہ رسوم و عادات عرب پر مشتمل ہو جس قدر غور سے آپ حضرت کی شریعت اور عادات عرب کو دیکھیں گے تو ہر ہر حکم کے لیے ایک منشاء اور مصلحت ضرور پائیں گے کہ جس پر حکم کا مدار ہے۔ یہ بحث اصول فقہ میں خوب کی گئی ہے لیکن ان علل پر احکام کا بنا کرنا کہ جس کو قیاس کہتے ہیں مجتہد کا حصہ ہے۔ اور ان احکام کے بیان کرنے میں بھی وہی دستور عرب مدنظر رکھا کہ مختلف سورتوں میں اجمال و تفصیل سے احکام کو بیان کیا چنانچہ صوم کو سورۂ بقرہ میں اور حج کو بقرہ اور سورۂ حج میں جہاد کو سورۂ بقرہ اور انفال اور دیگر مواضع میں اور حدود کو سورۂ مائدہ اور سورۂ نور میں۔ اور میراث اور نکاح اور طلاق کو سورۂ بقرہ اور سورۂ نساء میں اور طلاق وغیرہ میں ذکر کیا اور امتوں کے مؤلفین کی طرز کو اختیار نہ کیا کہ باب یا فصل مقرر کر کے علی الترتیب احکام بیان کرتا اور احکام میں حدود جامعہ و مانعہ ذکر کرتا بلکہ ان باتوں کو اہل زبان کے عرف پر چھوڑ دیا۔ مثلاً یہ کہہ دیا کہ چور کے ہاتھ کاٹے جائیں، زانی پر درے مارے جائیں اور مسافر نماز میں قصر کرے لیکن چور کی تعریف جامع مانع اور زنا کی تعریف اور سفر کی تعریف نہ بیان کی بلکہ ان سے وہی معنی مراد رکھے کہ جن کو اس وقت کے عرب العرباء سمجھتے تھے گو بعد میں فقہاء نے تتبع کر کے ان امور کے حدود بیان کیے ہیں۔

فصاحت قرآن: علاوہ ازیں ان علوم خمسہ کے اور بھی بیشمار علوم قرآن میں ہیں کہ جن کی طرف اجمالاً اشارہ کیا گیا ہے۔ واضح ہو کہ قرآن مجید عرب کی نہایت فصیح و بلیغ زبان میں نازل ہوا ہے کہ جس کی مثل بنانا طاقت بشریہ سے باہر ہے۔ اس وقت کے تمام عرب العرباء اس کی بلاغت و فصاحت کے آگے عاجز آ گئے تھے مقابلہ حروف سے مقاتلہ سیوف ان کے نزدیک آسان تھا حالانکہ وہ لوگ ارباب فصاحت و بلاغت میں آنحضرت ﷺ سے کسی طرح کم نہ تھے کیونکہ جہاں کے آپ رہنے والے تھے وہیں کے وہ بھی پھر ایک نہیں بلکہ جمع ہو کر بھی اس کا مثل نہ بنا سکے اور ایک سورت کا دسواں حصہ بھی نہ لا سکے۔ باوجودیکہ ان کو بار بار کہا جاتا تھا کہ ﴿فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾ اس امر میں سب کا اتفاق ہے کہ قرآن مجید معجزہ ہے اور کیونکر اتفاق نہ ہو حالانکہ اعجاز قرآن پر دلائل واضحہ و براہین قاطعہ قائم ہیں۔ منجملہ دلائل کے:

اول دلیل: دلیل یہ ہے کہ قرآن میں حکمت عملیہ و حکمت نظریہ کو ایسا اس خوبی سے بیان کیا ہے کہ جس کو ایک بڑے سے بڑا حکیم یا فلاسفر اور ایک زمانہ جاننے والا منطقی کہ جس کو علم حکمیہ سے ذرا بھی مس نہ ہو برابر سمجھتے ہیں۔ اول تو ایسے علوم کا ایک کتاب میں جمع کرنا کہ جس کا مثل آج تک کسی کتاب میں نہیں پایا جاتا۔

● [illegible] سے لے کر مرتب کیا ہے۔ جو باتیں سمجھ میں آئیں اور عقل نے قبول کیں ان کو لے لیا اور باقی کو چھوڑ دیا جیسا کہ میزان الحق وغیرہ کتب میں مذکور ہے۔ [illegible] کی جہالت پر دلیل قوی ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو آپ کے [illegible] موافق حضرت عیسیٰ کے ہیں تو ان کا کوئی [illegible] کسی کتاب میں [illegible] ان کو آپ نے قائم رکھا۔ اور جب یہود و مجوس اور عرب کا ایک ہی خدا ہے اور آپ کی نصرت سے [illegible] ان کی مخالفت کرنا [illegible] کے ہاتھ سے [illegible] آپ تورات وغیرہ کے موافق [illegible] اگر مخالف ہوتے تو یہ کہہ دیتے [illegible] جن کو انہی کی عقل سلیم نے قبول کر لیا۔ منہ

دوم ایسے شخص کا جمع کرنا کہ جو ایسے وحشی ملک کا رہنے والا ہو کہ جہاں سوائے کشت و خون اور چوری و زنا و بت پرستی کے نہ کسی علم کا گزر ہو نہ کسی ہنر کا اور نہ اس نے کسی کی تعلیم پائی ہو نہ اچھی طرح ماں باپ کی تربیت نصیب ہوئی ہو یا جو ایسی کہ وہ شخص نہ علوم و فنون و شعر و شاعری کا مشتاق ہو نہ کبھی کسی نے ان میں مصروف دیکھا ہو بلکہ ہر وقت عبادت الٰہی میں مستغرق رہتا ہو اور علاوہ اس کے صدہا نہیں بلکہ ہزارہا دنیاوی مصائب اور فکر ایسی باتیں اس کو ہر دم پیش آتی ہوں۔

سوم پھر اس خوبی اور اس اسلوب سے جمع کرنا کہ جس کو تمام فنون نہایت عمدہ طور پر قبول کرتے ہوں۔ مضامین درد انگیز اور شیریں عبارت پر ہر وحشی بھی دیوانہ اور شمع کا پروانہ ہو۔ البتہ مردہ کو زندہ کرنے سے بڑھ کر ہے بلکہ ہزار درجہ بڑھ کر ہے کیونکہ مردہ کو زندہ کرنے میں تو ضعف بدنی اور شعبدہ بازی و کسی فریب یا اثر دوا یا سکتہ وغیرہ امراض کا بھی احتمال ہو سکتا ہے اور یہاں تو ان احتمالات کو دخل بھی نہیں۔ پس معجزہ ہونا بخوبی ثابت ہوا کیونکہ معجزہ اس امر خارق عادت کو کہتے ہیں کہ جو مدعی نبوت سے ظاہر ہو اور جس کا مثل مقابل نہ لا سکے۔ سو یہ سب باتیں قرآن پر بدرجۂ اتم صادق آتی ہیں۔ کما لا یخفی

دوسری دلیل: قرآن باعتبار خوبی مضامین و عبارت کے یا تو انسانوں کے کلام سے اس قدر زائد ہے کہ عادتاً اس قدر زائد ایک کلام دوسرے سے نہیں ہوتا یا مساوی یا زائد بقدر معتاد یا کم۔ چوتھی شق تو بدیہی البطلان ہے۔ دوسری اور تیسری شق میں بھی مدعا ثابت ہے کیونکہ جب قرآن لوگوں کے کلام کے مساوی یا زائد بقدر معتاد تھا اور پھر ایک ایک کیا بلکہ سب نے مل کر بھی باوجود توافر دواعی اور کثرت تحدی کے قرآن کی ایک سورۃ کی مانند بھی نہیں بنا سکے تو یہ خارق عادت ہے اور جو امر خارق عادت مدعی نبوت سے ظاہر ہو وہ معجزہ ہے۔ سو یہ بھی معجزہ ہے اور شق اول پر تو مدعا بالکل ظاہر ہے کیونکہ جب ایک شخص کا کلام تمام لوگوں سے خلاف عادت زائد ہو تو حد اعجاز میں داخل ہے۔

تیسری دلیل: قرآن کا مثل لانا لوگوں سے بہ نسبت معارضہ ممکن تھا یا نہیں اگر ممکن نہ تھا تو مدعا ثابت ہے کیونکہ انسانوں میں سے ایک کا کلام اس قدر بلیغ ہونا کہ جس کا مثل لوگوں سے ممکن نہ ہو خارق عادت ہے اور خارق عادت مدعی نبوت سے صادر ہو معجزہ ہے۔ پس قرآن معجزہ ہے اور اگر ممکن تھا پس باوجود امکان اور عار دلانے کے اس کا نظیر وقوع میں نہ آنا ہو خواہ یہ فعل ہو یا اژدہا ہونا عصا کا، تھوڑا سیر آدھ سیر پانی سے لشکر کو سیراب کر دینا، درختوں سے کلام کرنا اور ان کو بلانا، خواہ مردے کو زندہ کرنا، خواہ کوئی کام ہو۔

اگرچہ آنحضرت ﷺ کے بیشمار معجزات ہیں کہ جن کو ان ثقات نے روایت کیا ہے کہ جو تورات و انجیل کی روایت سے ہزار درجہ قوی ہیں اور خود قرآن میں بھی مذکور ہیں۔ پس بعض نا سمجھوں کا یہ کہنا (کہ ہم حدیث کو نہیں مانتے قرآن میں کل معجزات کیوں مذکور نہیں اور جس طرح ہم عیسائی انجیل میں معجزات مسیح دکھاتے ہیں تم قرآن میں دکھاؤ) محض دھوکا ہے۔ کیونکہ اول تو قرآن مجید آنحضرت ﷺ کے وقائع عمری کی کوئی تاریخ نہیں کہ اس میں تفصیلی احوال آنحضرت ﷺ معجزات کا مذکور ہونا بھی ضروری ہوتا۔

دوم بایں ہمہ بطریق اشارہ پھر بھی قرآن میں معجزات مذکور ہیں۔ کما سیظہر لک۔ اور یہ تورات و اناجیل اربعہ اصل انجیل و تورات منزل علی موسیٰ و عیسیٰ نہیں بلکہ حسب اقرار علمائے اہل کتاب تاریخ اور روزنامچے ہیں کہ جن میں بہت عرصہ بعد انبیا

کوئی جانب غضب و رحم و عداوت و محبت شہوت و غیرہ صفات متضادہ میں استقامت کہتا ہے مگر یہ نزاع لفظی ہے کیونکہ جو ایک چیز کا مقر ہے دوسرا اس کا انکار بھی نہیں کرتا اور جو ایک آدھ کم عقل نے کیا بھی تو وہ کس شمار اور کس قطار میں ہے؟ جیسے کہ نظام معتزلی۔ وہ کہتا ہے اگر نفس عبارت قرآن پر لحاظ کیا جائے تو ویسی عبارت ممکن ہے مگر جب معانی اور نفیس مطالب بھی اس کے ساتھ لحاظ کیے جائیں تب ممکن نہیں ہے۔ کیا سید احمد خان صاحب کے انکار ملائکہ و معجزات سے اس امر پر اجماع امت میں کچھ فرق آ سکتا ہے؟ پس حق یہ ہے کہ قرآن کا اعجاز بہیچ وجوہ متعدد ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی کسی وجہ کو اور کوئی کسی اور کو ترجیح دیتا ہے۔ ع ولناس فیما یعشقون مذاہب اب میں قبل اس کے کہ کسی قدر با عجب قرآن بیان کروں اس کے مضامین کی نسبت عرض کرتا ہوں۔ قرآن کی کوئی آیت ایسی نہیں کہ جس میں ان عمدہ خوبیوں میں سے کوئی نہ ہو:

(۱) صفات الٰہیہ مثلاً اس کا رحیم و کریم و ازلی و ابدی و مخیر و قادر و علیم و حکیم، عادل و قدوس و غنی و حمید و معز و مذل ہونا۔

(۲) خدا کا جمیع نقائص اور عیوب سے پاک ہونا جیسا کہ حدوث و تجزو جہل و ظلم وغیرہ۔

(۳) توحید خالص کی طرف بلانا اور شرک اور اس کی شاخ تثلیث کو مٹانا۔

(۴) انبیاء علیہم السلام کا اس طرح ذکر کرنا کہ جو لوگوں کو نیکی کی طرف داعی ہوں نہ یہ کہ ان کی برائیاں بیان ہوں کہ جس سے گمراہی پر لوگوں کو جرأت ہو۔[1]

(۵) ملائکہ کا مخلوق الٰہی ہونا اور خدا کی فرمانبرداری اور عبادت کرنا۔

(۶) اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے والوں کی مدح۔

(۷) منکروں کی برائی۔

(۸) اللہ اور ملائکہ اور انبیاء پر اور روز حساب پر ایمان لانے کی تاکید۔

(۹) یہ وعدہ کہ انجام کار ایمان والے ہی ایذوں پر غالب رہیں گے۔

(۱۰) قیامت اور جزائے اعمال کا بیان۔

(۱۱) جنت و دوزخ کا ذکر۔

(۱۲) دنیا کی برائی اور اس کی بے ثباتی۔

(۱۳) عقبیٰ اور اس کے ثبات کی مدح۔

(۱۴) اشیاء کی حلت و حرمت۔

(۱۵) احکام تدبیر المنزل کا بیان۔

(۱۶) احکام سیاست مدن کا بیان۔

(۱۷) تہذیب الاخلاق کی تعلیم اور مکارم اخلاق کی خوبی۔

---

[1] بخلاف عہد عتیق کے کہ اس میں انبیاء کا زنا کرنا وغیرہ باتیں مذکور ہیں۔ ۱۲ منہ

(۱۸) محبت الٰہی اور اس کے پاک لوگوں کے ساتھ محبت کرنے کی ترغیب۔

(۱۹) ان امور کا بیان کہ جو خدا تک رسائی کا ذریعہ اور اس کی خوشنودی کا باعث ہیں۔

(۲۰) فجار اور فساق کی صحبت سے نفرت۔

(۲۱) ہر دینی و دنیاوی معاملے میں خلوص نیت کی تاکید۔

(۲۲) ریاکاری اور دکھاوے کی عبادت کی مذمت۔

(۲۳) اخلاق ذمیمہ پر تہدید۔

(۲۴) بری باتوں کے ترک کرنے کی تاکید جیسے کہ غضب و تکبر اور بخل اور جبن اور ظلم وغیرہ۔

(۲۵) احکام شرعیہ کا بیان۔

(۲۶) ذکر الٰہی کی طرف ترغیب۔

(۲۷) زمین و آسمان میں اپنے آثار قدرت و جبروت کا بیان۔

(۲۸) خود اپنے عالم صغیر میں غور و تامل کرنے کا حکم۔

(۲۹) اگلے لوگوں کے سچے سچے واقعات کہ جن کے سننے سے انسان کے دل پر خدا کے غضب سے ڈر اور رحمت کی امید پیدا ہو۔

(۳۰) یہ بات کہ اس عالم کی جس قدر مخلوقات ہے سب کا وجود ظلی اسی کی طرف سے آیا ہے اور پھر اسی کی طرف لوٹ جائے گا۔

علاوہ ان کے اور بھی بہت سے عمدہ عمدہ مضامین قرآن میں ہیں کہ جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں اور اسی لیے قرآن کو دریائے بے انتہا کہا گیا ہے۔ اور اس کے لیے ظہر اور بطن آیا ہے۔ اب منصف غور کرے کہ اس قدر مضامین کو جن کی خوبی اور ضروری ہونے میں کسی اہل عقل کو کلام نہیں قرآن نے کس بلاغت و فصاحت سے ادا کیا۔

(۱) تو وہ مفردات الفاظ اپنے کلام میں لایا کہ جو غرابت اور تنافر حروف اور مخالفت قیاس سے بری ہیں اور پھر مجموعہ

۱؎ اب میں پادری عماد الدین وغیرہ متعصب لوگوں کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ [illegible] تعلیم محمدی میں کوئی بات قابل اعتراض ہے [illegible] آپ صاحبوں نے [illegible] ہدایت مسلمین اور تعلیم محمدی و معراج [illegible] وغیرہ [illegible] لکھا گیا ہے [illegible] اس وقت کے [illegible] کتب کے مؤلف سے عرض کرتا ہوں کہ [illegible] قرآن [illegible] کی کیا قدرت ہے [illegible] کہ کس بے طرح سے قرآن کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ ۱۲ منہ حقانی

۲؎ [illegible] قرآن [illegible] عرب [illegible]

کیا' جہاں نکرہ لانے کا موقع تھا نکرہ لایا اور جہاں معرفہ لانے کی جگہ تھی وہاں معرفہ کا استعمال کیا اسنادِ حقیقی کے موقع پر اسناد حقیقی اور مجازی کے موقع پر مجازی قصر جس وجہ کی مطلوب تھی وہاں اسی وجہ کی قصر اِنّما وغیرہ ادوات قصر سے کی۔ جہاں مفعول ظاہر کرنے کا موقع تھا وہیں مفعول ظاہر کیا اور جہاں ترک کا موقع تھا ترک کر کے فعل کو عام یا لازمی کیسا بنا دیا۔ جہاں ایجاز مطلوب تھا ایجاز اور جہاں اطناب مقصود تھا وہاں اطناب اور مساوات کی جگہ مساوات کی رعایت رکھی۔ اب ہم ایجاز قصر کی ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ عرب میں قصاص کے بارے میں یہ قول مشہور تھا القتل انفی للقتل اس کی جگہ قرآن میں یہ نازل ہوا (وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ) اب دیکھئے یہ کلام پہلے کلام سے کئی وجوہ سے بڑھ کر ہے:

(۱) تو باوجود مقصود پورا ادا کرنے کے اس کے حرف کم ہیں کیونکہ اس کے گیارہ حرف ہیں اور اس کے حروف ملفوظ چودہ ہیں۔

(۲) اس میں مقصود اصلی (قصاص سے لوگوں کی زندگی) کی تصریح ہے اس میں نہیں۔

(۳) حیوۃ کی تنوین سے تعظیم پائی جاتی ہے یعنی قصاص سے تمہارے لیے بڑی زندگانی حاصل ہوتی ہے کیونکہ جب قصاص جاری ہوگا تو کوئی کسی کو نہ مارے گا ورنہ ایک شخص کو مثلاً کوئی مارتا اور اس کے بدلے میں قاتل اور اس کے مددگار قتل کیے جاتے۔ اب ایک جماعت قتل سے بچ گئی تو قصاص میں بڑی حیات حاصل ہوئی۔

(۴) یا یہ تنوین نوعیت کا فائدہ دیتی ہے اور وہ یہ کہ قاتل کو قصاص میں مارے جانے سے بسبب باز رہنے کے اور مقتول کو قتل ہونے سے حاصل ہوئی۔

(۵) یہ ہر موقع پر صادق آتا ہے کیونکہ کوئی ایسا قصاص نہیں کہ جس میں حیات نہ ہو بخلاف القتل انفی کے کیونکہ ہر قتل قتل کو نہیں مٹاتا بلکہ جو قتل ناحق ہے وہ تو اور بھی قتل کی ترغیب دیتا ہے۔

(۶) اس میں لفظ مکرر نہیں۔

(۷) اس میں مقدار اور محذوف کرنے کی ضرورت نہیں۔

(۸) صنعت مطابقت حاصل ہے کیونکہ قصاص اور حیات میں تقابل ہے اور تتبع متقابلین سے صنعت مذکورہ حاصل ہوتی ہے۔

(۳) باوجود ان رعایتوں کے کلام میں ظہور اور خفاء مراد کا لحاظ کیا۔ کہیں کبھی تشبیہ دے کر بیان فرمایا اور تشبیہ میں جہت مشبہ اور مشبہ بہ کی پوری رعایت رکھی۔ جہاں زیادہ مبالغہ تشبیہ میں مقصود ہوا وہاں کاف وکان وغیرہ ادوات تشبیہ کو بالکل حذف کر دیا اور جہاں استعارہ کا موقع دیکھا وہاں استعارہ تخییلیہ یا مکنیہ یا ترشیحیہ کو جیسا جس کا موقع دیکھا مع قرائن حالیہ و مقالیہ کے ذکر فرمایا اور جہاں کنایہ مناسب جانا وہاں کنایہ سے کام لیا اور اسی طرح تمثیل کے موقع پر تمثیل کو مع رعایت شرائط ذکر کیا۔

(۴) ان سب کی رعایت کے بعد پھر کلام میں ان وجوہ کی رعایت رکھی کہ جن سے کلام میں اور بھی حسن و خوبی پیدا ہو جاتی ہے اور یہ دو قسم ہیں ایک معنویہ دوم لفظیہ۔ وجوہ معنویہ میں سے مطابقت اور مراعات النظیر اور (تشابہ الاطراف) اور

ارصاد اور مشاکلت اور عکس اور ایہام اور استخدام اور لف و نشر اور جمع اور تفریق اور جمع مع التفریق اور جمع مع التقسیم اور حسن تعلیل وغیرہ وغیرہ ذلک کو ذکر کیا اور محسنات لفظیہ میں سے تجنیس اور رد العجز علی الصدر اور قلب کو کہ جو حروف دائیں سے پڑھو وہی جملہ مرتب ہو جائے جیسا کہ کل فی فلک اور ربک فکبر اور محروم ما لا یلزم کو بھی اور وہ یہ ہے کہ حرف روی اور اس کے قائم مقام کے پہلے وہ لایا جائے کہ جس کا لانا کچھ ضرورت تھا لیکن کلام کو رونق ہوتی ہے جیسا کہ ﴿فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ﴾ اور سجع کو خوب رکھا اگر قرآن میں اس کو فواصل کہتے ہیں اور یہ نثر میں ایسی چیز ہے کہ جیسے نظم میں قافیہ ہوتا ہے (ف) ایک ایسی بات کی رعایت رکھی کہ جس کی رعایت کرنا شعراء کو محال کیا بلکہ محال سے بھی بڑھ کر ہے بلکہ کوئی کیسا ہی بلیغ و فصیح کیوں نہ ہو وہ بھی اس کو نہیں پورا کر سکتا چہ جائیکہ جناب رسول اللہ ﷺ کہ جنہوں نے ساری عمر کوئی شعر بھی نہیں کہا نہ شعراء کی مجالس میں بیٹھے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ اسی قادر مطلق کا کلام ہے۔ اس بات کے بیان کرنے سے پہلے ہم ایک مقدمہ بیان کرتے ہیں تاکہ یہ بات بخوبی سمجھ میں آ جائے۔

مقدمہ: کل آباد اور شائستہ ملکوں کے رہنے والوں کی ایک جبلی عادت ہے کہ ان کو کلام مسجع اور مقفیٰ میں خواہ وہ نظم ہو خواہ نثر ایک عجیب لذت اور سرور معلوم ہوتا ہے اور کلام موزوں سے ایک کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ دیکھئے جب ایک کلام (کہ جس کے بعض اجزا باہم موافق ہوتے ہیں) کا طالب سنتا ہے کس قدر محظوظ ہوتا ہے اور جب دوسری بیت اسی طرح کی اس کے کان میں پڑتی ہے تو اور بھی لذت آتی ہے اور جب تیسری بیت سنتا ہے کہ جو دونوں سے قافیہ میں شریک ہے اور بھی دل خوش ہوتا ہے (شاید پادریوں کو مزہ نہ معلوم ہوتا ہو)۔ پس اس قدر میں تو عرب و عجم و ہندو انگریز سب شریک ہیں مگر بیت کے توافق اجزا اور قافیہ میں اختلاف ہے۔ پس عرب نے تو وہ قانون اختیار کیا ہے جس کو خلیل نے وضع کیا ہے کہ مستفعلن کی جگہ متفاعلن و مفتعلن قائم کرتے اور فاعلاتن اور فاعلن کو ایک ہی قاعدہ پر گنتے ہیں اور حشو میں بہت سے زحافات جائز رکھتے ہیں بخلاف شعرائے ایران کے کہ ان کے نزدیک زحاف مکروہ ہے اور اسی طرح عرب کے نزدیک اگر ایک بیت میں قافیہ قدر ہے تو دوسری میں قدیر درست ہے اور اسی طرح ایک کلمہ کا ایک حرف ایک مصرعہ میں اور باقی دوسرے مصرعہ میں جائز رکھتے ہیں۔ قس علیٰ ہذا۔ اور اہل ہند کے نزدیک اشعار میں حروف کا شمار برابر ہونا چاہیے باقی حرکت و سکون کی موافقت کچھ ضروری نہیں۔ اسی طرح بعض لوگوں میں دونوں مصرعوں کے حروف میں برابری بھی کوئی شرط نہیں۔ جس نے انگریزی کے اشعار اور ہندوؤں کی تحریرات اور ہندوستان میں دیہاتیوں کی نظم اور بھولی ستوں کے گیت سنے ہوں گے وہ اس بات سے بخوبی ماہر ہوگا۔ اور گلی اور طرح والوں کی مرضی اور خیال اسی قسم کے ہیں۔ الغرض ہر ایک قوم اور ہر ایک زمانہ میں ایک قاعدہ

۱؎ اس کلام میں باوجود یہ کہ صاف طور پر اس بات کا ذکر ہے (کہ ہر قوم کا شعر اور اس کے اوزان جداگانہ ہیں) یہاں تک کہ بھولی ستوں کے گیت بھی ایک کلام موزوں ہے کہ جس کو وہ شعر سمجھتے اور اس سے محظوظ ہوتے ہیں۔ اس لیے [illegible] کے نزدیک [illegible] کی حقیقت کی تعیین نہیں ہوئی۔ اور یہ بات [illegible] ہے [illegible] مقصود ہے کہ قرآن اور بھولی ستوں کے گیت ہیں۔ یہ بات تو یہاں سے کسی طرح بھی نکل نہیں سکتی مگر امام پادری کے فہم عالیہ پر آفرین ہے کہ اس نے یہی سمجھ لیا اور جناب [illegible] ہو کر اہل اسلام کی تفسیر مذہب سے بد اعتقاد کرنے کے لیے شور مچایا کہ مفسر قرآن میں بھولی ستوں کے گیت موجود ہونا بیان کرتا ہے لیکن اس کے بعد [illegible] نے اصل مقام کو دیکھ کر تو معترض کی جہالت پر بہت تاسف کیا۔ ۱۲ منہ حقانی

قوافی و ابواب سب ایک ہی قاعدہ پر ہیں۔ اور اسی طرح سب کے آخر میں الف کا آنا بھی ایک لذت دیتا ہے گو حرف روی مختلف ہو جیسا کہ ایک جگہ رحیما ایک جگہ حدیثا اور ایک جگہ بصیرا اور اگر مع حرف روی کا بھی التزام ہو تو اور زیادہ لطف معلوم ہو گا جیسا کہ اوائل سورۂ مریم اور سورۂ فرقان میں واقع ہو۔ اور اسی طرح سب آیات کا ایک حرف پر ختم ہونا اور بھی لطف دیتا ہے جیسا کہ سورۂ قتال میں سب کے آخر میں میم اور سورۂ رحمٰن میں نون ہے۔ اور اسی طرح ایک جملہ کا اعادہ کرنا بعد ایک کلام کے عجب کیفیت بخشتا ہے جیسا کہ سورۂ قمر اور سورۂ الرحمٰن اور سورۂ مرسلات میں واقع ہے کہ بار بار فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ وغیرہ آیات کا اعادہ کیا گیا ہے جیسا کہ شعراء چار مصرعوں کے بعد ہر جگہ ایک پانچواں مصرعہ لایا کرتے ہیں اور کبھی ذہن سامع کو طرب و نشاط دینے کے لیے یہ بھی کیا ہے کہ فواصل کلام کو بدل دیا ہے مثلاً اذا وجدنا آخری سورۂ مریم میں اور سنذکرہا وکذا اما آخری سورۂ فرقان میں اور طین و ساجدین و ینظرون آخری سورۂ ص میں وارد ہے باوجودیکہ ان سب کے اوائل میں دو فواصل ہیں بحالہ مثنیٰ۔ اور ایک لطف اور کیا کہ آیت کا حرف آخری اگر قافیہ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے تو خیر ورنہ اس کو دوسرے جملے سے ملا دیا کہ جس میں نعمت الٰہی کا ذکر ہے یا مخاطب کو تنبیہ ہے جیسا کہ فرماتا ہے وھو الحکیم الخبیر ۔ وکان اللہ علیما حکیما وکان اللہ بما تعملون خبیرا لعلکم تتقون اور کبھی ان موضع میں کلام کو دراز کر دیا مثلاً فسئل بہ خبیرا اور کبھی تقدیم اور کبھی تاخیر اور کبھی قلب اور کبھی زیادت کو تحسین کلام کے لیے عمل میں لایا۔ الیاس کی جگہ الیاسین اور طور سینا کی جگہ طور سینین کہا۔ اور کہیں پہلے تفریع سے دوسرا چھوڑ دیا اور کہیں بالعکس کیا جیسا کہ خُذُوْہُ فَغُلُّوْہُ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْہُ ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَۃٍ ذَرْعُھَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُکُوْہُ اور کبھی ایک آیت میں چند فواصل جمع ہیں جس طرح کہ بعض شعراء اپنے اشعار میں متعدد قوافی لاتے ہیں جیسا کہ اس بیت میں

"کالزھر فی ترف والبدر فی شرف والبحر فی کرم والدھر فی ھمم"

الغرض اس طرح کی اور بہت سی باتیں ہیں کہ جن کو ہر ایک قوم اور ہر زمانے کے لوگ اپنے اشعار میں مرعی رکھ کر لذت اٹھاتے اور لطف پاتے ہیں۔ جو شخص فواصل قرآن اور ہر ملک کے اشعار کو جانتا ہے وہ ہمارے کلام کی تصدیق کرے گا مگر میں اس مختصر میں ان کے بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار گلچیں بہار تو ز داماں گلہ دارد

(۶) باوجود ان سب خوبیوں کے اپنی عظمت اور جلال کبریائی کو مرعی رکھا۔ سو قرآن کو شاہی فرمانوں کی صورت میں نازل فرمایا اور ابتدا سے انتہا تک اس کو ملحوظ رکھا۔ جس طرح کہ بادشاہ بعض فرمانوں کی ابتدا میں حمد الٰہی ذکر کرتے ہیں اور بعض میں مختلف غرض اور مطلب ہی پیش کرتے ہیں اور بعض کو مرسل اور مرسل الیہ کے نام سے شروع کرتے ہیں اور بعض بغیر عنوان ہی کے رقعہ ہوتے ہیں اور بعض طویل اور بعض مختصر ہوتے ہیں اور بعض کی ابتدا میں چند الفاظ مقررہ سے کسی غرض کی طرف اشارہ ہوتا ہے یا وہ حروف جملوں سے اختصار کے طور پر لیے جاتے ہیں جس طرح عنوان نامہ پر خلاصہ مطلب لکھ دیتے ہیں اسی طرح ان حروف سے اشارہ اسی مطلوب کی طرف کر دیتے ہیں۔

اسی طرح خدا تعالیٰ نے اپنی بعض سورتوں کو حمد سے شروع کیا اور بعض کو تسبیح سے اور بعض کو حروف مقطعات سے جیسا کہ فرمایا ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ وقال سُوْرَۃٌ اَنْزَلْنٰھَا وَفَرَضْنٰھَا اور بعض میں اپنی طرف سے ہونا بتا دیا ہے

کہ قرآن پر اعتراض کیا اور مقامات حریری کو (کہ جس کا مصنف قرآن پر ایمان لائے ہوئے تھا) قرآن سے بہتر کہا مگر سچ ہے جس کو قوتِ شامہ نہ ہو تو وہ اگر بدبو اور عطر کو یکساں کہے تو بعید نہیں وللہ درمن قال

چو نیست در مشام ترا ذوقِ امتیاز　　در کیمیں مشک و عنبر را با بر است

فائدہ: واضح ہو کہ متکلم کا مقصود اپنے کلام سے کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ مخاطب کو صرف خبردار کر دے اور کبھی یہ کہ اس مضمون کی تصویر اس کے دل پر کھینچ دی۔ پس خبر دینا تو ایک بار بیان کرنے سے بھی حاصل ہو جاتا ہے مگر دوسرا مطلب بغیر بار بار لانے کلام کے حاصل نہیں ہوتا اور اس مکرر لانے میں جس طرح ایک خوبی ہے اسی طرح ایک قباحت بھی ہے کہ مکرر چیز سے طبیعت کو نفرت ہو جاتی ہے۔

مکرر　گرچہ　شکر　آمیز　باشد
طبیعت　را ملال　انگیز　باشد

پس ضرور ہوا کہ اس مکرر لانے میں کوئی نیا لطف بھی ضرور ہو خواہ وہ عنوان کی تغییر سے حاصل ہو خواہ خوش آوازی یا کسی اور وجہ سے۔ اسی لیے راگ میں ایک کلمہ کو بار بار ادا کرنے سے مزہ آتا ہے کیونکہ خوش آوازی ہر بار نفس کو جدا حظ حاصل ہوتا ہے اور محبوب کا نام بار بار لیجئے۔ ہے دل کو مزہ آتا ہے۔ پس جب خدا تعالیٰ کو یہ منظور ہوا کہ بعض مطالب ضروریہ کی بندوں کے دلوں پر تصویر کھینچے تو مکرر لایا اور اس تکرار کے عیب کو لطفِ تغییر عنوان سے دفع کیا۔ اس لیے جن مضامین کو خدا تعالیٰ قرآن میں مکرر لایا ہے وہاں طرزِ کلام کو اجمال یا تفصیل یا کسی اور خصوصیت سے اس طرح بدلا ہے کہ گویا وہ مضمون نیا معلوم ہوتا ہے پھر کیا جگہ جب نفس مشتاق ہو رہے تھے تو ان مضامین کی تصویر دل پر کھینچ جانے کی اور یہی حکمت ہے کہ قرآن کی تلاوت فرض کی گئی۔ محض مطلب سمجھنے پر انحصار نہ کیا۔ اور اسی لطفِ عنوان اور فصاحتِ کلام کی وجہ سے قرآن کا دل پر منقش ہونا سہل ہو گیا۔ اسی لیے ہر جگہ آپ کو حفاظِ قرآن دکھائی دیتے ہیں بھلا کوئی اور کتاب تو اس طرح حفظ کر کے دکھلاوے؟ اور اسی مقصود کے لیے خدا نے علوم خمسۂ قرآن کو بترتیب ابواب و فصول محصور نہیں کیا۔ واللہ اعلم۔

فصل ششم تفسیر

لفظ تفسیر فسر سے مشتق ہے کہ جس کے معنی کشف کے ہے یعنی اس طرح سے مرادِ متکلم کا ظاہر کرنا جس میں کوئی شبہ و شبہ باقی نہ رہے اس لیے تفسیر بالرائے حرام ہوئی۔ قال النبی ﷺ من قال فی القرآن بغیر علم و فی روایۃ برایہ فلیتبوء مقعدہ من النار اخرجہ الترمذی و حسنہ بخلاف تاویل کے کیونکہ لفظ تاویل اول سے مشتق ہے کہ جس کے معنی رجوع ہیں یعنی ایک کلام کو (کہ جس میں چند احتمال ہوں) ایک احتمالِ خاص کی طرف قرائن سے رجوع کرنا۔ پس اس جگہ قرائن سے ترجیح دینا کافی ہے۔ نص شارع کی حاجت نہیں اس لیے کلامِ مفسر کلامِ مئول سے قوی الدلالۃ ہے۔ لیکن ان لغوی معنی کے لحاظ سے تفسیر فقط جناب نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال ہی میں منحصر ہوگی۔ پس جو کچھ صحابہ نے کسی آیت میں جیسا انہوں نے فرمایا ہے درحقیقت وہی تفسیر ہے مگر بعد صدر اول کے تابعین و تبع تابعین کے زمانہ سے لے کر یہ اخیر ما

علوم لسان قرآن کی طرف بھی حاجت پڑتی گئی اور یہ مجموعہ ایک سے دوسرے تک نقل ہوتا چلا آیا اور رفتہ رفتہ اس میں تحقیقات اور تدقیقات اور زوائد ہوتی گئیں۔ پس ایک علم مدون ہو گیا کہ جس کو علماء نے کتابوں میں تصنیف شروع کیا اور جس طرح کہ اور علوم کتب میں مدون کئے گئے یہ بھی کیا گیا۔ پس اب فن تفسیر وہ نہ رہا جو کہ خاص صحابہ ؓ کے عہد میں تھا اور جس میں بالرائے کلام کرنا حرام تھا بلکہ اب علم تفسیر دو جز سے مرکب ہوا ایک جز اصلی تو وہی تفسیر حقیقی۔ دوسرا جز حل لغات و بیان محاورات و دفع اشکالات وغیرہ۔ علماء جز اول کو نقل کہتے ہیں۔ یہ آثار سلف و اقوال قدماء کی طرف مستند ہے۔ جس کی غایت معرفت ناسخ و منسوخ و اسباب النزول و مقاصد آیات و شرح مجمل قرآنی ہے۔ اس فن کے ائمہ طبری و قتادہ و سدی و ابو العالیہ وغیرہ مفسرین ہیں ان میں ابن جریر ابو جعفر طبری ؒ نے کہ جن کا انتقال تین سو دس ہجری میں ہوا ہے اپنی کتاب میں کہ جس کو تفسیر ابن جریر کہتے ہیں۔ ان منقولات کو جمع کر دیا ہے اور اسی طرح حافظ ابوبکر عبداللہ بن ابی شیبہ وغیرہ محدثین نے بھی اپنی کتابوں میں ان کو جمع کیا مگر رطب و یابس صحیح و غلط ان میں سب کچھ ہے کیونکہ اکثر روایات ان میں اہل کتاب سے منقول ہیں اس لیے کہ جو اہل کتاب اسلام میں داخل ہوئے اور انہوں نے وہ صحیح و غلط باتیں کہ جو ان کی کتابوں میں بھری پڑی تھیں نقل کیں۔ لوگوں نے ان کو متبرک سمجھ کر روایت کیا پھر کسی نے ان کو رواج دینے کے لیے جناب نبی ﷺ کی طرف اور کسی نے حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کی طرف اور کسی نے کعب احبار اور وہب بن منبہ کی طرف منسوب کر دیا۔ جلال الدین سیوطی کی تفسیر در منثور بھی اسی قسم کی ہے۔ اور اس وقت مخالفین یہود و نصاریٰ و ہنود جو کچھ اعتراضات قرآن اور اسلام اور پیغمبر علیہ السلام پر کرتے ہیں ان کی بنیاد انہیں غلط روایات پر ہے کہ جن کا اسلام میں کچھ بھی اعتبار نہیں اور قصہ زینب بنت جحش اور تلک الغرانیق العلیٰ اور زمین و آسمان کی کائنات اور زمین کا سات طبقے ہونا اور ہر طبقے میں اسی قسم کی کائنات اور زمین کا بیل کے سینگ پر ہونا اور بیل کا مچھلی پر ہونا اور اس کے ہلنے سے زلزلہ آنا اور یاجوج و ماجوج کا ایک کان بچھانا اور ایک اوڑھنا اور زہرہ کا قصہ وغیرہ ذلک من الاسرائیلیات۔ سادہ لوح محدثوں کی خوش اعتقادی ہے اور بعض اہل علم جو قصہ میں اسی قسم کی وہ غلطی اور غلط باتیں ان راویوں نے ملائی ہیں کہ جس سے اصل مدعا قرآن کو بھی الٹ پلٹ کر دیا۔ خدا محققین کو جزائے خیر عطا کرے۔ انہوں نے کھرا اور کھوٹا پرکھا اور لغو اور بے اصل باتوں کو کتب تفسیر سے خارج کیا۔ متاخرین میں سے ابو محمد بن عطیہ مغربی اور قرطبی اور ابن الجوزی وغیرہ نے بھی بہت کچھ چھان بین کی ہے۔ اس بارے میں محققین نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ شان نزول و توجیہ مشکل کے بارے میں جو کچھ بخاری اور ترمذی اور حاکم نے باسناد صحیح نقل کیا ہے بہت درست ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے جو کچھ ابن ابی طلحہ اور ضحاک نے روایت کیا ہے اور پھر وہ روایت بسند صحیح بخاری وغیرہ محققین تک پہنچی ہے نہایت صحیح ہے۔

دوسرا جز تفسیر کا جس کو اول کے مقابلہ میں عقل کہنا چاہیے بڑا بھاری ہے۔ اس کی طرف قرآن قرن اولیٰ کے بعد بالخصوص اس زمانہ میں سخت حاجت ہے۔ یہ جز بھی مفسرین کی افراط و تفریط سے خالی نہیں تھا تو بعض صرف و نحو میں سیبویہ وغیرہ مدونین فن کی یہاں تک تقلید کی کہ ان کے قواعد مدونہ کو یہاں تک صحیح سمجھا کہ قرآن کے محاورہ و فقروں میں جہاں کہیں کوئی بات خلاف قاعدہ مقررہ دیکھی کھینچ کھانچ کر بتکلف اس کی تاویل کی اور یوں نہ سمجھا کہ اہل زبان کا یہی محاورہ صحیح ہے۔ ہمارا

(مجادلہ) سورۂ مجادلہ میں سے یہ آیت اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ الخ یہ منسوخ ہو گئی۔ اس کے پہلی آیت سے کہ آیت میں یہ حکم تھا کہ جب کوئی رسول سے سرگوشی کرے تو پہلے کچھ صدقہ دے پھر یہ حکم جاتا رہا۔

ان آیات کے علاوہ اور کوئی آیت منسوخ نہیں بلکہ عام کی تخصیص وغیرہ تجوزات کا فرق ہے کہ جس کو نسخ کہہ سکتے ہیں۔ اس نسخ سے کوئی یہ معنی نہ سمجھے کہ خدا تعالیٰ کو اول میں یہ معلوم نہ ہوا بعد میں پھر سمجھا جیسا کہ پادری الزام لگاتے ہیں۔ یہ احکام جن کو ہم منسوخ کہتے ہیں موقوف تھے یعنی ان کا حکم ایک وقت تک تھا اور جب مصلحت منقضی ہوئی تو یہ حکم اٹھ گیا اور کیوں نہ ہو ہر وقت کی مصلحت جدی ہیں اور مصالح بدلتے رہتے ہیں اور اگر پادری صاحب اب بھی نہ سمجھیں گے اور پھر وہی بحث جاری کریں گے تو تورات و انجیل میں بہت سے احکام منسوخ ہیں۔ ہم ان کا حوالہ دیتے ہیں۔ اول بھائی بہن کا نکاح عہد آدم میں درست تھا بلکہ سارا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی علاتی بہن تھی جیسا کہ تورات سفر تکوین کے باب ۲۰ میں مصرح ہے حالانکہ یہ حکم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں منسوخ ہو گیا جیسا کہ سفر احبار کے باب ۱۸ میں اس نکاح کا حرام اور بمنزلہ زنا کے ہونا مذکور ہے۔

دوم نوح علیہ السلام اور ان کی اولاد کے لیے تمام جانور جو زمین پر چلتے ہیں حلال تھے جیسا کہ سفر تکوین کے ۹ باب میں مذکور ہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بہت سے جانور حرام ہو گئے۔ تفصیل ان کے تقریر ہے جیسا کہ سفر احبار کے ۱۱ باب میں مذکور ہے

سوم حضرت یعقوب علیہ السلام کے عہد میں دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا درست تھا چنانچہ خود حضرت یعقوب علیہ السلام کے نکاح میں دو بہنیں تھیں ایک لیا دوسری راحیل جو دونوں ان کے ماموں کی بیٹیاں تھیں جیسا کہ سفر تکوین کے ۲۹ باب میں مذکور ہے۔

چہارم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بہت سے جانور حرام تھے جیسا کہ سفر احبار میں تصریح ہے جناب پولوس نے یک لخت حلال کر دیا جیسا کہ رومیوں کے اس خط کے چودہویں باب میں تصریح ہے کہ جو اس نے رومیوں کو لکھا تھا (کہ پاکوں کو سب چیزیں پاک ہیں)

پنجم احکام عیاد بالخصوص تعظیم سبت[1] واجب تھی اور اس کو ابدی کہا ہے اور نہایت تاکید فرمائی ہے کہ جو اس روز کام کرے قتل کیا جائے۔ چنانچہ سفر تکوین کے ۲ باب اور سفر خروج کے ۲۰ باب میں تصریح ہے اور بہت جگہ تورات میں مذکور ہے لیکن اس حکم موکد کو پولوس نے بالکل رد کر دیا چنانچہ اس کے ان خطوط میں جو اس نے اہل روما اور گلیطیوں کو لکھے ہیں اس کی تصریح ہے اور سب عیسائی اس کے فتوے پر چلتے ہیں۔

ششم ختنہ کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ایک حکم ابدی تھا۔ چنانچہ تورات سفر احبار ۱۲ باب میں اس کی تاکید ہے اور خود حضرت مسیح علیہ السلام کا بھی ختنہ کیا گیا تھا جیسا کہ انجیل لوقا کے ۲ باب میں مذکور ہے لیکن پولوس نے اس حکم کو نہایت سختی سے رد کیا چنانچہ اس کے اس خط میں جو اہل گلیطیہ کو لکھا ہے اس کے باب ۵ میں مذکور ہے۔

---

[1] سفر کی اس کی تعظیم جیسا کہ اب تک یہودیوں میں ہے ۱۲ منہ

ہفتم سب حواریوں نے مشورہ کر کے توریت کے جمیع احکام کو منسوخ کر دیا فقط چار حکموں کو باقی رکھا ہدیہ صنم، دم، مخنوق، زنا چنانچہ اعمال حواریوں کے ۱۵ باب میں مذکور ہے پھر چند روز کے بعد پولوس نے ان میں سے فقط حرمت زنا کو باقی رکھا اور سب کو منسوخ کر دیا جیسا کہ گزرا پھر جب زنا پر بھی کوئی سزا معین نہ رکھی تو گویا اس کو بھی حلال کر دیا۔ اب اس سے زیادہ کیا نسخ ہوگا؟

ہشتم انجیل متی ۱۰ باب میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں کو حکم دیا تھا کہ سامریوں کی بستی میں نہ جانا اور یوحنا کے ۴ باب میں ہے کہ سامریوں کی بستی میں گئے اور دو روز مہمان رہے۔

نہم حضرت مسیح نے فرمایا کہ کچھ اسباب سفر ساتھ نہ لو (لوقا ۹ باب) اور پھر حکم دیا کہ اسباب سفر ساتھ لو (لوقا ۲۲ باب)۔

دہم تمام عہد نامہ موسوی کو کمزور اور بے فائدہ کہہ کر پولوس نے لغو کر دیا کہ (پرانا حکم اس سبب کمزور اور بے فائدہ تھا اٹھ گیا (عبرانیوں کا ۷ باب)۔

یازدہم شریعت پر عمل کرنے والے کو پولوس ملعون کہتا ہے چنانچہ نامہ اہل گلاطیہ کے باب ۳ میں مذکور ہے بلکہ اسی مقام پر حضرت مسیح علیہ السلام کو بھی بے بدلہ میں ملعون لکھا ہے۔ العیاذ باللہ۔

دوازدہم ان کے پیر و مرشد لوتھر کی یہ تعلیم ہے کہ خوب دلیری سے گناہ کرو اور ایک دن میں ہزار دفعہ حرامکاری اور خون کرو مگر ایمان رکھو تمہارے لیے ایسی نجات یقینی ہے کہ جس طرح مسیح کے لیے (مرآت الصدق مصنفہ پادری ہنری لی صاحب مطبوعہ ۱۸۵۱ء صفحہ ۳۳)

اب نسخ میں کون سی حجت رہی ہے۔ تم سے زیادہ بھی کوئی نسخ کا قائل ہے؟ اگر یہی تکمیل ہے تو پھر نسخ کیا چیز ہے؟

فائدہ۔ قال اللہ تعالیٰ مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا الآیہ اس آیت کے ظاہری معنی پر لحاظ کر کے اکثر مفسرین نے یہ کہا ہے کہ نسخ قرآن کی تین صورتیں ہیں اول یہ کہ حکم منسوخ اور تلاوت باقی ہو جیسا کہ پانچ آیتیں کہ جن کا ہم ابھی ذکر کر آئے ہیں۔

دوم یہ کہ تلاوت منسوخ اور حکم باقی ہو جیسا کہ یہ آیت الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما نکالاً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ۔ لو کان لابن آدم وادیان الآیہ ان کا حکم باقی ہے مگر آنحضرت ﷺ نے ان کو مجموعہ قرآن سے بحکم الٰہی جدا کر دیا تھا۔

سوم یہ کہ حکم اور قرأت دونوں منسوخ ہوں جیسا کہ سورۂ برأت کا اوائل کہ جس کو [illegible] کا مصداق کہنا چاہیے مگر یہ بھی حضرت ہی کے روبرو ہوا۔ اس سے کسی طرح کی قرآن میں تحریف نہیں ثابت ہوتی۔ ہاں اگر بعد میں آپ کے یہ ہوتا تو تحریف و تبدیل کہہ سکتے تھے مگر بعض علماء جیسا کہ ابو مسلم ان سب صورتوں کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں کسی طرح کا بھی نسخ نہیں پایا جاتا نہ نسخ محض احکام کیونکہ جن آیات مذکورہ کے احکام کو تم منسوخ کہتے ہو وہ حقیقۃً منسوخ نہیں

ل یعنی توریت کے احکام۔

جس قدر تغییر مصالح کے لیے ضروری ہے اسی قدر تغییر کیا اور یوں ان کتابوں کی مدح اور تصدیق کی گو وہ کتابیں نزولِ قرآن کے وقت بجنسہٖ محفوظ و دائم پڑنہ تھیں۔ اب پادری فنڈر صاحب و صفدر علی و غیرہم نے جو کچھ زبان درازی کی ہے اہلِ انصاف کے نزدیک محض تعصب اور محض بیہودگی ہے۔

امرِ دوم شانِ نزول کی بحث: اس میں متقدمین و متاخرین کا اختلاف ہے صحابہ و تابعین سبب نزول کو عام معنی پر مستعمل کرتے تھے کیونکہ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ جن چند امور پر آیت صادق آتی ہے ان میں سے بعض جو آنحضرت ﷺ کے عہد میں یا بعد میں واقع ہوتے تھے اسی کو سبب نزول کہہ دیتے تھے اور اس موقع پر جمیع قیود کا متحقق ہونا کچھ ضروری نہیں بلکہ اصل حکم کا متحقق ہونا کافی ہے اور کبھی ایک حادثہ جو آنحضرت ﷺ کے عہد میں واقع ہوا اور آپ نے اس کا حکم اس آیت سے مستنبط کر کے وہاں اس آیت کو پڑھ دیا تو صحابہ ؓ اس کو بھی سبب نزول کہتے تھے۔ گو اس حادثہ سے پیشتر یہ آیت نازل ہو چکی تھی اور کبھی اس صورت میں صحابہ ؓ یوں کہتے تھے کہ اس حادثہ میں خدا نے یہ آیت نازل کی اور یہ اس لیے کہ ایسے امر میں آنحضرت ﷺ کے دل میں اس آیت نازل شدہ کا القا کرنا بھی ایک قسم کی وحی اور نزول ہے اور ایسے مواقع پر کہہ سکتے ہیں کہ یہ آیت دوبارہ نازل ہوئی اور کبھی محدثین اس موقع کو (کہ جس میں صحابہ نے آیت کو بطور سند پکڑا تھا یا انھوں نے اس کو آیت کی مثال ذکر کیا تھا یا آنحضرت ﷺ نے وہاں اپنے کلام شریف میں آیت کو بطور استشہاد پڑھا تھا) شانِ نزول کہہ دیتے ہیں اور درحقیقت یہ سبب نزول نہیں۔ پس ان امور کا احاطہ کرنا مفسر کے لیے کچھ ضرور نہیں بلکہ درحقیقت سبب نزول ہر آیت کا یا سورۃ کا بندوں کی حاجت اور ضرورت ہے کیونکہ مقصود اصلی نزولِ قرآن سے نفوسِ بشریہ کی تہذیب اور عقائدِ باطلہ کا بطلان اور اعمالِ فاسدہ کی نفی ہے۔ پس لوگوں میں عقائدِ باطلہ کا پایا جانا آیاتِ مخاصمہ کے نزول کا سبب ہے اور اعمالِ فاسدہ کا پایا جانا اور باہم معاملات کا پیش آنا آیاتِ احکام کے نزول کا سبب ہے اور لوگوں کا نڈر ہونا یا اس کی رحمت سے نا امید ہونا آیاتِ تذکیر بایام اللہ و آلاء اللہ کے نزول کا سبب ہے۔ وقس علیٰ ہذا۔ پس جو مفسرین آیات کے لیے ہر جگہ ایک قصہ طول طویل نقل کر کے اس کو شانِ نزول بتاتے ہیں محض تکلف فضول ہے بلکہ یہ طویل و عریض قصصِ انبیاء جو مفسرین نے اپنی کتابوں میں نقل کیے ہیں بیشتر علمائے اہلِ کتاب سے منقول ہیں اور صحابہ و تابعین بعض اوقات مذہب مشرکین و یہود اور ان کے عقائد اور عادات کی وضاحت کے لیے قصص جزئیہ بھی نقل کر کے یہ کہتے تھے کہ اس امر میں یہ آیت نازل ہوئی خواہ یہی قصہ ہو یا اس کے مشابہ کوئی اور ہو اور یہ قصہ محض اس امر مجمل کی توضیح و تصویر کے لیے ذکر کیا گیا ہے اور یہی سبب ہے کہ شانِ نزول میں صحابہ کے اقوال مختلف ہوتے ہیں کہ کوئی اس امر کلی کا مصداق کسی جزئی کا اور کوئی کسی کو توضیح کے لیے بیان کرتا ہے۔ اور اسی طریقہ سے قرآن مجید میں کبھی انسان کی نیکی اور بدی کی حالتوں کو اور اس کے نیک و بد نتیجہ کو ذکر کیا جاتا ہے اور وہاں کوئی شخص خاص مراد نہیں ہوتا لیکن جو لوگ اس امر سے واقف نہیں وہ خواہ مخواہ اس کے لیے ایک قصہ خاص بناتے اور شخص خاص کا حال ٹھہراتے ہیں چنانچہ فرماتا ہے وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ

۱؎ تمام پادری جو در پردہ اہلِ کتاب کی روایات اور ان کی کتب محرفہ کو اصلی اور صحیح قرار دے کر جا بجا ان کا مسلمانوں میں پھیلانا منظور ہے۔ مثلاً قصص انبیاء کو حدیث سے جا منقول کہتے پر ہنستے اور جانتے ہیں کہ یہ بھی محمد صلعم اور محمد صادق کے نام سے کیا کیا ہذیان بکا ہے ۱۲ منہ حقانی

كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا الآیہ کہ "ہم نے انسان کو ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا اس کی ماں نے حمل میں اور جننے میں سختی اٹھائی ہے" اور اسی قسم سے یہ آیت ہے وَإِذَا قِيلَ لَهُم مَّاذَا أَنزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا الآیہ اور اسی قبیل سے یہ آیت ہے ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً الآیہ اور یہ آیت بھی اسی قسم سے ہے هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشَّاهَا الآیہ بعض نے اس آیت کو حضرت آدم علیہ السلام کی بابت قرار دے کر ایک جھوٹی حدیث عبد الحارث کی گھڑ لی ہے۔ اور اسی قسم سے یہ آیت ہے قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ اور یہ آیت بھی وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ الآیہ پس ان آیات میں ان جمیع خصوصیات کا ایک جگہ متحقق ہونا کچھ ضروری نہیں جس طرح کہ اس آیت كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ میں یہ ضروری نہیں کہ کوئی چیز ایسا دکھایا جائے کہ جس کے سات خوشے ہوں اور ہر خوشے میں سو دانے ہوں بلکہ یہ ثواب اعمال کی زیادتی کے لیے ایک تمثیل یا تصویر کھینچی عام ہے کہ خارج میں ایسا کوئی چیز ہو یا نہ ہو۔

الحاصل سبب نزول مجملاً تو در حقیقت وہی ہے جو ہم نے بیان کیا اور تفصیلاً بعض حوادث ہیں کہ جو آنحضرت ﷺ کے روبرو پیش آتے تھے جیسا کہ منافقین کے اقوال و افعال ناشائستہ کا حضرت ﷺ کے حضور میں واقع ہونا پھر قرآن میں ان کا دفع کرنا یا غزوات احد اور احزاب و تبوک میں لوگوں سے سستی یا چستی ظہور میں آنا اور اس پر تنبیہ فرمانا یا مدح کرنا وغیر ذلک۔ مفسر کو دو باتوں کا اہتمام ضروری ہے:

اول یہ کہ جن آیات میں اس قسم کے واقعات کی طرف اشارہ ہے اور جو قصص کہ متفرق جگہ مختلف عنوانات سے مذکور ہیں وہاں ان کے معلوم کیے بغیر پورا مطلب قرآن کا سمجھ میں نہیں آتا تو ان حوادث اور قصص کو مختصر طور پر بدلالت سیاق بیان کر دے۔

دوم جہاں تخصیص عام وغیرہ تصرفات قصص میں ہیں وہاں ان کی تشریح کر دے تاکہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آئے اور آیات احکام میں احکام کو باوضاحت بیان کر دے اور آیات تذکیر بآلاء اللہ و وقائع حشریہ میں ان کی صورت بیان کر دے۔

فائدہ: بعض مفسرین آیات میں ربط دیتے وہ سوال و جواب کے طور پر تقریر کیا کرتے ہیں مگر ہر جگہ اس کا التزام کرنا محض تکلف ہے کیونکہ قرآن حسب حاجت ٹکڑے ٹکڑے نازل ہوتا تھا جس طرح بادشاہ کے فرمان حسب حاجت وقتاً فوقتاً آویں اور ان کو جمع کر لیا جائے۔ اسی طرح آیات قرآنیہ نازل ہوئی تھیں اور آنحضرت ﷺ ان کو ایک ترتیب خاص پر جمع کرا دیتے تھے۔ اب جس طرح سلسلہ وار ان فرمانوں کا ربط دینا لاحاصل ہے اسی طرح اول سے آخر تک تمام آیات میں ربط بھی بے فائدہ ہے۔ ہاں جس قدر آیات کہ ایک بار جس مطلب کے لیے نازل ہوئی ہیں ان میں ضرور ربط ہے اس ربط کی تقریر کرنا کچھ مضائقہ نہیں۔

فائدہ: انبیاء بالخصوص جناب رسالت مآب ﷺ کا نفس قدسی بمنزلہ آفتاب جہاں تاب کے تھا۔ ان کے متبعین میں سے بعض لوگوں کے دل نہایت صاف اور ان میں فیض صحبت کی بڑی قابلیت پیدا ہو گئی تھی پس آئینہ کی طرح وہ فیض نبوت ان

دیکھ کر) معانی بیان کر دے۔ اس مقام پر بھی اختلاف فہم کو بڑی گنجائش ہے کیونکہ زبان عرب میں ایک لفظ چند معانی کے لیے آتا ہے اور اس کے سیاق و سباق وغیرہ قرائن سے تعین کرنے میں عقول متفاوت ہیں اس لیے قدماء کا باہم بعض الفاظ کے معنی میں اختلاف ہے۔ دیکھئے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قروء کے معنی حیض اور امام شافعی طہر قرار دیتے ہیں۔ ایسے مقام پر دو باتوں کا لحاظ رکھنا چاہیے (اول) استعمال عرب کو دیکھے۔

(دوم) وجوہ ترجیح میں سے قوی کو اختیار کرے۔ اس شرح غریب میں مفسرین کے مختلف حالات میں بعض تو اصل معنی باعتبار وضع لغوی کے بیان کر دیتے ہیں اور بعض لغوی معنی پر بس نہیں کرتے بلکہ صرف مرادی معنی خواہ اصل معنی کو لازم ہو یا مساوی ہوں یا اس موقع سے مناسبت دیکھ کر بیان کر دیتے ہیں۔ جلال الدین سیوطی نے تفسیر اتقان میں ان الفاظ کی وہ شرح بیان کی ہے جو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بطریق ابن ابی طلحہ و ضحاک منقول ہے اور مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی کتاب فوز الکبیر میں ان سے بھی کمتر بیان کیا ہے کس لیے کہ صحیح بخاری میں جس قدر شرح غریب وارد ہے اس کو بھی شامل کر دیا ہے۔

امر پنجم حذف کی بحث: یعنی کلام میں سے بوجاہت مواد بعض اجزاء کلام یا ادوات کو حذف کر دینا جس سے کسی قدر معنی میں خفا ہو جائے۔ چنانچہ یہ بھی قرآن مجید میں بہت جگہ پایا جاتا ہے۔ مفسر کو ضرور ہے کہ ہر محذوف کو ذکر کر کے کلام میں وضاحت کر دے۔ اس حذف کے چند اقسام میں حذف موصوف، حذف متعلق وغیرہ اور یہ حذف کچھ زبان عرب ہی پر منحصر نہیں ہر زبان میں بلغاء کے کلام میں حذف ہوتا ہے اگر نہ ہو تو مطلب کی عامی کے نزدیک کسی قدر وضاحت ہو جائے گی مگر کلام بے لطف ہو جائے گا۔ اب میں اس حذف کی چند مثالیں دیتا ہوں (وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ) یہاں سے ایک لفظ بر محذوف ہے یعنی بر من امن۔ (وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً) یہاں لفظ آیت محذوف ہے کیونکہ ناقہ مبصرہ نہ تھی بلکہ آیت تھی مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی من فی الارض لفظ من محذوف ہے کیونکہ ایک چیز آسمانوں اور زمین میں نہیں۔ وَاسْئَلِ الْقَرْيَةَ ای اهل القرية لفظ اہل محذوف ہے اسی طرح حروف بھی کلام عرب میں بہت محذوف ہوتے ہیں جَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا یہاں لام محذوف ہے۔ عبارت یوں ہے جعل له نسبا وصهرا وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ یہاں من محذوف ہے یعنی اختار موسیٰ من قومه۔ هُمْ دَرَجٰتٌ ای لهم درجات تَفْتَؤُا ای لا تفتؤا جس کے معنی ہمیشہ کے ہیں اور اسی طرح جملہ شرطیہ کا جواب اور ان کی خبر اور صدر جملہ اور ان کے کل یا اجزاء جار کا محذوف ہونا (بشرطیکہ حذف پر کوئی قرینہ ہو) کلام عرب اور قرآن مجید میں بہت ہے۔ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ اس کا جواب لترى فظيعا عظيما محذوف ہے۔ واضح ہو کہ اصل اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى وغیرہ میں یہ ہے کہ اذ کسی فعل محذوف کا ظرف ہو لیکن قرآن میں

لے علاء الدین کرسچین نے عجب غلطی کی ہے کہ اس قسم کے محذوفات کو ذکر کر کے قرآن پر معترض کیا ہے کہ یوں چاہیے تھا یہ غلط ہے اور ہدایت المسلمین کی ایک فصل میں ان محذوفات کو جمع کر کے ذکر کرتے چلے گئے ہیں جس سے عوام کو یہ ثابت ہو کہ قرآن میں غلطیاں ہیں۔ ان بیہودہ اعتراضات پر ہر عربی داں ہنستے ہیں۔ عیسائی عربی دان بھی ظاہر تو ہوت سمجھتے ہیں مگر ان کے ذکر کرنے سے مدعا ان کے پنجاب کے نا واقف پادری خوش ہوں اور تحریر کا اعادہ کر دیں ورنہ کچھ حقیقت نہیں ان کے جواب میں کوئی کتاب ضخیم لکھنا تضییع اوقات ہے۔ حقانی

اس کو مواضعِ ہولناک پر داخل کر کے ان کو گویا یہ جتا کہ مخاطب کے دل پر ان کی صورت منقش ہو جائے اور خوف پیدا ہو۔ پس ایسے مواضع میں احوال محذوفہ کو تفتیش کر کے ذکر کرنا تکلف ہے کیونکہ یہ تو اعراب میں داخل ہیں نہ جز جملہ ہیں بلکہ محض غرض مذکور کے لیے ذکر کر دیے گئے ہیں اور بعض مفسر ہر جگہ اذ کر محذوف نکالا کرتے ہیں۔

امر ششم بحث ابدال: ابدال یعنی محاورہ کی رعایت یا کسی اور غرض خاص سے کہ جس کو اہلِ زبان جانتے ہیں ایک کلمہ کی جگہ دوسرا کلمہ ذکر کرنا یہ بہت بڑا فن ہے۔ اس کی رعایت کرنا بڑے فصیح و بلیغ کا کام ہے مثلاً جو شخص اردو زبان میں بڑا ماہر ہوگا وہ موقع اور غرض کی رعایت کر کے کبھی کہے گا تناول فرمائیے کبھی کہے گا کھا لو، ٹھونس لو اور کبھی مت بولو، کبھی مت بکو ٹھس ٹھس نہ کرو مت بھونکو۔ حالانکہ سب کے معنی کھانا وغیرہ ذکر کرتے ہیں اور بھونکنا کتے کے لیے بولا جاتا ہے۔ اور اسی طرح مخاطب سے جہاں موقع تعظیم ہوتا ہے بلفظ جمع کلام کرتے اور تو کی جگہ تم کہتے ہیں اور جو شخص زبان سے ماہر نہیں وہ ان مقامات میں ٹھوکریں کھائے گا اور متحمل مضحکہ کر دے جیسا ضروری۔ تم یہی کہہ سکتے کہ قرآن مجید میں اس بات کی رعایت کر کے کبھی ایک فعل کی جگہ دوسرے فعل کو اور مفرد کی جگہ تثنیہ و جمع کو یا بالعکس اور ایک حرف کی جگہ دوسرے حرف کو اور اسم کی جگہ دوسرے اسم کو اور مضمر کی جگہ مظہر کو یا بالعکس ذکر کیا ہے ان کی بہت سی مثالیں ہیں مگر یہاں قدرِ قلیل پر بس کرتا ہوں۔ اَهٰذَا الَّذِیْ یَذْکُرُ اٰلِهَتَکُمْ اس کلام میں یوں تھا یسب الھتکم یعنی برا کہتا ہے یوں کہ یہ شخص ہے جو تمہارے بتوں کا نام لیتا ہے مگر مقصود یہ تھا کہ جو تمہارے بتوں کو گالیاں دیتا ہے پس تہذیباً گالیوں کی جگہ نام لینا بیان کیا جس طرح ہمارے عرف میں بولتے ہیں خدا دشمنوں کو بیمار نہ کرے یعنی آپ کو بیمار نہ کرے۔ بندگانِ عالی سے عرض کرتا ہوں یعنی آپ سے مثلاً لَا یُصْحَبُوْنَ ای لا ینصرون۔ ینصرون کی جگہ یصحبون کو ذکر کیا کیونکہ نصرت بغیر اجتماع اور صحبت کے نہیں ہوتی۔ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ای خفیت۔ ایک اسم کو دوسرے اسم کی جگہ لانے کی یہ مثالیں ہیں فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِیْنَ اعناق چونکہ مونث تھا اس کو خاضعۃ کہنا تھا مگر ایک غرض سے خاضعین کہا وَکَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِیْنَ موقع یہ تھا کہ حضرت مریم علیہا کو کانت من القانتات کہتے مگر جب ان کو ان کے کمالات سے مردوں میں شمار کیا گیا تو یہ لفظ بولا گیا کَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ نِ الْمُرْسَلِیْنَ اصل یوں تھا نوحاً لیکن جب کہ نوح کی تکذیب کی توجیہ اصول متفقہ میں تمام انبیاء کی تکذیب کی اس لیے مفرد کی جگہ جمع کا صیغہ لایا فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ اصل یوں تھا کہ اذاقہا اللہ طعم الجوع کہ خدا نے انہیں بھوک کا مزہ چکھایا مگر چونکہ یہ بات جتانی تھی کہ بھوک کا لباس کی صورت بلا ہونے اور منحنی ہونے میں تمام بدن پر اثر ہے اس لیے طعم الجوع کی جگہ لباس الجوع کہہ دیا (صبغۃ اللہ) اصل دین اللہ تھا۔ چونکہ نصاریٰ پانی میں (غوطہ لگانے) کو باعث پاکی اور سبب رنگین سمجھتے تھے اس لیے فرمایا کہ خدا کے دین سے دل رنگین ہوتا ہے اور اس غوطہ لگانے کا اثر تو بدن ہی پر ہوتا ہے اس لیے دین کی جگہ صبغۃ آیا۔ ایک حرف کی جگہ دوسرے حرف لانے کی یہ مثالیں ہیں فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ ای علی الجبل علیٰ کی جگہ لام کو ذکر کر دیا وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ای الیہا۔ الیٰ کی جگہ لام کو ذکر کیا وَلَاُصَلِّبَنَّکُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ای علی جذوع النخل علیٰ کی جگہ فی آیا وَفِی الْاَرْضِ ای علی الارض اَلسَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ بِهٖ ای منفطر فیہ مُسْتَکْبِرِیْنَ بِهٖ ای عنہ اور کبھی ایک جملہ کی جگہ

دوسرا جملہ بھی لاتے ہیں جب کہ اس سے پہلے کا مطلب بخوبی ثابت ہوتا ہے جیسا کہ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اصل یہ تھا لا یقتل بعضکم بعضا لانہم اخوانکم اور جس طرح کہ بلغاء کے کلام میں ابدال واقع ہوتا ہے اسی طرح تغیر بھی واقع ہوتا ہے کہ کلام کو ایک اسلوب سے دوسرے اسلوب کی طرف تغیر کر دیتے ہیں یعنی کبھی غائب کی ضمیر کی جگہ متکلم کی یا بالعکس اور مخاطب کی جگہ متکلم کی و بالعکس ضمیر لاتے ہیں اور اس کو صنعت التفات کہتے ہیں۔ اس قسم کلام کی بھی بہت سی صورتیں ہیں کہ جن کو فصیح و بلیغ ہر زبان میں ہمیشہ عمل میں لاتے ہیں۔ واضح ہو کہ جس طرح حذف و ابدال و تغیر حسب موقع بلاغت کا جز ہے اسی طرح بعض الفاظ زائد کا لانا بھی کہ جس سے کلام میں حسن اور مطلب عمدہ طرح سے ثابت ہوتا ہے بلاغت کا ایک جزء اعظم ہے۔ پس زبان عرب میں لفظ مثل اور کاف وغیرہ اسی مراد کے لیے آتے ہیں۔ بولتے ہیں مثلک لا یبخل یعنی آپ جیسا بخل نہیں کرتا۔ مراد یہ کہ آپ بخل نہیں کرتے لیکن اس میں زیادہ مبالغہ ہے کیونکہ جب ایک شخص کا مثل نہیں بخل کرتا تو یہ بدرجہ اولیٰ بخل نہ کرے گا لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ یہاں کاف بھی اسی بلاغت کے لیے آیا ہے کہ جس کا بیان ہوا (فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ) یہاں اگر ما کو مصدریہ نہ پڑھا جائے تو لفظ مثل اسی مراد کے لیے آیا ہے۔ بعض لوگ معترض پادریوں کو اردو کے بھی محاورات معلوم نہیں چہ جائیکہ عربی زبان ہے۔ قرآن کے محاورات جاننا تو کجا انہوں نے اپنے قصور فہم سے ایسے مواقع میں قرآن مجید پر اعتراضات کر کے اپنی لیاقت پر دھبہ لگایا ہے۔

(۳) علم محاورات۔ یہ بھی سب سے مشکل فن ہے اپنی زبان کے محاورات پر بخوبی مطلع ہونا مشکل ہے چہ جائیکہ غیر زبان کے محاورات۔ دیکھئے اس ملک میں پادری لوگ اردو دانی کا دعویٰ کیا کرتے ہیں اور سالہا سال لوگوں سے پڑھتے اور بازاروں میں جا کر بول چال سنتے ہیں مگر پھر بھی وہ اردو بولتے ہیں کہ جس پر اہل زبان ہنس پڑتے ہیں۔ ایک پادری صاحب نے کہا دیکھو تمہاری چارپائی پر کتا بیٹھا ہے کہنا چاہیے تھا اترا ہے ایک نے فرمایا (ہماری گائے کا بچہ پیدا ہوا ہے) حالانکہ بچہ انسان کی اولاد میں مستعمل ہوتا ہے اور یہ جاننا (حیوانات کے بچوں کے الگ الگ نام ہیں اور ہر حیوان کی آواز کو الگ الگ لفظ سے تعبیر کرتے ہیں مثلاً گھوڑے کے بچے کو بچھیرا اور گائے کے بچے کو بچھڑا کہتے ہیں اور گھوڑا ہنہناتا اور ہاتھی چنگھاڑتا اور بکری ممیاتی ہے اور پھر ہر ایک کو ان لفظوں سے ادا کرنا اور محاورات میں جو مثالیں اور کہاوتیں کہی جاتی ہیں ان کو ان کے موقع پر کہنا) مشکل بات ہے۔ عرب میں حجاز کی زبان اور اس پر قریش کے زبان زد محاورات کہ جن کو قرآن نے ادا کیا ہے عرب کے نزدیک عجب لطف رکھتے تھے حتی المقدور مفسر کو ان محاورات کا جاننا از بس ضرور ہے جو محاورات قرآن نہیں جانتے وہ مطلب فہمی میں بڑی دقت اٹھاتے ہیں۔ اب میں چند وہ مثالیں بیان کرتا ہوں کہ جو سمجھنے کے لیے کافی ہیں مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا کہ زمین پر کوئی ایسا چلنے والا جاندار نہیں کہ جس کی پیشانی خدا نے نہ پکڑ رکھی ہو۔ یہ ناصیہ پکڑنا ہر ایک کی سمجھ میں نہیں آتا مگر جو یہ جانتا ہے کہ ناصیہ پکڑنا محاورہ عرب میں قبضہ کرنا ہے تو اس کے نزدیک

---

۱ بالعموم علماء اسلام نے ہدایت مسلمین میں توجہ نہ کی اور جاہلوں میں آ کر انہوں نے اعتقاد بگاڑا ہے۔

۲ گھوڑے کی پیشانی کے بال جب سوار تھامتا ہے تو اس کے قبضہ میں آ جاتا ہے یہاں سے ہر جاندار کے قبضے کے لیے یہ لفظ مستعمل ہوگیا۔

گئے ہیں مگر عموم تھیں بھی مراد ہیں۔ اور اسی طرح تو کسی آیت کا شان نزول کوئی خاص حادثہ ہی کیوں نہ ہو اور خواہ کسی خاص شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہو لیکن جب تک قرآن تخصیص نہ کرے تب تک یہی پایا گیا ہے کہ اعتبار عموم الفاظ کا ہو گا۔ خصوصیت مورد کو نہ دیکھا جائے گا۔ جیسا احکام الٰہیہ میں عرب و عجم امیر و فقیر غلام و آقا سب برابر ہیں۔

امر ہشتم محکم و متشابہ کی بحث: محکم و متشابہ کا جاننا۔ قال اللہ تعالیٰ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ واضح ہو کہ محکم اور متشابہ کے معنی میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں محکم وہ کلام ہے کہ جس کی مراد معلوم ہو خواہ بالظہور خواہ بتاویل۔ اور متشابہ وہ ہے کہ جس کو خاص خدا ہی جانتا ہے جیسا کہ خروج دجال و قیامت۔ بعض نے کہا ہے محکم وہ ہے کہ جس کے معنی واضح ہوں اور متشابہ اس کے برعکس ہے کیونکہ جو کلام با معنی ہے یا تو دوسرے معنی کا احتمال رکھتا ہے یا نہیں۔ جو دوسرے معنی کا احتمال نہیں رکھتا وہ نص ہے اور جو رکھتا ہے تو اس کے دوسرے معنی پر دلالت زیادہ ہو گی یا نہیں۔ اول وہ ظاہر ہے ان دونوں کو محکم کہتے ہیں دوسرا دو حال سے خالی نہیں یا تو دونوں معنی برابر سمجھے جاتے ہیں یا نہیں۔ اول مجمل اور ثانی مأول ہے ان دونوں کو متشابہ کہتے ہیں۔ پس نص اور ظاہر تو دونوں محکم کی قسم ہیں اور مجمل اور مأول متشابہ کی۔ یہ تقسیم ان علماء کے نزدیک ہے جو وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ پر وقف لازم نہیں سمجھتے اور وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ کو بھی اس میں شریک جانتے ہیں جیسا کہ اکثر شافعیہ کی یہی رائے ہے اور جن کے نزدیک اِلَّا اللّٰهُ پر وقف لازم ہے تو ان کے نزدیک خدا کے سوائے متشابہ کے معنی کوئی نہیں جانتا اور پھر اس کے قرآن میں نازل کرنے سے صرف عباد کا امتحان مقصود ہے کہ ان امور پر محض خدا کے فرمانے سے ایمان بھی لاتے ہیں یا نہیں۔ پس ان کے نزدیک قول کلام الٰہی کی بلکہ ہر ایک کلام کی یوں تقسیم ہو گی جو کلام کہ ظاہر المراد ہے اس کے معنی میں تاویل کی گنجائش ہے یا نہیں۔ پس اگر ہے۔ اب ظہور مراد اگر محض الفاظ سے ہے تو اس کو ظاہر کہتے ہیں اور جو اس کے ساتھ اس کا سیاق بھی اسی مراد کے لیے ہے اور اس میں اس وجہ سے اور بھی ظہور ہو گیا ہے تو اس کو نص کہتے ہیں۔ اور کبھی مجازاً آیت و حدیث کو بھی نص کہا کرتے ہیں۔ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ یہ آیت اباحت نکاح کے لیے تو ظاہر ہے اور عدد بیان کرنے میں نص ہے کیونکہ اسی لیے یہ کلام چلایا گیا ہے اور جس میں تاویل کی گنجائش نہیں وہ بھی دو حال سے خالی نہیں یا تو نسخ کا احتمال ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو اس کو مفسر کہتے ہیں اور نہیں تو محکم۔ پیغمبر ﷺ کے بعد جمیع آیات احکام اور کل قصص اور آیات متعلقہ توحید وغیرہ سب محکم ہیں۔ ان چاروں اقسام کے مقابلہ میں چار اور قسم ہیں جس طرح ان میں ادنیٰ بوجہ ظہور مراد ترقی تھی۔ ان میں ادنیٰ بوجہ مراد میں خفا اور پوشیدگی کو ترقی ہے کیونکہ جس کلام کے معنی میں پوشیدگی ہے یا تو وہ کسی ایسے عارض سے ہے کہ جو لفظ کے علاوہ ہے یا محض الفاظ ہی میں خفاء ہے اول کو خفی کہتے ہیں اور دوسرا کہ جس کے الفاظ میں اشکال ہے یا تو ایسا اشکال ہے کہ تامل کرنے اور قرائن میں غور کرنے سے دور ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اول کو مشکل کہتے ہیں اور دوسرا کہ جس کا اشکال قرائن میں غور کرنے سے دور نہیں ہوتا وہ دو حال سے خالی نہیں یا اس کے اشکال دور کرنے میں متکلم کی جانب سے انکشاف کی امید ہے یا نہیں اگر ہے تو اس کو مجمل کہتے ہیں ورنہ تو اس کو متشابہ کہتے ہیں جیسا کہ اَلرَّحْمٰنُ عَلَي الْعَرْشِ اسْتَوٰى وجہ اللہ ید وغیرہ ذلک من الصفات المتشابہات اور جیسا کہ اوائل سورۃ میں الٓمّ حٰمٓ وغیرہ حروف مقطعات ہیں۔ یہاں

آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ظاہر کے مقابلہ میں خفی اور نص کے مقابلہ میں مشکل اور مفسر کے مجمل اور محکم کے متشابہ ہے۔ پس جس طرح محکم میں نہایت درجہ کا ظہور ہے متشابہ میں نہایت درجہ کا خفا ہے اور یہ بھی کہ اول فریق کی تقسیم کے موافق مجمل اور ماؤل ہی کو متشابہ کہتے ہیں۔ بعض ان کے نزدیک اور بھی آیات متشابہ ملا لیں ہیں۔ آپ یہ بات بھی خیال میں رکھئے کہ یہ دو محکم اور متشابہ باہم مخالف ہیں یہاں تک کہ جو آیت محکم ہے اس کو متشابہ نہیں کہہ سکتے اور جو متشابہ ہے اس پر محکم کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ یہ سب اس تقدیر پر ہے کہ محکم اور متشابہ سے ظہور و خفا مراد لیا جائے ورنہ جب محکم محکم ہونے سے مراد مضبوطی اور نقصان و اختلاف قبول نہ کرنا مراد لیا جائے گا تو تمام آیات قرآنیہ کو محکم کہا جائے گا کما قال تعالیٰ کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُہٗ اور اسی طرح جب متشابہ کے معنی صدق اور اعجاز میں ایک دوسرے کو شبیہ ہونا قرار دیا جائے گا تو تمام آیات کو متشابہ کہیں گے لقولہ تعالیٰ کِتٰبًا مُّتَشَابِهًا

فائدہ: کسی طرح اس طریق کا (کہ ذہن سے مطلب پر استدلال کیا جاتا ہے) جاننا ضروری ہے اس کے جانے بغیر مطالب قرآن پر مطلع ہونا دشوار ہے اور وہ طریقے چار ہیں کیونکہ یا استدلال الفاظ سے ہے یا معنی سے۔ پہلی صورت میں جو کلام اگر خاص اسی مطلب کے لیے بولا گیا ہے تو اس کو عبارۃ النص کہتے ہیں ورنہ اشارۃ النص۔ دوسری صورت میں اگر وہ مطالب اس لیے سمجھا جاتا ہے کہ شرعاً یا عرفاً یا عقلاً لفظی معنی ان پر موقوف ہیں تو اس کو اقتضاء النص کہتے ہیں ورنہ اگر اس طرح سے نہیں بلکہ زیادہ ہونے کی وجہ سے سمجھ میں آتا ہے تو اس کو دلالۃ النص کہتے ہیں۔ یہ چاروں طریق تو سب کے نزدیک مقبول ہیں۔

ان کے علاوہ بعض محققین کے نزدیک اور طریقوں سے بھی مطلب سمجھا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں مفہوم الشرط، مفہوم الصفۃ وغیرہا کہ ان کو مفہوم مخالف کہتے ہیں اور اسی طرح عام و خاص، مشترک و ماؤل اور حقیقت و مجاز، صریح و کنایہ کا جاننا بھی بالخصوص اس شخص کے لیے کہ جو احکام قرآن پر مطلع ہونا اور ان سے احکام کا استنباط کرنا چاہے ضروری ہے۔

مسئلہ اختلاف قرأت کے بیان میں: واضح ہو کہ کئی طریقوں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کثیر نے یہ نقل کیا ہے ان القرآن انزل علی سبعۃ احرف کلھا شاف کاف یعنی قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے ہر ایک کافی شافی ہے۔ اس حدیث کی صحت میں کسی کو کلام نہیں مگر حروف کے معنی میں علماء کو بہت کچھ اختلاف ہے۔ کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ۔ چنانچہ تفسیر اتقان میں چالیس قول نقل کئے ہیں مگر ان اقوال میں سے بھی اکثر قول ہیں جن کی بہت کسی کو اطلاع نہیں اس لیے ان کو ذکر نہیں کیا میرے نزدیک صحیح نہیں۔ خیر اس کو جانے دو مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ جو باہم مختلف اقوال ہیں وہ سب کے سب صحیح نہیں۔ میں نے جہاں تک علماء محققین کے اقوال اور احادیث صحیحہ میں نظر کی اور مختلف عنوانوں میں اس حدیث کے مطلب پر غور کیا تو یہ معلوم ہوا کہ سات حرف سے قبائل عرب یا قبائل قریش سے وہ مختلف محاورات مراد ہیں

---

۱. قراءات میں حرف سے تقدیم و تاخیر و حرکت میں تغیر یا ایک کلمہ کا دوسری جگہ استعمال ہونے کی وجہ سے پڑھنا یا قرشی و ہوازنی وغیرہ قبائل کے لغات عربی جو کچھ ہو وہ آنحضرت کے لیے آپ کے روبرو تھے کہ جو کچھ معنی نہ تھے اور ... ان ساری وجوہات کو سب پیش نظر رکھ کر قرآن میں تحریف کا دعویٰ کرنا ایک خیال محال ہے۔

قراء سبعہ

اور پھر ان میں سے سات شخص تو ایسے ہوئے کہ دور دراز سے لوگ ان کے پاس آ کر قرآن کی حرکات و سکنات و مد و شد بلکہ لب و لہجہ کو بھی سیکھتے تھے اور اس فن کے مقتدا مانے گئے اور وہ یہ ہیں (۱) نافع۔ اس شخص نے ستر تابعین کی شاگردی کر کے یہ علم حاصل کیا تھا اور یہ مدینہ میں رہتے تھے۔ (۲) ابن کثیر مکی یہ عبداللہ بن سائب صحابی کے شاگرد تھے۔ (۳) ابو عمرو جو تابعین کے شاگرد تھے اور بصرہ میں رہتے تھے (۴) عبداللہ ابن عامر شامی یہ ابوالدرداء اور عثمان کے شاگردوں کے شاگرد تھے (۵) عاصم کوفی یہ بھی تابعین کے شاگرد تھے پھر ان کے شاگرد (۶) حمزہ اور پھر ان کے شاگرد (۷) کسائی۔ یہ سات قاری کہ جن کی سات قرأت مشہور ہیں یہی لوگ ہیں۔ پھر ان میں سے ہر ایک کی قرأت کے دو دو راوی ہیں کہ جن کے لب و لہجہ میں کسی قدر باہم اختلاف ہے۔ چنانچہ نافع سے ان کے شاگرد قالون اور ورش اور ابن کثیر سے قنبل اور بزی ایک واسطہ سے اور ابو عمرو سے دوری اور سوسی ایک واسطہ سے اور ابن عامر سے ہشام اور ذکوان ایک واسطہ سے اور عاصم سے ابو بکر بن عیاش اور حفص (حفص کی قرأت ہندوستان میں مشہور ہے) اور حمزہ سے خلف اور خلاد بواسطہ سلیم اور کسائی سے دوری اور ابو الحارث روایت کرتے ہیں ان سات قاریوں کی قرأت میں جو کچھ اختلاف ہے یا پھر ان کے راویوں کی قرأت میں جو قدرے مخالفت ہے سو وہ سب محض اخفا و اظہار و تفخیم و امالہ و ادغام و رفع و خفض یعنی زیر زبر پیش پڑھنے وغیرہ امور میں ہے کہ جو لب و لہجہ سے علاقہ رکھتے ہیں یعنی ان حضرات نے اپنے اساتذہ سے آنحضرت ﷺ کے قرآن کی ادائیگی اور تلفظ کی کیفیت کو محفوظ رکھا تھا [1] (اور جس طرح علم موسیقی نغمہ سے تعلق رکھتا ہے یہ فن تجوید بھی صرف اسی سے علاقہ رکھتا ہے) [2] پس ان سات قرأتوں سے وہ سبعہ احرف (کہ جو حدیث میں وارد ہیں اور جن کے معنی میں اختلاف ہے) مراد لینا نہایت جہالت ہے۔ وقد ظن کثیر من العوام ان المراد بها القرأت السبعة وهو جهل قبيح۔ اتقان

الغرض قرآن جب لکھا گیا تو خط کوفی میں خالص اسی طرز پر لکھا گیا تھا کہ جو آنحضرت ﷺ نے اپنی حیات میں حفاظ کو یاد کرایا اور کاتبوں سے لکھوا دیا تھا۔ ہاں جو کچھ بطریق تفسیر تھا اور بعض لوگوں نے اس کو اپنے مصاحف میں تبرکاً کچھ

---

[1] جہاں تک میں نے غور کیا قراء کے اختلاف مد و شد میں ہم اللہ ہے جس طرح کہ [illegible] اور اعراب اور [illegible] وغیرہ امور میں اختلاف ہے۔ [illegible] تجوید کا خیال کیا [illegible] جاتا ہے۔

[2] جیسا کہ بعض مفسرین مختلف قرأت بیان کرتے وقت کسی [illegible] کو باہم بیان کرتے ہیں سو وہ محض خبر احاد سے ثابت ہیں وہ کسی طرح قرآن نہیں ہو سکتیں کیونکہ قرآن میں تواتر شرط ہے۔ ہاں ان سے حدیث کا کام لیا جاتا ہے جو سند سے آتی ہے۔

[3] تجوید قرأت کو کہتے ہیں [illegible] مخارج حروف و صفات [illegible] کے [illegible] کتابوں میں بیان کیا ہے۔ سب سے اول ابو عبید قاسم بن سلام نے پھر احمد بن جبیر کوفی نے پھر اسماعیل مالکی نے پھر ابو جعفر بن جریر طبری نے پھر ابو بکر داجونی نے پھر ابو بکر بن مجاہد نے [illegible] تصنیف کی [illegible] ہیں۔ ۱۲ منہ

میں چونکہ یوسف علیہ السلام کا قصہ مذکور ہے اس لیے اس کو سورۂ یوسف کہنے لگے اور کبھی کسی وصف خاص کا بھی لحاظ ہوتا ہے مثلاً سورۂ الحمد میں ایک وصف شفاء ہے اس لیے اس کی سورۂ شفاء رکھا گیا' اسی لحاظ سے ایک سورت کے متعدد نام مقرر ہوئے ہیں اور کبھی اول کلمہ کا لحاظ کر کے وہی نام رکھ دیا جاتا تھا۔ چنانچہ سورۂ نون کو "ن" اور صاد کو "ص" اور ق کو "ق" اور تبت کو "تبت" کہنے لگے وقس علی ہذا۔

فائدہ[1]: احادیث میں اکثر سورتوں کے نام آئے ہیں۔ گو ان میں بعض احادیث ضعیف اور بعض صحیح ہیں۔ پس سب کو غیر ثابت کہہ دینا قاعدۂ محدثین کے برخلاف ہے اور ان اسماء مذکورہ کا تسمیہ میں مرعی رکھنا عرب میں قدیم سے مروج تھا۔ چنانچہ انہی وجوہ سے وہ اپنے قصائد کو موسوم کیا کرتے تھے۔ پس اس تسمیہ کو یہود کی تقلید کہنا جیسا کہ سید احمد خان مقدمہ میں کہتے ہیں بڑی غلطی بلکہ ناوانی ہے۔

تنبیہ: حروف مقطعات انتیس (۲۹) سورتوں کے اول میں آئے ہیں۔ علماء کا ان کے معانی میں اختلاف ہے۔ آپ کو آگے چل کر معلوم ہوگا۔ مگر ایک جماعت نے ان کو ان سورتوں کا نام بھی مانا ہے اور ان کے کئی معنی قرار دیے ہیں لیکن آنحضرت ﷺ سے اس بارے میں کوئی روایت صحیح نہیں آئی۔ پس ان حروف کو سورتوں کا نام بالجزم وحی یا بامر الٰہی سمجھنا اور یوں کہنا ان میں بجز انتیس کے کہ جن کی ابتدا میں حروف مقطعات ہیں اور کسی کو خدا تعالیٰ نے موسوم نہیں کیا۔ سید احمد صاحب بڑی غلطی کی بات ہے۔

فائدہ[2]: قرآن مجید میں کل ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتیں ہیں اور قرآن کی آیات کی تعداد میں اہل کوفہ اور اہل شام اور اہل بصرہ اور اہل مکہ و اہل مدینہ کا اختلاف ہے۔ اختلاف کی یہ وجہ نہیں کہ ایک گروہ بعض کو آیت قرآنی کہتا ہے اور دوسرا ان کو قرآن میں داخل نہیں کرتا بلکہ اس وجہ سے کہ جس گروہ کے نزدیک نبی ﷺ کا جس جگہ وقف کرنا پایا گیا انہوں نے اس کو ایک آیت شمار کیا اور جن کے نزدیک دونوں جگہوں میں وقف کرنا ثابت نہ ہوا بلکہ وصل ثابت ہوا تو انہوں نے دونوں کو ایک آیت سمجھا۔ پس اکثر کے نزدیک چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ (۶۶۶۶) ہیں اور اہل کوفہ کے نزدیک چھ ہزار دو سو چھتیس (۶۲۳۶) ہیں اور اہل مدینہ کے نزدیک چھ ہزار دو سو چودہ (۶۲۱۴) ہیں۔ متاخرین نے آیات پر کہیں لفظ شامی کہیں کوفی لکھ دیا ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ آیت کوفہ یا شام میں نازل ہوئی بلکہ یہ مراد ہے کہ علماء کوفہ کے نزدیک یا علماء شام کے نزدیک یہ آیت ہے۔ واللہ اعلم۔ اور اسی طرح حروف قرآن کا بھی علماء نے شمار کیا ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تین لاکھ بائیس ہزار چھ سو ستر حروف بتائے ہیں اور یہاں بھی اختلاف کا یہ سبب ہے کہ بعض نے حروف مشددہ میں سے ایک کو دو گنا بعض نے ایک ہی شمار کیا۔

فائدہ[3]: لوگوں کی آسانی کے لیے جب علماء نے قرآن مجید پر اعراب لگائے اور علم رسم الخط مدون کیا تو سہولت کے لیے متاخرین نے قرآن کو تیس دنوں کے موافق تیس پارے کیا اور ہر پارہ کے چار ٹکڑے کیے۔ ربع' نصف' ثلث کا لفظ ہر مقام پر لکھا اور پھر ہر ٹکڑے کو تقسیم رکوعات پر کیا اور رکوع کا اشارہ "ع" کے ساتھ کیا۔ پھر رکوع کی پانچ پانچ یا دس دس آیات پر چند نشان لگائے جن کی تفصیل یہ ہے:

ایک کی تفصیل مطولات میں ہے۔ متقدمین کے نزدیک وقف اور قطع اور سکتہ کے ایک ہی معنی ہیں مگر متاخرین نے فرق کیا ہے یعنی لفظ قطع اس صورت میں اطلاق کرتے ہیں کہ جب قاری بالکل ٹھہر جائے اور آگے پڑھنے کا قصد نہ رکھے۔ یہاں تک کہ اگر پھر پڑھے تو دوبارہ اعوذ پڑھنے کی ضرورت ہو اور سکتہ یہ ہے کہ ذرا ٹھہر جائے مگر دم نہ توڑے اور وقف میں ٹھہر جاتے اور دم لیتے ہیں مگر نیت اعراض نہیں ہوتی۔ قراء نے ہر موقع پر لحاظ کرکے وقف کے بہت سے اقسام بیان کیے ہیں۔ ابن انباری کے نزدیک تو وقف کی صرف تین قسم ہیں (۱) وقف تام (۲) وقف حسن (۳) وقف قبیح۔ وقف تام وہ ہے کہ جہاں دوسرے جملہ کو پہلے سے کچھ تعلق نہ ہو پس اول جملہ پر وقف کرکے ابتدائے کلام دوسرے سے کی جائے جیسا کہ اُولٰٓئِكَ مُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ اور حسن وہ ہے کہ پہلے کلام پر وقف تو ٹھیک ہو مگر دوسرے سے تنہا ابتدا بکلام نہ ہوسکے جیسا کہ الحمد للہ پر وقف کرنا کیونکہ رب العالمین جو اس کی صفت ہے تنہا اس سے بغیر موصوف کے ابتدائے کلام نہیں ہوسکتی اور قبیح وہ کہ جو نہ حسن ہو نہ تام جیسا کہ بسم اللہ میں بسم پر وقف کرے۔ اور بعض نے اور بھی اقسام وقف کے بیان کیے ہیں کہ جن کے ذکر کی اس مختصر میں گنجائش نہیں مگر ہم اب ان تمام وقوف کے اشاروں کو جو قرآن میں لکھے جاتے ہیں بیان کرتے ہیں اس سے وقوف کے اقسام بھی کھلے۔

○ یہ گول دائرہ آیت کی علامت ہے اور بعض اس میں نقطہ بھی لکھتے ہیں اور بعض فقط لفظ ی پر بس کرتے ہیں۔ یہاں ٹھہرنا چاہیے۔

م یہ اشارہ ہے وقف لازم کی طرف یہاں ٹھہرنا ضرور ہے ورنہ کلام کے معنی بدل جائیں گے۔

ط یہ اشارہ ہے وقف مطلق کے لیے یہاں ٹھہرنا بہتر ہے یہ اس صورت میں ہے کہ جب دوسرے جملہ سے ابتدا کرنا حسن ہو۔

ج یہ علامت وقف جائز کی ہے کہ یہاں وقف کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہیں چاہے کرے چاہے نہ کرے۔

ز یہ علامت ہے اس کی کہ یہاں نہ ٹھہرے اور اگر ٹھہرے گا تو جائز ہے۔

صلے یہ علامت اس بات کی ہے کہ یہاں وقف کی رخصت ہے یعنی خوبی کلام کی وجہ سے یہاں دم لینا بھی مطلقاً نہیں یہاں وقف نہ کرنا بہتر ہے بخلاف ز کے۔

یہ علامات تو وہ ہیں کہ جو متقدمین کے نزدیک مروج تھیں مگر متاخرین نے چند اور علامات مقرر کی ہیں اور وہ یہ ہیں:

علامت ہے الوصل اولیٰ کی یعنی اس مقام پر وقف نہ کرنا اولیٰ ہے ملا کر پڑھنا چاہیے۔

ق علامت ہے قیل کی یعنی کہا گیا ہے کہ یہاں وقف ہے مگر یہاں بھی نہ ٹھہرنا بہتر ہے کیونکہ قیل ضعف وقف پر دال ہے۔

صل علامت ہے قد یوصل کی یہاں وقف اولیٰ ہے۔

ک علامت کذلک کی ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ یہاں وہی وقف ہے جو اوپر گزرا ہے۔

قف صیغہ امر ہے یہاں وقف کرنا چاہیے۔

سکتہ علامت سکتہ کی ہے اور کبھی لفظ سکتہ بھی لکھ دیتے ہیں کہ یہاں ذرا ٹھہر جاؤ اور دم نہ توڑو۔

قلا قیل لا کی علامت ہے یعنی بعض نے یہاں نہ ٹھہرنا کہا ہے۔

لا اگر کسی آیت پر نہیں تو باتفاق نہ ٹھہرنا چاہیے یہ وقف لازم کے مقابلہ میں ہے جس طرح وہاں ملا کے پڑھنے سے معنی خراب ہوتے ہیں یہاں وقف کرنے سے۔ یہ وقف قبیح کی صورت ہے اور اگر آیت کے اوپر لا ہے تو اس میں محدثین کا بڑا اختلاف ہے اکثر قراء اور محدثین کہتے ہیں ٹھہریئے اور اکثر قراء کہتے ہیں نہ ٹھہریے اور یہی مشہور ہے۔

مع علامت معانقہ کی ہے کہ یہاں دو جگہ قریب قریب ہیں جن پر تین نقطے لکھے ہوئے ہیں اس سے یہ مراد ہے کہ ان دونوں نقطوں میں سے دوسرے کو پہلے کے ساتھ وہ ارتباط ہے جو اگلے لفظ کے ساتھ خواہ پہلے لفظ پر وقف کرو دوسرے کو تیسرے کے ساتھ ملا کر پڑھو دونوں پر وقف نہ کرو جیسے لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ میں لاریب اور فیہ میں معانقہ ہے خواہ لاریب پر وقف کرو کیونکہ اس فیہ کو دونوں سے ربط ہے۔ مراقبہ میں دو جگہ قریب قریب وقف ہوتے ہیں اگر ایک پر وقف کرو تو دوسرے پر ہرگز نہ کرو۔

باب سوم

فصل اول

واضح ہو کہ قرآن مجید میں اکثر جگہ تورات و انجیل و زبور و صحف ابراہیم علیہ السلام وغیرہ کا ذکر آیا ہے اور ان کی مدح اور تصدیق اور کتاب الٰہی ہونا بیان کیا ہے اور بعض مضامین کا حوالہ ان کی طرف دیا ہے اس لیے جمہور اہل اسلام کے نزدیک ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔ جمیع انبیاء اور تمام کتب الٰہیہ کو بلا تفریق حق سمجھنا خاص اہل اسلام کا ہی حصہ ہے۔ اس لیے مجھ کو ضرور ہوا کہ ان کتابوں کا کسی قدر مختصر حال بیان کروں تاکہ ہر شخص کو معلوم ہو جائے کہ اس وقت جو کتابیں اس نام کی اہل کتاب کے پاس ہیں وہ اصلی نہیں ہیں۔ اس زمانہ میں عیسائیوں کا بڑا زور ہے۔ پادری گلی کوچوں میں لوگوں کو بہکاتے پھرتے ہیں۔ مشن کالج مقرر کرتے لڑکوں کو مالی مدد دے کر انجیل کی تعلیم دیتے اور کرسچن بناتے ہیں بلکہ پردہ اٹھانے کے بہانے سے شرفائے اہل اسلام کے گھروں میں مستورات کے بہکانے کے لیے جوان جوان شاطر میموں کو بھیجتے ہیں اور وہ عمر کے نوجوانوں سے نہایت خوش اخلاقی سے پیش آ کر رجھاتی ہیں اور دین سے برگشتہ کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ تمہارے قرآن میں بھی تورات و انجیل و زبور پر ایمان لانے کی تاکید ہے یہ کتابیں ہمارے پاس ہیں ان پر ایمان لاؤ۔ ان میں جو کچھ لکھا ہے اس کو مانو۔ مسیح خدا کا بیٹا اور دنیا کا کفارہ ہے۔ جب سادہ لوح اس دام میں آ گئے تب ان کو اور کچھ سکھایا کہ تمہارے نبی کے پاس کوئی معجزہ نہ تھا اگر ہوتا تو قرآن میں مندرج ہوتا جس کو تم نبی سمجھے ہو وہ نبی نہ تھے۔ اس نے قرآن میں بہت سی غلط باتیں لکھ دیں اور جب کسی نے پوچھا اچھا میم صاحب ان باتوں کے غلط ہونے کی کیا دلیل تو انہوں نے کہا جس کو تم چند روز ہوئے تورات و انجیل مان چکے ہو یہ باتیں ان کے برخلاف ہیں اس لیے غلط ہیں۔

اب تو یہ فریب آمیز تقریر پھر میم صاحب کی نرم و نازک آواز اور یورپ کے تازہ واقعات اور بھی غضب ڈھاتی ہے۔ اس لیے اس پر آشوب زمانہ میں ان کتابوں کی تحقیقات کی ہم کو زیادہ ضرورت ہوئی۔ اہل کتاب اپنی تمام کتب سماویہ کے مجموعہ کو بائبل کہتے ہیں۔ پھر اس کے دو حصے ہیں ایک عہد عتیق یعنی پرانی کتابیں اور دوسرا عہد جدید اور جس طرح ہم قرآن کے جملوں کو آیت کہتے ہیں۔ یہ لوگ ورس کہتے ہیں پہلے حصہ میں یہ کتابیں:

(۱) سفر خلیقہ جس کو کتاب پیدائش بھی کہتے ہیں ابتدائے پیدائش آسمان و زمین کے حال سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک سلسلہ وار تاریخ کے طور پر بیان ہے۔

(۲) سفر خروج جس میں بنی اسرائیل کو مصر سے نکلنے وغیرہ امور کا ذکر ہے۔

---

۱ لفظ بائبل کے معنی کتاب ہے۔۱۲ منہ

۲ سفر کے معنی کتاب اور اسی طرح زبور کے معنی مکتوب جس کی جمع زبر آتی ہے جس سے مراد کتب ہوتی ہیں۔ یہ سب اہل کتاب کے نزدیک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کہی جاتی ہے۔

(٣) کتاب احبار جس میں قربانی اور قصاص اور جانوروں کی حلت و حرمت وغیرہ احکام ہیں۔

(٤) سفر عدد جس کو گنتی کی کتاب کہتے ہیں اس میں بنی اسرائیل کے فرقوں کا شمار ہونے کا اور اور کچھ بیان ہیں۔

(٥) سفر استثناء اس میں ملک فلسطین کی تقسیم وغیرہ مذکور ہیں۔ ان پانچوں کو تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف کہتے ہیں۔ یہ تورات ضخامت میں تخمینا سعدی کی بوستان کے برابر ہے۔

(٦) کتاب یشوع

(٧) قاضیوں کی کتاب

(٨) ار عوث یا روت کی کتاب یہ مختصر ورق میں ابی ملک اور اس کی جورو نعومی کا قصہ ہے۔

(٩) صموئیل کی اول کتاب

(١٠) صموئیل کی دوسری کتاب

(١١) سلاطین کی پہلی کتاب

(١٢) سلاطین کی دوسری کتاب

(١٣) اول کتاب تواریخ

(١٤) دوسری کتاب تواریخ کہ جس کو اخبار الایام بھی کہتے ہیں۔

(١٥) عزرا[1] کی کتاب اول

(١٦) عزرا کی دوسری کتاب کہ جس کو کتاب نحمیا بھی کہتے ہیں۔

(١٧) کتاب ایوب[2]

(١٨) زبور[3] داؤد علیہ السلام اس میں محض مناجات اور خدا کی مدح رکھا ہے۔

(١٩) امثال سلیمان علیہ السلام اس میں چند نصائح ہیں۔

(٢٠) کتاب واعظ جس کو جامع بھی کہتے ہیں۔

(٢١) غزل الغزلات کہ جس کو نشید الانشاد بھی کہتے ہیں یہ چار پانچ ورق کا رسالہ ہے جس میں عاشقانہ مضامین ہیں بلکہ بعض فحش آمیز کلمات بھی ہیں۔

(٢٢) یسعیاہ نبی کی کتاب

(٢٣) یرمیاہ نبی کی کتاب

(٢٤) یرمیاہ نبی کا نوحہ یا مرثیہ کہ تین چار ورق میں ہے۔

---

١ یعنی عزیر علیہ السلام۔ ١٢ منہ

٢ اس میں کسی نے حضرت ایوب علیہ السلام کی مصیبت اور ان کے صبر کا قصہ لکھا ہے جو کچھ ناول سا معلوم ہوتا ہے۔ ١٢ منہ

٣ ان کو مزامیر بھی کہتے ہیں۔ ١٢ منہ

(۲۵) حزقیل کی کتاب

(۲۶) دانیال علیہ السلام کی کتاب۔

(۲۷) ہوسیع نبی کی کتاب۔

(۲۸) یوئیل نبی کی کتاب یہ صرف دو ورق ہیں۔

(۲۹) عاموس نبی کی کتاب یہ کل چار ورق کی ہے جس میں کچھ پیشین گوئیاں ہیں۔

(۳۰) عبدیاہ نبی کا خواب جو ایک صفحہ پر ہے۔

(۳۱) کتاب یوناہ یعنی یونس علیہ السلام کا ڈیڑھ ورق پر مختصر حال۔

(۳۲) میکایاہ علیہ السلام کا چار ورق پر الہام بیان ہے۔

(۳۳) ناحوم علیہ السلام کا الہام جو نینوہ شہر کی نسبت ہے دو ورق میں۔

(۳۴) حبقوق نبی کا الہام جو دو ورق پر ہے۔

(۳۵) صفنیاہ یا صفونیاہ نبی کا الہام جو دو ورق پر ہے۔

(۳۶) حجی نبی کا الہام جو دارا شاہ ایران کے عہد میں ہوا ایک ورق پر۔

(۳۷) زکریا علیہ السلام کا الہام جو دارا کے عہد میں ہوا تھا آٹھ ورق پر۔

(۳۸) ملاخیا یا ملاکی نبی کا الہام دو ورق پر جس میں الیاس کے آنے کی بھی خبر ہے یہ حضرت مسیح علیہ السلام سے چار سو برس پہلے تھے اور کبھی ان صحیفوں کے مجموعہ کو بھی مجازاً تورات کہتے ہیں۔ یہ ۳۸ کتابیں وہ ہیں کہ جن کو یہود اور عیسائی سب مانتے ہیں مگر فرقہ سامریہ ان میں سے صرف تورات خمسہ[۱] اور کتاب یوشع اور کتاب القضاۃ کو مانتے ہیں اور سب کے منکر ہیں (اور یہ سب کتابیں عبرانی زبان میں ہیں جو ملک یہودیہ کی قدیم زبان ہے اور یہود کے نزدیک عبرانی نسخ ان کے کچھ اور ہیں تو تعجب نہیں۔ پھر ان کے تراجم یونانی اور لاطینی اور عربی وغیرہ زبانوں میں ہو گئے۔ میرے پاس بالفعل اردو بائبل مطبوعہ مرزا پور ۱۸۶۲ء موجود ہے تحقیق) عیسائیوں نے نو اور کتابیں اس مجموعہ میں داخل کی ہیں کہ جن کی تسلیم و عدم تسلیم میں ان کے متقدمین و متاخرین میں سخت اختلاف ہے چنانچہ ابھی آپ کو معلوم ہو جائے گا اور وہ نو (۹) کتابیں یہ ہیں۔

(۱) کتاب استر یہ پونے ورق کا ایک دلچسپ قصہ استر یہودیہ کا ہے کہ جس کو اخسویرس بادشاہ نے اپنی ملکہ پر خفا ہو کے اپنی ملکہ بنایا اور اس کے چچا زاد بھائی مردکی کو کہ جو اس کا مربی تھا بسبب خیر خواہی کے اپنا وزیر اعظم کیا اور ہامان وزیر سابق کو جو یہودیوں کا سخت دشمن تھا مع زن و فرزند قتل کیا (یہ قصہ اب تک عیسائیوں کے نزدیک کتب مقدسہ میں شمار ہے)۔

(۲) کتاب باروق۔

(۳) ایک حصہ کتاب دانیال کا

(۴) کتاب توبیاس

۱: موسیٰ کی پانچوں کتابیں۔ ۱۲ منہ

دکھائے اور مخالفوں نے ان کو ایسی ایسی تکلیفیں دیں۔ اس کے مؤلف کا نام بھی معلوم نہیں۔ غالباً یہ اسی شخص کی تالیف ہے کہ جس نے تیسری انجیل لکھی ہے یعنی لوقا کی کیونکہ اس کی ابتدا میں وہ یوں کہتا ہے قولہ "اے تھیوفلس وہ پہلی کیفیت میں نے تصنیف کی ان سب باتوں کی جو کہ یسوع شروع سے کرتا اور سکھاتا رہا اس دن تک کہ جب وہ اوپر اٹھا لیا گیا۔ انتہی

(۶) حواریوں اور غیر حواریوں کے خطوط کہ جن کی تفصیل یہ ہے پولوس کے (کہ جس نے دین عیسائی برباد کیا) ۱۴ خط اور پطرس حواری کا اول خط اور یوحنا کا پہلا خط سوائے چند فقرات کے یہ کل بیس (۲۰) کتابیں ہیں جن کو سب عیسائی بالاتفاق مانتے ہیں اور سات کتابیں اور ہیں جن کو قدمائے مسیحیین نے رد کر دیا اور متاخرین نے ان کو اپنی کتب مقدسہ میں شمار کیا ہے۔

(۱) پولس کا اول خط جو عبرانیوں کو لکھا ہے۔

(۲) پطرس کا دوسرا خط

(۳) یوحنا کا دوسرا خط

(۴) یوحنا کا تیسرا خط

(۵) یعقوب کا خط

(۶) یہودا کا خط

(۷) مکاشفات یوحنا (واضح ہو کہ) شاہ قسطنطین کے حکم سے شہر نائس میں عیسائی علماء کی ۳۲۵ عیسوی میں ایک مجلس (کونسل) تثلیث والوہیت مسیح کے مسئلہ پر بحث کرنے کے لیے قائم ہوئی اور ان کتب مشکوکہ کی بابت بھی بحث آئی۔ اس علماء نے بڑی بحث اور تحقیق سے یہ حکم دیا کہ ان مشکوک کتابوں میں سے صرف کتاب یہودیت واجب التسلیم ہے چنانچہ یہ بات جیروم کے اس مقدمہ سے معلوم ہوتی ہے کہ جو اس نے اس کتاب پر لکھا ہے پھر ۳۶۴ء میں ایک اور کونسل ہوئی کہ جس کا نام کونسل لوڈیسیا ہے اس مجلس نے بھی کتاب یہودیت کو واجب التسلیم مانا اور سات کتابیں اور واجب التسلیم بتائیں جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) کتاب آستر

(۲) یعقوب کا خط

(۳) پطرس کا دوسرا خط

(۴) اور

(۵) یوحنا کے دونوں خط

(۶) یہودا کا خط

(۷) پولس کا وہ خط جو عبرانیوں کو لکھا ہے۔

---

(۱) یہوداہ اسکریوطی کہ جس نے مسیح کو گرفتار بھی کرا دیا تھا علاوہ ان کے اور مرد اور چند عورتیں بھی کہ مریم مگدلینی سلومی اور یعقوب کی ماں مریم بھی حضرت کے مخلصین میں سے تھیں ۱۲ منہ

اور کتاب مکاشفات یوحنا کو دیباچی مشکوک چھوڑا اور اس حکم کو بذریعہ اشتہار جا بجا مشتہر کرادیا۔ پھر ۳۹۷ء میں ایک اور کمیٹی قائم ہوئی جس کو انجمن کارتیج کہتے ہیں۔ اس میں علاوہ اگستائن کے جو ان کے نزدیک بڑا عالم تھا ایک سو چھبیس اور بڑے بڑے عالم تھے اس مجلس میں پہلی مجلسوں کے حکم کو بحال رکھ کر یہ سات کتابیں اور واجب التسلیم قرار دی گئیں۔

(۱) کتاب وزدم

(۲) کتاب توبیاس

(۳) کتاب باروخ

(۴) کتاب ایکلو یاسٹیکس

(۵)(۶) مقابیین کی دونوں کتابیں

(۷) مکاشفات یوحنا۔

لیکن اس مجلس نے کتاب باروخ کو کتاب ارمیاہ کا جز بنایا کیونکہ باروخ یرمیاہ علیہ السلام کے خلیفہ اور نائب تھے۔ اس کے بعد اور تین مجلسیں مقرر ہوئیں کہ جن کو مجلس ترلو اور مجلس فلورنس اور مجلس ٹرنٹ کہتے ہیں۔ ان مجلسوں نے مجلس کارتیج کے حکم کو باقی رکھا مگر کتاب باروخ کو فہرست کتب میں سے علیحدہ لکھا۔ پس یہ کتابیں بارہ سو برس تک عیسائیوں میں واجب التسلیم رہیں۔ یہاں تک کہ فرقہ پروٹسٹنٹ ظاہر ہوا۔ اس نے کتب باروخ اور کتاب توبیاس اور کتاب یہودیت اور کتاب وزدم اور کتاب ایکلو یاسٹیکس اور مقابیین کی دونوں کتابوں کو رد کر دیا اور غلط سمجھا اور کتاب آستر کے چند بابوں کو بھی الحاقی بتا دیا کیونکہ اس کے سولہ باب تھے جس میں سے اب نو باب اور دسویں کی بعض آیات کو مانتے ہیں اور باقی سب کو جعلی جانتے ہیں۔ اب آپ کو اسناد کی تحقیق اور ان کتابوں میں اختلاف کی وجہ بخوبی معلوم ہوگئی۔

فصل دوم

پیشتر اس کے کہ میں آپ کو ان کتابوں کی اصلیت بتاؤں ایک اور بات بتاتا ہوں کہ جس سے آپ کو ان اصلی کتابوں کے گم ہو جانے میں کچھ تعجب نہ رہے اور وہ یہ ہے کہ قسیس تورتن کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں لکھنے کا دستور نہ تھا۔ اس قول کی صداقت ان دو باتوں سے اور بھی ہوتی ہے:

(اول) یہ کہ اس زمانہ میں کاغذ نہ تھا یہاں تک کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے کئی سو برس بعد کاغذ ایجاد ہوا اور لکھنے کا دستور جاری ہوا۔ چنانچہ اس ہسٹری میں کہ جو ۱۸۵۰ء میں لندن مطبع چارلس ڈالس میں چھپی ہے لکھا ہے کہ اول زمانہ میں سلائیوں سے تختوں پر حروف نقش کیا کرتے تھے پھر سب سے اول مصر والے درخت پیپرس کے پتوں پر لکھنے لگے پھر بلدہ برگس میں کھال کی وصلی ایجاد ہوئی اور آٹھویں صدی میں روئی اور ریشم کا کاغذ تیار ہوا۔

(دوم) یہ کہ تورات مطبوعہ ۱۸۲۵ء میں یہ ہے کہ مذبح کے پتھروں پر وضاحت سے تمام توریت کو لکھا تھا۔ چنانچہ نسخہ فارسیہ مطبوعہ ۱۸۴۵ء کی یہ عبارت ہے (در انجا بر سنگ ہا نسخۂ توراۃ موسیٰ علیہ السلام را کہ در حضور بنی اسرائیل نوشتہ بود نوشت۔ انتہیٰ

بلفظہ اگرچہ بالفعل کے نسخوں میں پہلی جبلی عدت کے موافق اہل کتاب نے توراۃ کو چھوڑ کر احکام بنائے ہیں لیکن ہمارا مدعا تو بخوبی ثابت ہے کہ اس وقت میں کاغذ نہ تھا اور اگر تھا تو بہت کم اور کاغذ پر لکھی ہوئی بالخصوص اتنی ضخیم کتابیں کہ جیسے توراۃ ہے شاید تمام قوم میں ایک آدھ ہی نسخہ ہو اور حفظ کا رواج نہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ نسخہ توراۃ (کہ جو کتاب الٰہی تھی خواہ بواسطہ جبرائیل علیہ السلام بعد الفاظ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی یا بطور الہام کے انہوں نے لکھی تھی ہرچہ باشد) احبار کو دے دیا تھا اور انہوں نے صندوق شہادت میں رکھ دیا تھا اور سات برس کے بعد صندوق کھلتا اور یہودی عید کے روز اس کو سنتے تھے۔ چنانچہ حضرت یشوع نے بھی یہی حال رکھا۔ پھر جب یہودیوں میں انقلاب ہوا کہ کبھی مرتد ہو کر سالہا سال بت پرستی کرتے تھے اور کبھی اسلام لاتے تھے تو ان حوادث میں توراۃ جاتی رہی۔ جزماً نہیں کہہ سکتے کہ کب گئی مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ سلیمان علیہ السلام کے عہد سے پیشتر تلف ہوئی کیونکہ جب سلیمان علیہ السلام نے وہ صندوق کھولا تو اس میں فقط وہ دو لوح برآمد ہوئیں کہ جن میں دس احکام لکھے ہوئے تھے۔ چنانچہ یہ بات اول کتاب السلاطین کے ۸ باب درس ۹ سے ثابت ہے پھر سلیمان علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی سلطنت کے دو ٹکڑے ہو گئے اور دونوں سلطنتوں میں کفر اور بت پرستی نے تخمیناً اڑھائی سو برس تک دور دورہ پکڑا کہ خدا کے عبادت خانہ میں بھی بت کے لیے ہر جگہ مذبح بنائے گئے اور بیت المقدس کے دروازے بند ہو گئے اور اس عرصہ میں دو بار صدمے بھی ہوئے چنانچہ ایک بار سلطان مصر نے چڑھائی کر کے بیت المقدس کو لوٹ کر تباہ کر دیا اور تمام چیزیں لے گیا اور ایک بار امرائیل کا ایک مرتد بادشاہ چڑھ آیا اور اس نے بھی ایسا ہی کیا۔ الغرض سلیمان علیہ السلام کے بعد سے تخمیناً چار سو برس تک یہ حال رہا کہ ایک مدت تک چند بادشاہ مشرک اور مرتد ہو کر دین موسوی کو برباد کرتے رہے اور بیچ میں ایک دو دین دار بھی ہو گئے۔ آخرکار یوسیاہ کے عہد میں تو از حد کفر اور بت پرستی ہوئی چنانچہ خاص بیت المقدس میں بت رکھے گئے یہاں تک کہ جب یوسیاہ بن آمون تخت پر بیٹھا اور صدق دل سے بت پرستی سے توبہ کر کے دین موسوی کی طرف متوجہ ہوا تو توراۃ کو بہت ڈھونڈا لیکن اس کو توراۃ کا پتہ نہ لگا مگر اٹھارھویں سال خلقیاہ کاہن نے دعویٰ کیا کہ مجھ کو نسخہ توراۃ بیت المقدس میں سے ملا ہے اور اس نے بذریعہ سافان کاتب کے وہ نسخہ یوسیاہ کو دیا کہ جس کو سن کر یوسیاہ کو بنی اسرائیل کے گناہ پر بڑا رنج ہوا (بظاہر سمجھ میں نہیں آتا کہ باوجود اس تجسس کے نہ بادشاہ کو نہ کسی اور کو بیت المقدس میں نسخہ توراۃ ملا مخفیاً کو مل گیا۔ پس تحقیق یہ ہے کہ اتنی مدت تک خلقیاہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات و دیگر حکایات کو اپنے طور پر جمع کرتا رہا جب مرتب ہو گیا تو دعویٰ کیا) پس جب یہ بادشاہ مر گیا تو اس کی جگہ اس کا بیٹا یہو آخز تخت

ل اور یہ کہنا کہ لوہے یا لکڑی یا پیسے کے تختہ پر لکھنا بہت ہی بعید اور یہ خیال اور صورت بھی جائز ہے کہ توراۃ لوہے یا پتھر یا لکڑی کے تختوں پر لکھی ہو۔ بالکل لغو ہے کیونکہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو جب اس قدر توراۃ کا ایک ہی نسخہ ہوگا کیونکہ وہ اتنی بڑی کتاب کہ اس وقت ہے ایسے چیزوں کے تختوں پر لکھنا تو بہت مشکل تھا بلکہ اس زمانہ کے لحاظ سے محال معلوم ہوتا ہے اور جب توراۃ کا مجموعہ مثل خزائن کی تختوں پر لکھوا کر ایک جماعت وہ بالفرض تمام نسخے مہیا کیے گئے تو اس قدر لکڑیوں کا انبار بخت نصر وغیرہ کے حوادث میں محفوظ رہنا اور اس کا کسی بھی یاد نہ ہونا محال ہے۔ پس اس انبار میں سے اس میں نسخے ہی کم ہو گئے تو توراۃ میں قطعی کمی ہوئی پھر بخت نصر کے بعد عزیز اس میں اس کے محفوظ رہنے کی کیا صورت ہے۔ ۱۲ منہ دوسری کتاب استثناء کے اکتیسویں باب نویں درس میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس شریعت کو لکھا اور بنی لاوی کے جو صندوق شہادت اٹھاتے تھے اور اسرائیل کے سب بزرگوں کے حوالے کیا۔ ۱۲ منہ

قدر رواج تھا کہ تمام یہودیوں کا قومیت سے ایک ملک مخصوص چلا آتا ہے اس زمانہ تک دور دراز جہاں میں کہاں پھیلے تھے جو بعد اسلام اور قرآن پر قربان کیا ہو گئے اس امر کی تصدیق اس سے بھی بخوبی ہوسکتی ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام وغیرہ انبیاء علیہم السلام کے صحیفے عدم سے مفقود ہوگئے اسی طرح انبیاء بنی اسرائیل کی بہت سی کتابیں کہ جن کا ذکر عہد عتیق میں اب تک پایا جاتا ہے ان حوادث کی وجہ سے زمین سے معدوم ہوگئیں اور وہ یہ ہیں۔

(۱) موسے کا جنگ نامہ جس کا ذکر سفر عدد کے ۲۱ باب ۱۴ آیت میں ہے۔

(۲) کتاب یاشر جس کا ذکر کتاب یوشع کے ۱۰ باب ۱۳ آیت میں ہے۔

(۳) اور (۴) اور (۵) سلیمان علیہ السلام کی تین کتابیں تھیں ایک کے پندرہ سو زبورات تھے دوسری مخلوقات کی تاریخ تھی تیسری میں تین ہزار امثال تھیں کہ جن میں سے کسی قدر امثال اب تک باقی ہیں ان تینوں کا ذکر کتاب اول سلاطین کے ۴ باب کے ۳۲ اور ۳۳ آیت میں ہے۔

(۶) کتاب قوانین سلطنت صموئیل کی تصنیف جس کا ذکر اول کتاب صموئیل کے ۱۰ باب ۲۵ آیت میں ہے۔

(۷) تاریخ صموئیل۔

(۸) تاریخ ناتھن نبی کی۔

(۹) تاریخ غیب بین جاد کی۔ ان تینوں کا ذکر اول کتاب التواریخ کے ۲۹ باب ۳۰ آیت میں موجود ہے۔

(۱۰) کتاب سمعیاہ کی

(۱۱) کتاب عیدو غیب بین کی۔

(۱۲) کتاب اخیاہ نبی کی۔

(۱۳) مشاہدات عیدو غیب بین کے۔ ان دونوں کا ذکر دوم کتاب تواریخ کے ۹ باب ۲۹ آیت میں ہے۔

(۱۴) یاہو نبی کی کتاب اس کا ذکر دوم کتاب تواریخ کے ۲۰ باب ۳۴ آیت میں موجود ہے۔

(۱۵) اشعیاہ نبی کی کتاب کہ جس میں شاہ عزیاہ کا اول سے آخر تک حال مندرج تھا اس کا ذکر دوسری کتاب التواریخ کے ۲۶ باب ۲۲ آیت میں ہے۔

(۱۶) اشعیاہ نبی کے مشاہدات اس کا ذکر دوسری کتاب التواریخ کے ۳۲ باب ۳۲ آیت میں ہے۔

(۱۷) مرثیہ ارمیا کا یوشیاہ علیہ السلام پر کا دوم کتاب التواریخ کے ۳۵ باب کی ۲۵ آیت میں ہے۔

(۱۸) کتاب تواریخ ایام اس کا ذکر کتاب نحمیاہ کے باب ۱۲ کی ۲۳ آیت میں ہے۔

اور وہ کتابیں جو بقول مورخ حزقیال علیہ السلام کی اور تھا جو اب بے ہیں یہ کتابیں ہیں کہ جن کے مفقود ہونے کو تمام علماء اہل کتاب اقرار کرتے ہیں اور افسوس ظاہر کرتے ہیں مگر اس قول سے کہ کوئی جواب نہ ملے تھے معاملہ سست ہو چست یہ بات بناتے ہیں کہ یہ کتابیں الہامی نہ تھیں اس لیے متقدمین نے ان کو محفوظ نہ رکھا اور اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آٹھ کتابیں اور تھیں کہ جن کو بعض عیسائیوں کے بزرگوں نے سند پکڑی ہیں ان میں سے بھی اکثر مفقود ہیں ان کے یہ نام ہیں:

السلام کیا بلکہ حضرت یوشع علیہ السلام کے بعد واقع ہوا ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام تو اپنی زندگی میں ان ملکوں تک پہنچے بھی نہ تھے۔ بستیوں کا حرمہ کرنا تو کیا؟ ان مقامات پر مفسرین اہل کتاب عاجز ہو کر یہ کہتے ہیں کہ یہ جملے الحاقی ہیں اور ان کو حضرت عزیر نے ملا دیا ہے مگر یہ جب قبول ہو کہ اس کا کوئی ثبوت کافی ہوتا ورنہ بے تکی عزیر کا نام لے دینا فضول ہے۔ کس نے لکھا ہے یا نے یہ نہیں کہا کہ فلاں فقرہ میرا ہے اور نہ کوئی فرق کے لیے نشان تھا بلکہ تمام کلام متصل یکساں ہے۔

(۲) زبور اور کتاب نحمیا اور یرمیا اور حزقیل کے ملاحظہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت میں بھی تصنیف کا عرف و مصنفوں کے محاورات ایسے ہی تھے کہ جو اب ہیں کہ جہاں مصنف اپنا حال لکھتا ہے تو متکلم کے صیغے بولتا ہے گو کسی جگہ بلفظ غائب بھی تعبیر کرتا ہے مگر اس تورات میں تو ابتدا سے لے کر انتہا تک کسی مقام پر بھی متکلم کا صیغہ نہیں ہے بلکہ جو کوئی تورات کو اور کسی تاریخ کے ساتھ (کہ جس میں کسی مؤرخ نے کسی کے حال کو سنا سنایا بعد لکھا ہے) مقابلہ کرے گا تو سر مو تفاوت نہ پائے گا اور یہی حال باقی نبیوں کی کتابوں کا ہے۔ اگرچہ سب الفاظ کا نقل کرنا مشکل ہے مگر نظیر کے طور پر کسی قدر نقل کرتا ہوں۔ باب ۲ درس خروج کا یہ ہے "ان دنوں میں یوں ہوا کہ جب موسیٰ بڑا ہوا" الخ "اور جب فرعون نے یہ سنا تو چاہا کہ موسیٰ کو قتل کرے پر موسیٰ فرعون کے حضور سے بھاگا" الخ "تب موسیٰ اس شخص کے گھر رہنے پر راضی ہوا"۔ اول سے آخر تک تمام کتاب میں یہی طور ہے علاوہ اس کے اور تمام کتابوں کا (کہ جن کو وہ انبیاء کی طرف منسوب کرتے ہیں) یہی حال ہے۔ چنانچہ کتاب یشوع کی یہ عبارت ہے "جب خداوند کا بندہ موسیٰ مر گیا تو یوں ہوا کہ خداوند نے نون کے بیٹے یشوع کو جو موسیٰ کا خادم تھا خطاب کر کے فرمایا" الخ "تب نون کے بیٹے یشوع نے شطیم سے دو مرد بھیجے" الخ کتاب روت میں بھی کوئی شخص نامعلوم الحال یہودیہ کی بہو مسماۃ روت کا قصہ بیان کرتا ہے چنانچہ اس کی یہ عبارت ہے "اور نعومی کا شوہر الیملک مر گیا اور اس کے دونوں بیٹے باقی رہ گئے تھے ان دونوں نے موآب کی عورتوں میں سے جوروئیں کیں ان میں ایک کا نام عرفہ اور دوسری کا نام روت تھا" الخ۔ اسی طرح کتاب سموئیل کا بھی عنوان صاف صاف باآواز بلند یہ کہہ رہا ہے کہ کوئی اور شخص سموئیل کے قصہ کو لکھ رہا ہے چنانچہ سموئیل کی والدہ حنہ کا تو یہ قصہ لکھ کر یہ مؤرخ کہتا ہے۔ (۲۰) "اور ایسا ہوا کہ حنہ کے حاملہ ہونے کے بعد جب دن پورے ہوئے تو ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام اس نے سموئیل رکھا" الخ

(۳) ان کتابوں میں بہت سے ایسے مضمون پائے جاتے ہیں کہ جن سے خدا پاک کی ذات مقدس میں اور اس کے ملائکہ کرام اور انبیاء علیہم السلام میں سخت عیب لگتا ہے اور کتب الہیہ کی شان سے بعید ہیں کیونکہ ان سے ہدایت مقصود ہوتی ہے نہ ضلالت۔ یہی ثبوت ہے کہ یہ الہامی نہیں ہیں۔

شاہد اول: کتاب پیدائش کے ۱ باب درس ۲۶ سے ثابت ہے کہ "خدا نے آدم کو اپنی شکل بنایا" اور کئی مقام سے بھی یہی ثابت ہے جس سے لازم آتا ہے کہ خدا تعالیٰ جسم اور حادث ہے تعالی اللہ عن ذلک۔

سوال: قرآن میں بھی تو خدا کے لیے منہ اور ہاتھ ثابت کیا ہے۔

جواب: اس میں اور جسمانیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس کی تفصیل پہلے ہم کر چکے ہیں۔[1]

[1] موسیٰ کے بعد کی خبر کو اس تورات کو اصلی ثابت کرنے کے لیے ان تمام عیوب کو اٹھانا پڑتا ہے ان میں شک نہیں ہے اور ان آیات و احادیث کا (کہ جن ←

معاملہ دوبارہ وقوع میں آیا"۔

شاہد سوم: حضرت یعقوب علیہ السلام نے بکری کے بچوں کی کھالیں ہاتھوں میں لپیٹ کر جھوٹ بولا اور اپنے باپ اسحاق کو دھوکا دینے کو اپنا نام عیسو بتلایا۔ یہ کتاب پیدائش کے ۲۷ باب میں مذکور ہے۔

شاہد چہارم: کتاب پیدائش کے ۳۴ باب میں مذکور ہے کہ "حمور کے بیٹے سکم نے حضرت یعقوب کی بیٹی دینہ سے زنا کیا اور یعقوب کے بیٹوں نے اس سے یہ مکر کیا کہ تو اور تیری تمام قوم ختنہ کرے تو دینہ کی شادی تجھ سے کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور ان نبی زادوں نے ایسے موقع پا کر ان کو اور ان کی تمام قوم بے گناہ کو نہایت بے دردی سے تہ تیغ کیا اور مال و اسباب لوٹ لیا اور ان کی بیویوں اور بچوں کو غلام بنایا مگر حضرت یعقوب علیہ السلام نے منع کرنا تو درکنار اس نالائق حرکت پر اپنی ناراضی بھی ظاہر نہ کی۔

شاہد پنجم: کتاب خروج کے ۳۲ باب میں ہے کہ "بنی اسرائیل کے کہنے سے موسیٰ کی غیبت میں ہارون علیہ السلام نے زیور کا ایک بت بنایا اور تمام بنی اسرائیل سے اس کو پجوایا اور اس کے لیے قربانیاں گزارنے کا حکم دیا اور یہ کہا کہ یہ تمہارا معبود ہے کہ جو تمہیں مصر کی زمین سے نکال لایا"۔ انتہی۔ یہ وہ ہارون ہیں کہ جنہوں نے بالمشافہ خدا تعالیٰ کو دیکھا اور اس سے کلام کیا تھا اور ان کے لیے خدا کے گھر کی کہانت مقرر ہوئی تھی۔ اس پر یہ بت پرستی توبہ توبہ!

شاہد ششم: سموئیل کی دوسری کتاب کے ۱۱ باب میں ہے کہ "حضرت داؤد اپنے بام پر چڑھے اتفاقاً اوریاہ کی جورو بت سبع کو نہاتے دیکھ کر اس پر فریفتہ ہو گئے اور آدمی بھیج کر اس کو بلوایا اور اس سے زنا کیا کہ جس سے وہ عورت حاملہ ہو گئی پھر اس کے خاوند کو ایک مکر و تدبیر کر کے مروا ڈالا جس پر ناتن نبی کی معرفت خدا کی طرف سے بڑی تہدید و توبیخ ہوئی"۔ انتہی۔ یہ وہ داؤد ہیں کہ جن کی تصنیف زبور کتب مقدسہ میں شامل ہے اور جو عیسائیوں کے خدا کے جد امجد ہیں اور جو خدا کی پیروی کرنے والے ہیں اس پر یہ حرامکاری اور یہ مکاری العیاذ باللہ العیاذ باللہ!

شاہد ہفتم: کتاب اول سلاطین کے ۱۱ باب میں ہے کہ "حضرت سلیمان نے باوجود سخت ممانعت کے موابی اور عمونی وغیرہ بت پرستوں کی عورتوں کو بیوی بنایا اور خواہش نفسانی کو یہ خدائی ہوئی کہ سات سو بیویاں اور تین سو حرموں تک نوبت پہنچی اور پھر ان بیبیوں کے ایسے عاشق اور مرید زن ہوئے کہ بتوں کی طرف مائل اور پھر بت خانوں میں مصروف اور شامل ہو گئے اور آخر عمر میں ایمان کو بھی سلام کر گئے"۔ انتہی ملخصاً۔ یہ وہ سلیمان ہیں کہ جن کی تصنیفات امثال و غزل الغزلات مثل کتاب ہائے الہامی مانی جاتی ہیں اور جن کے لیے خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ دیکھ میں نے عاقل اور سمجھ دار دل تجھ کو بخشا ایسا کہ تیری مانند تجھ سے آگے نہ ہوا اور تیرے بعد تجھ سا برپا نہ ہو گا" (کتاب اول سلاطین باب ۳ ورس ۱۲) اس قسم کے اور بہت سے شواہد ہیں۔

فائدہ: قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے ان مقامات میں ان ناپاک باتوں کے انتساب سے بھی اپنی ذات مقدسہ اور ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کو بچایا ہے۔

وجہ چہارم: ان باتوں میں بہت ایسے مضامین متعارض پائے جاتے ہیں کہ جو الہامی کتابوں کی شان سے ازحد بعید ہیں اور سوانح متعارض میں سے ایک کا غلط ہونا بدیہی ہے۔ ان مواقع میں مفسرین اہل کتاب ناچار ہو کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ

یہ جو کاتب ہے چند تھا اپنے سہو کا تب کو جن کو ویرسیوں ریڈنگ" کہتے ہیں خود پادری فنڈر نے میزان الحق مطبوعہ اکبرآباد میں لاکھ سے بھی زیادہ تسلیم کیے ہیں چنانچہ صفحہ ۳۰ میں لکھتے ہیں کہ گریسباخ نے ایسے غلط مقامات ایک لاکھ پچاس ہزار گنے ہیں" اور انسائیکلوپیڈیا برٹینکا کی جلد ۱۹ باب میں لکھا ہے کہ فاضل ویٹسٹین نے ایسے مقامات دس لاکھ سے زیادہ گنے ہیں۔ اب جبکہ ایسے بڑے محققین اقرار کرتے ہیں تو انجیل کے کرسچین یا کسی پادری کا انکار کیا وقعت رکھتا ہے؟ اثبات تحریف کے لیے ہم کو تو اب ان مقامات کے نقل کرنے کی ضرورت ہے نہ عمادالدین کے ان جوابوں کی خاک اڑانے کی حاجت ہے کہ یہ کاتب کی بھول ہے لفظی ہے تفسیر میں نہیں آئی۔

(۲) وہی چند باتیں کسی کتاب میں جعلی نقل آنے سے وہ کل کتاب کیونکر جعلی ہو سکتی ہے (مقامات تعارض میں یہ جوابات ہیں) ایک جگہ یوں ہوا تو پھر کیا اور دوسری جگہ برخلاف آگئی تو کیا ہوا؟ مطلب واحد ہے۔

(۳) ان باتوں سے تحریف کیونکر ثابت ہوئی۔

(۴) مولوی رحمت اللہ مطلب نہیں سمجھے۔

(۵) اچھا اگر تحریف ہوا تو پھر کیا اس سے کہیں کتب مقدسہ میں عیب لگ سکتا ہے کیونکہ یہ ایسے امور سے جواب ہیں کہ جن سے ہر دانشمند کو یقین کامل ہو جاتا ہے کہ در حقیقت یہ کتابیں جعلی ہیں۔

(وجہ پنجم) ان کتابوں کا طرز طریق فحش آمیز اور نہایت غیر مہذب ہے جو وحی کے لوازمات پورا کرنے سے بالکل عاری ہے بلکہ قوائے شہوانیہ اور خیالات شیطانیہ کے جلا دینے کے لیے ایک عمدہ نسخہ ہے۔ میں بطور نمونہ کے کس قدر عبارتیں نقل کرتے دکھاتا ہوں: کتاب یسعیاہ کے ۴۲ باب میں خدا کا کلام یہ ہے۔ "میں بہت مدت چپ رہا میں خاموش ہو رہا آپ کو روکتا رہا پر اب میں اس عورت کی طرح جسے درد زہ ہو چلاؤں گا اور ہانپوں گا اور زور زور سے ٹھنڈی سانس بھی لوں گا"۔

اور ہوسیع کے باب ۱۳ میں خدا کو ریچھ اور شیر بتایا ہے۔ کتاب حزقی ایل کے ۲۳ باب میں یہ ہے "خداوند کا کلام مجھ کو پہنچا اور اس نے کہا اے آدم زاد! دو عورتیں تھیں جو ایک ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئیں انہوں نے مصر میں زنا کاری کی وہ اپنی جوانی میں یار باز ہوئیں وہاں ان کی چھاتیاں ملی گئیں اور وہاں ان کے کنوار پن کی پستان چھوئی گئیں ان میں کی بڑی کا نام اہولہ اور اس کی بہن اہولیبہ اور وہ میری جورواں ہوئیں اور بیٹے بیٹیاں جنیں" الخ۔ معاذ اللہ مرد الہامی کو کیا پڑی تھی کہ اس نے ایسی فاحش باتیں لکھ کر اپنی کتاب کو بے اعتبار کیا۔ کتاب یرمیاہ کے ۳ باب میں یہ لکھا ہے کہ "اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو نکالے اور وہ اس سے جدا ہو کے دوسرے مرد کی ہو جائے کیا وہ پہلا اس کے پاس پھر جائے گا کیا وہ زمین ناپاک نہ ہوگی لیکن تو نے بہت یاروں کے ساتھ زنا کیا تب بھی میری طرف پھر" انتہی۔ مانا کہ یہاں کچھ اور مراد ہے مگر کلام میں بڑا فساد ہے۔ کتاب یسعیاہ کے ۲۳ باب میں ہے "اور وہ پھر خرچی کے لیے جائے گی اور ساری زمین کی مملکتوں سے زنا کرائے گی لیکن اس کی تجارت اور خرچی خداوند کے لیے مقدس ہوگی" الخ۔ "بلکہ اس کی تجارت کا حاصل ان کے لیے ہوگا جو خداوند کے حضور رہتے ہیں کہ کھا کے سیر ہوویں اور نفیس پوشاک پہنیں" مقدس لوگوں کو کیا پاک مال کھلوایا اور کیسی پوشاک پہنوائی ہے۔ الہامی بیان اس کو کہتے ہیں۔ کتاب حزقی ایل کے ۲۳ باب میں یہ ہے "(۱۹) "تس پر بھی اس نے اپنی جوانی کے دنوں کو یاد کر کے (جبکہ وہ

مصر کی زمین میں چھنالا کرتی تھی) زنا کاری پر زنا کاری کی" (۲۰) سو وہ پھر اپنے یاروں پر مرنے لگی جن کا بدن گدھوں کا سا بدن اور جن کا انزال گھوڑوں کا سا انزال تھا۔ غزل الغزلات کے ۴ باب ۱۰ درس میں یہ ہے "میری بہن میری زوجہ تیرا عشق کیا خوب ہے" انتہی اور اسی قسم کی اور بہت تشبیہات فحش آمیز ہیں کہ جن کے پڑھتے وقت گرجا میں پادری لوگ بلاشک آنکھ نیچی کر لیتے ہوں گے۔

وجہ ششم: محققین اہل کتاب کا ان کتابوں کے مصنفوں کی بابت اور ان کے زمانہ تالیف کی بابت سخت اختلاف ہے جس سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ محض تخمینی طور پر ان کتابوں کو اپنے انبیاء کی تصنیف بتلاتے ہیں نہ کوئی ان کے پاس مؤلفین تک سند متصل ہے نہ کوئی اور دلیل قابل تسکین ہے بلکہ صرف قیاس اور تخمین ہے۔ تورات کی نسبت ملحدہ گیڈس کا قول انسائیکلو پیڈیا پینی کی دسویں جلد میں یوں منقول ہے کہ مجھ کو تحقیقی طور سے تین باتیں معلوم ہوئیں (۱) یہ کہ تورات موجودہ ہرگز موسیٰ کی تصنیف نہیں (۲) یہ کہ کسی شخص نے اس کو کنعان یا اورشلیم میں موسیٰ کے بہت مدت بعد لکھا ہے (۳) یہ کہ اس کی تالیف داؤد کے زمانہ سے پہلے کی نہیں ہے اور کتاب یوشع کی نسبت بھی بڑا اختلاف ہے۔ بعض لوگ تو اس کو تصنیف یوشع کی کہتے ہیں اور ڈاکٹر لائٹ فٹ اس کو فنیحاس کی تصنیف بتاتے ہیں اور کالون عزرا کی تصنیف کہتے ہیں اور واکل صموئیل کی بعض ارمیا کی تصنیف کہتے ہیں۔

اسی طرح قاضیوں کی کتاب میں بھی سخت اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں حزقیل کی اور بعض عزرا کی اور بعض فنیحاس کی کہتے ہیں حالانکہ عزرا اور فنیحاس میں تخمیناً نو سو برس کا فاصلہ ہے اس لیے یہود لاچار ہو کر اب تک اس کو صموئیل کی تصنیف جانتے ہیں۔ کتاب راعوث میں بھی سخت اختلاف ہے بعض کہتے ہیں حزقیا کی تصنیف ہے۔ اس تقدیر پر یہ الہامی نہیں اور بعض کہتے ہیں عزرا کی تصنیف ہے۔ یہود اور اکثر عیسائی صموئیل کی تصنیف کہتے ہیں۔ وارڈ کاتھلک ہرلنڈ کی ساتویں جلد کے صفحہ ۲۰۵ میں ہے کہ راعوث کی کتاب ایک گھر کا جھگڑا ہے اور یونس کی کتاب محض کہانی ہے یعنی دونوں غیر معتبر ہیں۔ کتاب نحمیا میں بھی اختلاف ہے۔ اکثر کہتے ہیں نحمیا کی تصنیف ہے اور کریزاسٹم وغیرہ عزرا کی کہتے ہیں لیکن اس میں دارا شاہ ایران کا بھی ذکر ہے جو نحمیا کے سو برس بعد ہوا ہے اس لیے لاچار ہو کر اس باب کو الحاقی کہتے ہیں۔ کتاب ایوب میں بھی نہایت اختلاف ہے۔ میماکلس اور سملر اور ربی اسٹاک وغیرہ کہتے ہیں کہ ایوب ایک فرضی نام ہے اور یہ کتاب جھوٹی کہانی ہے اور جو ایوب کا وجود

---

۱ آج کل کے پادری مسلمانوں سے سند متصل کا لفظ سیکھ گئے ہیں مگر حقیقت سے محض بے خبر ہیں۔ باوجود ہزاروں اعتراض کے کسی پادری صاحب نے آج تک اپنے سے لے کر کسی کتاب کے مؤلف تک سلسلہ اور شخص سند نہیں لکھی۔ ناقلوں میں جھوٹے ہی نام فرض کر کے پادری عماد الدین یہ کہہ دیتے کہ یہ تورات ہم کو پادری صاحب سے اور ان کو فلاں سے اور ان کو ڈاکٹر شخص سے پہنچی کیونکہ جھوٹ تو پادریوں کا مذہب قاعدہ ہے۔ اور یوں تو بقول شخصے میں میرا بیٹا میرے جانی مرد نے بڑی تحقیق کی ہے کہ فلاں صاحب نے کتاب میں سند لکھی ہے۔ نیم صد کو کوئی جزو بڑی کتاب کا تحقیق تھا اور جو پانے نسخے عبری کے گنوائے ہیں تو محض دام بازی کی ہے۔ جن کو یہ پرانا نسخہ کہتے ہیں غایت آٹھ سو برس کا ہے اور یہ آٹھ سو برس بھی پانے اور پچھلے درمیان دیکھ کر کہے جاتے ہیں اور اس کی بھی کیا دلیل ہے؟ گھنٹے کے مارے پادری فلک سند سے کیسی گھڑ لی ہیں تو ہمارے قول کی خوب تصدیق کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

۲ یہ قصہ یسعیاہوں میں بڑا کھلا ہے ۱۲ منہ

جائے کہ متی اور یوحنا ان باتوں اور ان القابوں سے مستثنیٰ اور صاحب نبوت ہیں کیونکر نبوت کا اقرار کیا جائے ہاں! ہم اہل اسلام اپنی تحقیق سے ان کو دیندار اور راستباز کہتے ہیں اور ان کا نہایت ادب کرتے ہیں اور یہ بھی دوسری بات تو بہت ظاہر ہے کہ یہ کتابیں انہوں نے الہام سے نہیں لکھیں کیونکہ لوقا اور مرقس تو سن کر لکھتے ہیں جیسا کہ خود دیباچہ لوقا سے معلوم ہوتا ہے اور متی اور یوحنا اپنے روبرو گزرا ہوا معاملہ لکھتے ہیں اس میں بھی الہام کی کوئی ضرورت نہیں چنانچہ پاسو بہ اور لیاقان کہتے ہیں کہ جب حواری بچشم خود دیدہ یا معتبر گواہوں سے سن کر لکھتے تھے تو ان کو الہام کی حاجت نہ تھی۔ انتہیٰ۔ پولوس کے قول کے بموجب تو یہ چاروں کتابیں قابل رد ہیں کیونکہ اس نے اس انجیل کے سوا (کہ جو اس کو مسیح سے بلاواسطہ ملی تھی جیسا کہ پہلے ذکر ہوا) اور کسی انجیل کے ماننے والے پر لعنت کی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ چاروں وہ انجیل نہیں اور بالفرض ہوتی بھی تو ایک ہوتی پھر تین غیر معتبر ہیں یہاں تک کہ ان کے ماننے والے پر لعنت پڑے گی اس کے سوا اور چند دلائل ہیں کہ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ الہامی نہیں۔

وجہ اول: یہ کہ ان کے مؤلفین نے بڑی سخت غلطیاں کی ہیں چنانچہ متی نے جو مسیح کا نسب نامہ لکھا ہے اس میں کئی نام بھول گیا جس کی تاویل میں مفسرین نہایت تکلفات کرتے ہیں اور اسی طرح اور چند غلطیاں کی ہیں جن کی تفصیل ازالۃ وغیرہ کتابوں میں ہے اسی طرح لوقا نے دوسرے باب میں غلطی کی ہے کہ اوگوسطوس قیصر نے اسم نویسی کا حکم دیا تھا اور قورینوس حاکم یہودیہ کے وقت میں یوسف نجار اپنی بیوی مریم علیہا السلام کو جو کہ حاملہ تھیں ہمراہ لے کر شہر بیت اللحم میں نام لکھوانے آیا تھا اور وہاں حضرت مسیح علیہ السلام پیدا ہو پڑے انتہیٰ ملخصاً حالانکہ یہ صریح غلط ہے۔ اول یوں کہ قورینوس حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت کے پندرہ برس بعد وہاں کا حاکم ہوا تھا دوم یہ کہ حسب بیان متی حضرت مسیح ہیرودس کے عہد میں پیدا ہوئے تھے اور اس کی زندگی تک یہ ملک قورینوس وغیرہ حکام روم کے قبضہ میں نہ آیا تھا۔

وجہ دوم: دوم یہ کہ ان کتابوں میں بہت سے ایسے جھوٹے مضامین مندرج ہیں کہ جن کی شہادت آج تک کسی تاریخ سے نہیں پائی جاتی نہ عقل ان کو تسلیم کر سکتی ہے مثلاً متی نے ۲۷ باب میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب صلیب پر چلا کر جان دی تو ہیکل کا پردہ اوپر سے نیچے تک پھٹ گیا اور زمین کانپی اور پتھر تڑک گئے اور قبریں کھل گئیں اور بہت لاشیں پاک لوگوں کی قبروں سے نکل کر مقدس شہر میں بہتوں کو نظر آئیں (انتہیٰ ملخصاً) اور اسی طرح لوقا نے ۲۳ باب میں لکھا ہے کہ چھٹویں گھنٹہ کے قریب تھا کہ تمام زمین پر اندھیرا چھا گیا اور نویں گھنٹہ تک رہا اور سورج تاریک ہو گیا اور ہیکل کا پردہ بیچ سے پھٹ گیا (انتہیٰ) اور اسی طرح متی نے ۲ باب میں لکھا ہے کہ مجوسیوں کو ایک ستارہ دکھائی دیا اور وہ ان کے آگے چلتا تھا اور جہاں مسیح علیہ السلام پیدا ہوئے تھے وہاں آ کر ٹھہر گیا۔ انتہیٰ ملخصاً

وجہ سوم: حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت وہ قول بھی نقل کیے ہیں جو ان کی شان سے نہایت بعید ہیں چنانچہ یوحنا اپنی کتاب کے ۱۰ باب میں حضرت مسیح علیہ السلام کا قول نقل کرتے ہیں کہ مجھ سے پیشتر جس قدر انبیاء آئے ہیں سب چور اور رہزن تھے (انتہیٰ ملخصاً) پھر اسی قول کی تقلید کر کے پولوس مقدس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جناب میں کیا کیا گستاخی کرتے ہیں کہ ہم موسیٰ علیہ السلام کی مانند عمل نہیں کرتے جس نے اپنے چہرہ پر پردہ ڈالا تا کہ بنی اسرائیل بخوبی نہ دیکھیں لیکن ان کی فہم تاریک ہو گئی کیونکہ آج

ہوا تو انہوں نے جو پولی کارپ کا شاگرد ہے کبھی نہیں کہا کہ پولی کارپ نے کہ جو خاص یوحنا کا شاگرد ہے اس کو یوحنا کی تصنیف بتلایا ہے اور استاؤلن کہتا ہے کہ یہ انجیل تعلق کسی طالب علم مدرسہ اسکندریہ نے لکھی ہے۔ بعض پادری کہتے ہیں کہ اسکندریہ کا مدرسہ تو اس انجیل کے بعد قائم ہوا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ کیونکر ثابت ہوا کہ اس مدرسہ سے پیشتر یہ کتاب تھی۔ اس پادری کی بات کو مانیں یا استاؤلن جیسے محقق کی بات مانیں کہ جس کے قول کو ہارن صاحب مفسر نے بڑے ادب سے اپنی کتاب کی جلد چہارم صفحہ ۳۱۶ میں لکھا ہے۔ اسی طرح اور تینوں کتابوں کی نسبت بھی بہت کچھ قیل و قال ہو چکی ہے۔ اور یہ قیل و قال ضرور ہونی چاہیے تھے کیونکہ اس زمانہ میں صدہا انجیلیں تصنیف ہو گئی تھیں اور جو غیر معتبر شخص تھے وہ بتقلید فلاں نے یونان اپنی کتاب کو کسی اور مشہور آدمی کے نام سے شہرت دیتے تھے چنانچہ تخمیناً اسی (۸۰) نوے (۹۰) اور کتابیں اب تک عیسائیوں میں مشہور ہیں کہ جن کو ان کے مرید الہامی کہتے تھے مگر جب ان کی نہ چلی اور مخالفوں نے اپنی کتابوں کو رد کر دیا تو وہ غریب بے الہامی ہو گئیں۔ اب جعلسازی کی وجہ سے بیچارہ پولوس بھی بڑا دخل رکھتا تھا تین سو برس تک عیسائیوں میں یہی جوتی بیزار رہی کہ کسی نے کسی کتاب کو الہامی سمجھا اور انجیلوں کے سننے سنانے والے نے کو ملعون کہا کسی نے کسی کتاب کو عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل قرار دے کر اپنا دل خوش کیا۔ آخر جب قسطنطین شاہ روم کہ جو بڑا ظالم اور نہایت سفاک تھا اپنے گناہ معاف کرانے اور اپنے ظلموں کے مٹانے کے لیے پولوس کی جماعت کا مرید ہوا تو اس نے شہر نائس میں عیسائیوں کو جمع کر کے ان کتابوں کی بابت ایک کمیٹی قائم کی اور اپنے زور و شوکت سے تمام عیسائیوں کو ان کتابوں کے ماننے پر مجبور کیا اور مسئلہ تثلیث اور کفارہ کو کہ جس کے اعتقاد پر وہ عیسائی ہوا تھا مستحکم رواج دیا۔ اس وقت سے ان کے ہاں اس زبردستی کا نام اجماع سلف قرار پایا کہ جس کو آج کل کے عیسائی ان کتابوں کے مقبول ہونے کے لیے سند قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ پادری صفدر علی کہ جس نے ان کتابوں کے الہامی ثابت کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے نیاز نامہ کے صفحہ ۲۰۰ میں بڑی مجبوری سے اقرار کرتے ہیں کہ "وجوہات مذکورہ بالا کے باعث تخمیناً ۳۰۰ء تک نہ تو تمام جماعتوں کو تمام نوشتوں کی اصلیت کا حال معلوم ہو گیا تھا الخ۔ پس جو کچھ ان کے پاس برائے نام سند ہے وہ ۳۰۰ء تک بمشکل پہنچتی ہے۔ آگے تو بس یہی سند ہے کہ اگناشس پادری کارپ وغیرہ کی تحریرات میں بعض ایسے جملے پائے جاتے ہیں کہ جن کا مضمون ان کتابوں سے مطابق ہو جایا کرتے ہیں۔ پھر کیا کوئی دانشمند پچھلی کتاب کو مقدم کہہ سکتا ہے؟ گلستان یا بوستان میں بعض کیا بہت سے مضامین وعظ و پند میں انجیل کے وعظ و پند سے ملتے ہیں اب کوئی بیوقوف ہوگا جو یہ کہے گا کہ انجیل سعدی کی کتابوں سے لکھی گئیں یا انجیل کے وقت میں سعدی کی کتابیں تھیں۔ پس اسی طرح اگناشس وغیرہ کی تصانیف اگر مقدم ہوں تو کیا بعض مضامین کی مطابقت سے مؤخر ہو جاویں گی بلکہ بعض اوقات بعض کتابوں کے مضامین میں توافق ہو جاتا ہے اور ایک کو دوسرے کی خبر بھی نہیں ہوتی اس سے لینا یا اس کی شہادت دینا چہ معنی دارد؟ علاوہ ازیں اگر شہادت ہے تو بعض مضامین کی ہے کل کتاب کا تسلیم کر لینا کہاں سے پایا جاتا ہے؟ واضح ہو کہ یہ

۱؎ انجیل متی اصل میں عبرانی میں تھی اس کا ترجمہ یونانی میں خدا جانے کس نے کیا اور کیسا کیا ہے۔ اصل اس کی کسی کے پاس نہیں کہ جو اس سے مقابلہ کر کے دیکھا جائے۔ یہاں سے آپ اور کتابوں کے گم ہو جانے میں کچھ تعجب نہ معلوم ہوگا کیونکہ جس طرح اور جس سبب سے متی کی عبرانی کتاب مفقود ہوگئی وہی سبب کتابوں کے لیے پیش آیا۔

بات ہمارے عیسائیوں کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ یہ چاروں انجیلیں نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصنیف ہیں نہ ان کے عہد میں لکھی گئی ہیں۔

پس ہم کو تو بحث کو اسی جگہ تمام کر دینا چاہیے تھا کیونکہ جس انجیل کے اہل اسلام قائل ہیں اور جس کا قرآن میں ذکر ہے وہ انجیل ہے کہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بذریعہ روح القدس نازل ہوئی ہے جس طرح کہ تورات و زبور و دیگر صحف انبیاء کا حال ہے مگر چونکہ عیسائی اس بات کے قائل ہیں کہ گو یہ مسیح کی اناجیل نہیں مگر یہ بھی الہامی اور رسولوں کی تصنیف ہیں اس لیے ان سے بھی بحث کرنی پڑی۔ ہر چند اس بات کو بھی ہم نے تجسس کر کے دیکھا مگر بہت سے وجوہ سے غلط پایا اور عیسائیوں کے پاس سوائے خوش اعتقادی کے اور کوئی دلیل نہ دیکھی۔ ہاں اس قدر ہم بھی مانتے ہیں کہ ان میں کچھ مضامین الہامی بھی موجود ہیں اور یہ بھی متفق علیہ ہے کہ ان کے مصنفین کے بعد ان میں خواہ سہواً خواہ عمداً بیشمار جگہ غلطیاں اور کمی و بیشیاں بھی ہوئی ہیں کہ جن کا شمار بقول علماء اہل کتاب ہزارہا تک پہنچا ہے جن کی تفصیل اظہار الحق وغیرہ کتب میں ہے اور ان کا اقرار پادری فنڈر صاحب کو بھی ہے۔ ہاں یہ بات اور ہے کہ پادری صاحب ان تحریفات کو اپنی خوش اعتقادی سے ورییوس ریڈنگ یعنی سہو کاتب کہتے ہیں اور تحریف نہیں کہتے لیکن مدعا واحد ہے۔ یہاں ایک بات یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ کہ جب اہل اسلام ان کتابوں میں تحریف ثابت کرتے ہیں تو ان کا اول صدیوں میں غیر معتبر ہونا یا ان کی نسبت علمائے اہل کتاب کا یہ کلام ہونا کہ یہ دراصل ان شخصوں کی تصنیف ہی نہیں و دیگر مضامین اور بھی اسی قسم کے ذکر کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ اظہار الحق وغیرہ کتب میں یہ کیا گیا ہے کہ اس کے بعد وہ جملے بھی بتلایا کرتے ہیں کہ جن کو محققین مسیحیین نے الحاقی بتلایا ہے۔

اس پہلی بات کا جواب پادری یوں دیا کرتے ہیں کہ اس سے تحریف کو کیا علاقہ؟ اس سے تحریف کیونکر ثابت ہوئی؟ چنانچہ فنڈر صاحب نے بھی کہا ہے اور عماد الدین اور صفدر علی بھی ان کی تقلید کر کے یہی فرماتے ہیں مگر ہم کو کیا بلکہ سب اہل عقل کو اس جواب پر بے اختیار ہنسی آتی ہے۔ یہ ایسی بات ہے کہ کوئی کسی گھوڑے میں عیوب ثابت کرنے والا یہ کہے کہ یہ گھوڑا مریل ہے اب بالکل کسی کام کا نہیں۔ اس کے جواب میں مالک کہے اس سے کیا ہوتا ہے اس کے پاؤں اور دم وغیرہ اعضا میں کوئی عیب بتاؤ۔ اب وہ بیوقوف یہ نہیں سمجھتا کہ اس کا مدعا تو بخوبی ثابت ہو گیا کیونکہ جب اصل ہی نہیں رہی تب اس کی فروعات کہاں؟ اور دوسری بات کا یہ جواب دیا کرتے ہیں کہ اچھا کچھ فقرے الحاقی ہوئے تو کیا ہوا ان سے ہمارے سوالی

ل قرآن مجید میں بعض جگہ یہود کے مذاہب میں یہ واقع ہوا ہے یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ کہ بعض کلمات کو ان کی جگہ سے تحریف کرتے ہیں اور کئی طرح کی اور آیات ہیں ان کی تفسیر میں علماء کو اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ یہود کتاب میں تبدیل نہ کرتے تھے بلکہ کسی کے سنانے وقت قراءت سے یہ کام کرتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ نفس کتاب میں بغرض دنیا اس سے تبدیل کرتے تھے خیر جو کچھ ہو مگر یہ بات بھی مسلّم بات ہے کہ قطع نظر اس آیت کے یہود یا بلکہ کل اہل کتاب اپنی کتابوں میں تحریف کرتے تھے۔ گو یہ آیت نازل نہ ہوتی تب بھی یہ نفس الامری امر بسبب اقرار اہل کتاب پر باقی رہتا۔ ہمارے دعوائے تحریف کی بنیاد اس قسم کی آیات پر نہیں بلکہ واقعی نفس الامری ثبوت پر ہے۔ اب اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہونا ہمارے دعوے کو کچھ مضر نہیں۔ وہ فقیہ کرسچن [illegible] صاحب اس آیت کے ذیل میں جو کچھ علماء نے فرمایا ہے وہ بعض نفس قراءت میں تحریف کے قائل ہوئے ہیں اس سے تورات و انجیل کو اصلی اور غیر محرف ثابت کر کے مسلمانوں کو بیہودہ [illegible] ہے۔ ۱۲ منہ

مذہب میں کیا فرق آیا کل کتاب کیونکر غیر معتبر ہوگئی؟ ان میں محمد صاحب (ﷺ) کی بشارت سے کیا علاقہ۔ چنانچہ فنڈر صاحب اور ان کے رد و مقلدوں نے اپنی تصانیف میں یہی ذکر کیا ہے اور لفظ لفظ پر طعن و طنز کر گئے ہیں مگر یہ جواب اول سے زیادہ واہی ہے۔

پادری صاحبو! ذرا اتنا تو سوچو کہ جب دو چار فقرے الحاقی ثابت ہو گئے تو جو اول آپ کے ان سے آپ کے اصول دین میں کوئی قصور نہیں آتا مگر یہ کتاب تو غیر معتبر ہو گئی۔ اب کیا اعتبار کہ آپ کے اصول دین بھی ایسے ہی الحاقی فقروں سے ثابت ہوں۔ الغرض کتاب کی بے اعتباری یا کسی دستاویز کی بے اعتباری کے لیے ادنیٰ شبہ بھی کافی ہوتا ہے چہ جائیکہ صدہا الحاقات۔

فائدہ: جب چاروں انجیلوں کا یہ حال ہے تو پولوس کے خطوں کا کیا اعتبار ہے۔ جن میں تثلیث اور خدا کا مجسم ہونا اور شریعت کو ترک کرنا وغیرہ وہ عمدہ مضامین ہیں کہ جو تمام اہل نقل و عقل کے نزدیک بدتر اور خراب ہیں اور پطرس اور دیگر شخصوں کے خطوط بھی ان شرائط سے خالی ہیں کہ جو کتاب الٰہی کے لیے ضروری ہیں۔

فصل سوم

فائدہ: خدا تعالیٰ نے قرآن میں متعدد جگہ توراۃ اور زبور اور انجیل کی مدح فرمائی ہے اور صحف ابراہیم و موسیٰ کا بھی بجا ذکر کیا ہے اور قرآن کو ان کتب مقدسہ کا مصدق یعنی سچا کرنے والا کہا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ کہ یہ قرآن پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور توراۃ کو کتاب منیر اور امام اور فرقان اور رحمت وغیرہ القاب سے یاد کیا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت یوں فرمایا ہے وَآتَيْنَاهُ الْإِنْجِيلَ الآیہ کہ ہم نے اس کو انجیل دی اسی طرح وَآتَيْنَا دَاوُودَ زَبُورًا[1] فرمایا ہے کہ داؤد کو ہم نے زبور دی اور سورۂ بقرہ میں ہے وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی یعنی توراۃ اور کئی جگہ ان کتابوں پر ایمان لانے کی تاکید فرماتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ الآیہ کہ اے مسلمانو! ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس کے رسول پر نازل ہوئی اور جو اس سے پہلے نازل ہوئی۔ اور سورۂ بقرہ کے اول ہی میں مومنین کی شان میں فرمایا ہے: ﴿وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ﴾ کہ مسلمان وہ ہیں کہ جو چیز تم پر نازل ہوئی اس پر اور جو تم سے پہلے نازل ہوئی اس پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور اسی طرح کی اور بہت سی آیات ہیں۔ یہاں سے دو باتیں ثابت ہوگئیں: اول یہ کہ توراۃ وہ کتاب ہے جو کہ خاص حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور زبور وہ کتاب ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام کو عطا ہوئی تھی اور انجیل وہ کتاب ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور یہ

۱۔ إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ وَآتَيْنَا دَاوُودَ زَبُورًا۔

نجات پر یقین رکھتا ہے اور ان سے مرتا ہے اور انکار تمام انبیاء اور ان کی سب الہامی کتابوں سے انکار کرنا ہے کہ جس کی سزا ابدی جہنم اور خدا کے جلال اور بادشاہی میں سب سے خوار اور ذلیل ہونا ہے۔ عیسائی برادرو! تم توریت کا دعویٰ رکھتے ہو اور پھر اسے زیر عمل ہونے کے کہنے سے اس پر بالکل عمل نہیں کرتے بلکہ اس کو ذلیل سمجھتے ہیں۔

فائدہ ۲: نزول قرآن مجید کے وقت توریت و انجیل اصلی دنیا پر نہ تھیں جیسا کہ آپ کو معلوم ہوا مگر جس قدر توریت و انجیل کے مضامین و احکام اور جہاد باقی اہل کتاب میں زبانی یا ان فرضی کتابوں کے وسیلے سے مشہور و معروف تھیں لیکن وہ لوگ نہیں توریت سے ان پر بھی عمل نہیں کرتے تھے اس لیے خدا تعالیٰ نے جا بجا قرآن کی صداقت ثابت کرنے میں اس بات کو ذکر کیا کہ یہ قرآن کتب سابقہ اور انبیاء سابقین کے برخلاف نہیں بلکہ اصول مذاہب اور باتوں میں ان کے موافق اور ان کا اور اگلے انبیاء کا مصدق ہے کہ جن کو تم مانتے ہو پھر اب قرآن کو نہ ماننا ان کا انکار ہے اور یہ کہ جن کو تم توریت و انجیل سمجھتے ہو ان پر کیوں نہیں عمل کرتے اور جن انبیاء کی پیروی اور محبت کا تم کو دعویٰ ہے ان کی پیروی کیوں نہیں کرتے اور کبھی مشرکین عرب کو بعض قصص و احکام میں الزام دینے کے لیے یہ بھی فرمایا ہے کہ ان اہل کتاب سے پوچھ دیکھو وہ بھی یہی کہتے ہیں پھر محمد علیہ السلام نے کوئی نئی بات فرمائی ہے کہ جس پر تم چونکتے ہو۔ ان باتوں سے بعض ناواقف پادری یہ سمجھ گئے کہ نزول قرآن کے وقت توریت و انجیل بجنسہ موجود تھی کہ جس کی طرف خدا نے حوالہ دیا ہے اور جس پر عمل کرنے کی ترغیب دی ہے اور وہ یہی توریت و انجیل ہے کہ جو ہمارے پاس موجود ہے حالانکہ یہ بڑی غلطی ہے۔ فائدہ ۳: اہل کتاب بالخصوص پادریوں نے اس توریت و انجیل موجودہ کے اصلی توریت و انجیل ہونے پر چند دلائل بیان کیے ہیں جو کچھ وزن رکھتی ہیں ہم ان کے دلائل اور پھر ان کے جواب ذکر کرتے ہیں۔

دلیل اول: قرآن میں متعدد جگہ توریت و انجیل پر اہل کتاب کو عمل کرنے کی ترغیب دی اور ان کے کلام بیان فرمائے ہیں اور ان پر ایمان لانے اور ادب کرنے کی ترغیب دی اگر اس وقت یہ کتابیں موجود نہ ہوتیں تو عمل کس پر اور ایمان کس پر لاتے؟ اور وہ آیات یہ ہیں: وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ الآیہ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ الآیہ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ الآیہ وغیرھا من الآیات۔ پس صاف معلوم ہوا کہ اس وقت توریت و انجیل اصلی موجود تھیں اور وہ یہی ہیں جو اب ہمارے پاس ہیں۔ نیاز نامہ کے مصنف نے اس دلیل پر بڑا زور دیا ہے اور بہت سے ورق سیاہ کیے ہیں[1] جواب اول: دوسری اور پانچویں آیت کا اور جس قدر آیات اس مطلب پر دلالت

[1] پادریوں کے قدیم شکوک و شبہات پر علماء اسلام نے جو جواب تحریر فرمائے [illegible] کتاب [illegible] کے خلاف پھر ان کتابوں کو الہامی ثابت [illegible] اور بعض [illegible] اصلی اور غیر محرف ہونا ثابت کرنا چاہا ہے اور یہ زور لگایا ہے [illegible] تصنیف سے [illegible] صادق [illegible] ہے [illegible] اعلان کر دیا [illegible] صاحب نے [illegible] قرآن کی ایک آیت سے استدلال کیا ہے۔

تقرب اور محبت و روح کی پاکیزگی کا صور دلاتے ہیں اور نیک چلنی اور اخلاق حمیدہ سکھاتے ہیں اور عالم کے پیدا ہونے اور انسان کی نجات کا وسیلہ بیان کرتے ہیں۔ وغیرہ ذلک اور ان میں بہت سی پیشین گوئیاں بھی مندرج ہیں جو اپنے وقت پر ظاہر ہو گئیں اور یہ سب مضامین بغیر الہام اور تائید روح اقدس کے اور کسی کو حاصل نہیں ہوتے۔ اس دلیل کو پادری فنڈر صاحب نے میزان الحق میں ہر ہر بات کا حوالہ دے کر بڑے بسط سے بیان کیا ہے اور ہر ایک بات کو دلیل بنا کر ایک کی چھ دلیلیں بنائی ہیں اور بڑے زور سے نتیجہ نکالا ہے۔

جواب: اولاً غایۃ مافی الباب یہ مضامین الہامی اور انبیاء علیہم السلام کے فرمائے ہوئے ہیں لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس کتاب میں یہ مضامین بطور نقل کے جمع کر دیے ہوں وہ انبیاء کی تصنیف اور الہامی کتاب بھی ہو جائے۔ کیا اگر کوئی شخص قرآن کے مضامین کو نقل کر کے اس پر کچھ اور ملا کے کتاب بنا دے تو قرآن ہو سکتا ہے؟ ان مضامین کا الہامی ہونا اور بات ہے کتاب کا الہامی ہونا اور بات۔ بہت سی غیر الہامی کتابوں میں الہامی مضامین ہوتے ہیں۔

ثانیاً ان کتابوں میں اگر یہ عمدہ مضامین ہیں تو اس کے ساتھ خراب مضامین بھی تو ہیں کہ جن کو الہام کی طرف منسوب کرنا بھی مذہب ہے جیسا کہ پہلے گزرا۔ پس یہ مجموعہ کیونکر الہامی ہو سکتا ہے؟

ثالثاً جن کتابوں کے تم منکر ہو ان میں بھی یہ مضامین نہایت عمدگی سے پائے جاتے ہیں پھر ان کو الہامی کیوں نہیں کہتے؟

دلیل چہارم: یہ کتابیں ان کے مصنفین سے لے کر آج تک ہم میں متواتر چلی آتی ہیں اور تمام امت کا ان کے قبول کرنے پر اجماع ہو چکا ہے اور یہ اجماع ہر قرن میں پایا گیا ہے۔

جواب: اول تو یہ دعویٰ غلط ہے کہ ان کے مصنفین تک ہر قرن میں ان کتابوں پر اتفاق رہا ہے کیونکہ تیسری صدی کے بعد قسطنطین کی وجہ سے یہ اتفاق یا نفاق جو کچھ کہ پایا گیا مگر اس سے پیشتر یعنی حضرت مسیح علیہ السلام سے تخمیناً تین سو برس تک تو سب کتابیں عیسائیوں میں بھی مشہور بھی نہ تھیں جیسا کہ اوپر گزرا۔ اتفاق اور اجماع ہونا تو کجا؟

دوم اگر یہ سب تسلیم بھی کر لیا جائے تو غایۃ الامر یہ کتابیں ان کے مصنفین کی تصنیف قرار دی جائیں گی لیکن اس سے الہامی ہونا ہرگز ثابت نہ ہوگا جب تک کہ وہ دلیلیں ختم نہیں ثابت نہ کی جائیں گی۔

دلیل پنجم: چونکہ خدا سب کا خدا ہے تو اس کا دین بھی سب کے لیے ہونا چاہیے اور دین کی تعلیم بغیر اس بات کے ممکن نہیں کہ وہ کتاب تمام عالم میں پھیلے اور یہ صفت خاص بائبل بالخصوص عہد جدید میں پائی جاتی ہے کیونکہ اب کوئی ملک باقی نہیں کہ جہاں انجیل کی منادی نہ ہوئی ہو اور ہر زبان میں اس کے ترجمے ہو گئے ہیں تو یہ نشان الہامی ہونے کا ہے۔

جواب: یہ دلیل بھی محض پادریانہ خیال ہے کیونکہ اول تو سب کتابوں سے زیادہ انجیل کی شہرت نہیں بلکہ ابتداء سے اب تک جس قدر قرآن کی دنیا میں شہرت ہوئی اس قدر کسی کتاب کی نہیں ہوئی کونسا ملک اور کونسی زبان ہے کہ جہاں قرآن کے روح افزا مضامین لوگوں کی زبان پر جاری نہیں؟ اور انجیل کی شہرت جو کچھ ہے سو تخمیناً ہزار برس سے ہے پس لازم آیا کہ اس سے پیشتر یہ کتاب الہامی نہ تھی پھر ہو گئی۔

دوام زیادہ شہرت ہونے سے الہامی ہونا لازم نہیں آتا۔ گلستاں اور کلیلہ دمنہ کی شہرت بھی کچھ کم نہیں۔ ان کو بھی الہامی کہو۔

دلیل ششم: اس کتاب کے پڑھنے سے نیک چلنی اور محبت الٰہی اور روح کی صفائی پیدا ہوتی ہے اور یہ خاصہ الہامی کتابوں کا ہے۔

جواب: بالفرض اگر بعض مضامین کی وجہ سے جو کہ الہامی ہیں یہ بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی مجموعہ کتاب الہامی نہیں بلکہ ان کتابوں کے پڑھنے سے دل پر (تثلیث پرستی اور خدا کی ذات مقدس میں عیوب ثابت کرنے سے اور عیسیٰ علیہ السلام کو کفارہ سمجھ کر دن میں ہزار بار حرام کاری کی اجازت اور شراب اور سور اور جھوٹ بولنے کی رخصت سے) وہ تاریکی اور الحاد پیدا ہوتا ہے کہ جو کسی کتاب سے نہیں ہوتا۔ یورپ میں جس قدر الحاد اور زنا اور جھوٹ اور شہوت پرستی کا شیوع انہیں کتابوں کی برکت سے ہوا ہے برعکس اس کے کہ قرآن مجید کی ہدایت کا اثر اب تک تمام عالم پر جلوہ گر ہے۔

فصل چہارم

ہنود بھی اپنی کتابوں کو الہامی کہتے ہیں گو ان کا قرآن میں کہیں تفصیلاً ذکر نہیں مگر ہر الہامی کتاب پر ایمان لانا ہم اہل اسلام پر فرض ہے اس لیے ان کی تحقیق کرنا بھی ضرور ہوا۔ واضح ہو کہ ہنود کے نزدیک یہ چار وید رگ وید۔ یجر وید۔ شام وید۔ اتھربن وید۔ برہما کے منہ سے نکلے ہیں اور ان کو ست جگ کی تصنیف کہتے ہیں اور چھ شاستر (کہ جن میں نیائی شاستر ویدانت شاستر میمانسہ شاستر سانکھ شاستر وغیرہ داخل ہیں) اور اٹھارہ پران انہی سے نکلے ہیں۔ چونکہ یہ شاستر اور پران اور دیگر کتب مہابھارت اور گیتا اور جوگ بسشٹ اور رامائن وغیرہ ہنود کے نزدیک بھی ان کے علماء کی تصانیف ہیں اور کچھ مضامین وید سے لے کر یا تاریخی واقعات کو بنا کر پنڈتوں نے تصنیف کی ہیں پس یہ تو کسی طرح کتب آسمانی ہو نہیں سکتیں۔ لہٰذا ہم ان کی تحقیق سے دست بردار ہوتے ہیں مگر اس قدر یاد رہے کہ یہ سب کتابیں اہل ہند کے نزدیک معتبر اور دینی ہیں اس لیے ہم الزاماً علیہم کچھ مضامین ان سے نقل کریں گے۔

اب وید کی نسبت کلام کرتے ہیں کہ جو ان کے نزدیک برہما کے منہ سے نکلا ہے سب سے قدیم ان کے نزدیک رگ وید ہے اس میں قدیم لوگوں کے چند مدحیہ اشعار (دیوتاؤں کی مدح میں جب کہ ان کے گھر پر جاتے تھے) مختلف الاشخاص کے علاوہ پر جمع ہیں مگر ہر جگہ ان اشعار کے مؤلفین کا نام نہیں ہے تاہم بہت جگہ سے یہ ثابت ہے کہ یہ اشعار فلاں رشی یعنی عابد کے

ل ہنود کے نزدیک ہر دو زمانہ چار حصوں میں منقسم ہے۔ اول ست جگ۔ دوم ترتیا۔ سوم دواپر۔ چہارم کل جگ کہ اس کو برا زمانہ کہتے ہیں اور ہر زمانہ کی الہامی کتاب کچھ مدت تک رہتی ہیں۔ ۱۲ منہ

ع تفصیل ان کی یہ ہے (۱) اگنی پران (۲) بھاگوت پران (۳) بھوشیہ پران (۴) مارکنڈی پران (۵) برہم ورت پران (۶) ... (۷) برہما پران رنگ پران (۸) گرڑ پران (۹) پدم پران (۱۰) برہم پران (۱۱) بالم پران (۱۲) بامن پران (۱۳) کورم پران (۱۴) لنگ پران (۱۵) باراہ پران (۱۶) اسکند پران یعنی شیو پران (۱۷) متسیہ پران (۱۸) وشنو پران ۱۲ منہ

کیا اور اصل کے فقروں پر ہندسوں کے نشان لگائے گئے ہیں اور ہر نامہ کے اول بسم اللہ الرحمن الرحیم ور اعوذ کا ترجمہ لکھ رکھا ہے اس طرح سے (بنام ایزد بخشایندہ بخشایشگر مہربان دادگر) ان عبارات میں بجز صفات باری تعالیٰ اور یہ بات کہ عقل اول کے ذریعہ سے خدا نے تمام عالم پیدا کیا جس طرح کہ حکمائے یونان کا مذہب ہے بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ حکمائے یونان کے فلسفہ الٰہیات اور فلکیات اور عنصریات کو کسی نے نقل کر دیا ہے اور کواکب پرستی و آتش پرستی کے طریقے بھی مذکور ہیں اور کسی قدر پیشین گوئیاں ہیں۔ اب یہاں چند امور قابل بحث ہیں:

(۱) یہ کہ ان کے مؤلفین نے ان کو الہام سے لکھا ہے یا نہیں؟ (۲) ان کے مؤلفین کون لوگ ہیں؟ (۳) ان کے مضامین کیسے ہیں؟

اول امر کی نسبت یہ تحقیق ہے کہ یہ تمام نامے ایک شخص انہی ساسان پنجم کے جمع کیے ہوئے ہیں کہ جو خسرو پرویز کے عہد میں تھا اور اس کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو تو کیا بلکہ اپنی اولاد میں ہمیشہ پیغمبری کا مدعی ہے۔ چنانچہ اس کے نامہ کا ۳۴ فقرہ یہ ہے "در تخمہ تو پیغمبری ہمیشہ ماند" اگرچہ اس کے حالات مفصلاً ہم کو معلوم نہیں مگر اس کے نامہ میں دو چار پیشین گوئیاں ایسی ہیں کہ جن کے جھوٹ ہونے میں کسی کو بھی کلام نہیں۔ ۳۵ اور ۳۶ جملہ میں کہتا ہے "و پاداش کردار کرد بد باشند تا سے ۲۰۰ و پنجم اتفاد و بدکار رو آنچہ بزرگ ایشان گفتہ ہم نکند" یعنی جو گروہ عرب نبی عربی کا پابند کہ ایا تیوں کو ان کے گناہوں کی سزا دے گا بدکار اور سچے پیغمبر کا نافرمان ہوگا۔ سو یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ حضرت عمر ؓ کی خلافت میں حضرت سعد بن وقاص ؓ نے ایران کو فتح کیا ہے اور اس میں سب صحابہ شریک تھے اور انہیں کے ہاتھ سے ایرانیوں کی سلطنت برباد ہوئی۔ سو وہ پیغمبر علیہ السلام کے ایسے فرمانبردار تھے کہ آج تک بھی کوئی قوم اپنے نبی و بزرگ کی فرمانبردار نہیں ہوئی۔ جناب رسول خدا اس گروہ پاکباز کی جان و دل کے عاشق تھے اور ان کے نیک ہونے میں بھی کسی اہل تاریخ کو مجال گفتگو نہیں۔ مؤرخین یورپ کے اقوال آپ پہلے سن چکے ہیں۔

(۲) اس نے کہا کہ میری اولاد میں ہمیشہ پیغمبری رہے گی سو یہ بھی بالکل جھوٹ۔ آج تک اس کی اولاد میں سے کسی نے کوئی پیغمبر دیکھا تو کیا سنا بھی نہیں ہاں یہ بات اور ہے کہ کوئی پارسی بمبئی میں بیٹھ کر پیغمبری کا دعویٰ کیا کرے۔

(۳) وہ کہتے ہیں کہ دین محمدی ہزار برس کے بعد ایسا خراب ہوگا کہ اختلاف و بحث کی وجہ سے پہچانا نہ جائے گا چنانچہ ۳۰ جملہ میں اس کی تصریح ہے لیکن یہ بھی صاف جھوٹ کیونکہ گو امور جزئیہ میں باہم اہل اسلام میں اختلاف نہ اس وقت دو ہزار برس سے کہیں پیشتر بلکہ دوسری تیسری صدی میں شروع ہوا مگر بحمد اللہ اب تک قرآن اور احکام منصوصہ اسلام و دیگر فرائض وغیرہ امور ضروریہ میں ایک بال کے برابر بھی فرق نہیں آیا۔ ان امور میں آج تک تمام اہل اسلام یک زبان ہیں اور یہ امور ہو بہو حضرت ﷺ سے منقول ہیں۔

بلکہ ان کے بزرگ ساسان اول کی پیشین گوئی بھی صریح غلط نکلی کیونکہ وہ اپنے نامہ کے ۱۳۵ جملہ سے ۱۸۰ جملہ تک یہ

خاتمہ

واضح ہو کہ توجیہ و تاویل کو بڑی وسعت ہے جس کلام کو چاہو تاویل کے ذریعے سے اس کی اصلی مراد کے برخلاف کر سکتے ہو۔ چونکہ قرآن مجید کی موافقت اور مخالفت کو لوگوں کی دلی خواہشوں کی کامیابی اور ناکامی میں بڑا اثر ہے اس لیے بہت سے اہل اسلام میں سے کج دلوں نے اور بہت سے شریر اور بدعتیوں نے اور بہت سے ایسے لوگوں نے کہ جو پہلے دین اسلام کے مخالف تھے اور پھر وہ اسلام میں خلوص سے آئے مگر وہ پچھلا زہر بالکل نہ گیا یا منافقانہ اسلام قبول کر کے اپنے فاسد خیالات کو پھیلانا چاہا اور بہت سے جاہل صوفیوں نے قرآن مجید کو اس کے اس اصلی مرکز سے جو اس کے نازل کرنے والے نے قائم کیا تھا بنا کر تاویل کے ذریعے سے اور طرف کر دیا اور کلام الٰہی کو بالکل بدل دیا اور اس کا نام تفسیر رکھا چونکہ تفسیر سمجھ کر بہت سے سیدھے سادے مسلمان ان کے اس زہر کو جو انہوں نے اگلا ہے آب حیات جان کر پی جاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا روحانی مزاج بالکل فاسد ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اسی مرض سے مر جاتے اور حیات ابدی سے محروم اور اس عالم میں ہمیشہ معذب و مغموم رہتے ہیں۔ ان بے کسوں کی بے کسی پر افسوس صد افسوس یٰوَیْلَتٰی لَیْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّکْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ اس لیے مجھ کو ضروری ہوا کہ معتبر تفاسیر اجمالاً بیان کر دوں اور اعتبار کے لیے کلیہ قاعدہ بتلا دوں۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ فن تفسیر دو جز سے مرکب ہے۔ ایک جز منقولات دوسرا معقولات۔ اب جس کے دونوں جز اچھے ہوں گے وہ تفسیر بھی اچھی ہوگی ورنہ نہیں۔ منقولات شان نزول وغیرہ وہ امور جو نقل سے متعلق ہیں اگر وہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام بالخصوص ان ورثہ صحابہ سے کہ جو اس فن میں امام تھے اور پھر تابعین وغیرہ سے کہ جو اس فن کے ماہر تھے

۱ خلفاء اربعہ اور ابن مسعود و ابن عباس و ابی بن کعب و زید بن ثابت و ابو موسیٰ الاشعری و عبداللہ بن زبیر ؓ یہ اول طبقہ ہے۔

۲ تابعین میں ابن عباس ؓ کے شاگرد مثلاً مکہ میں مجاہد، عطاء بن ابی رباح و عکرمہ مولیٰ ابن عباس و سعید بن جبیر و طاؤس وغیرہم اور کوفہ میں عبداللہ بن مسعود ؓ کے شاگرد [illegible] مفسر تھے۔ اور اسی طبقہ میں ہیں حسن بصری اور عطاء بن ابی مسلم خراسانی، محمد بن کعب قرظی، ابو العالیہ، ضحاک بن مزاحم، عطیہ عوفی، قتادہ، زید بن اسلم، مرہ ہمدانی، ابو مالک، ربیع بن انس [illegible] یہ لوگ زیادہ تر صحابہ سے نقل کرتے ہیں۔ [illegible] ابن عباس ؓ [illegible] قرآن مجید [illegible] یہ دوسرا طبقہ ہے اور تیسرے طبقہ میں [illegible] تابعین ہیں جن میں سے سفیان بن عیینہ و وکیع بن الجراح و شعبہ بن حجاج و یزید بن ہارون و عبدالرزاق و آدم بن ابی ایاس و اسحاق بن راہویہ و روح بن عبادہ و عبد بن حمید و ابوبکر بن ابی شیبہ وغیرہ ہیں [illegible] طبقہ میں وہ لوگ ہیں جو ان سے بعد ہیں ان میں سے ابو جعفر محمد بن جریر طبری ہیں کہ جن کی تفسیر عمدہ اور مشہور ہے۔ ۳۱۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ [illegible] ابن ماجہ [illegible] وغیرہ [illegible] بھی ہیں [illegible] پانچویں طبقہ میں وہ ہیں جو بحذف اسناد روایات بیان کرتے ہیں اس طبقہ میں [illegible] حسن بن محمد [illegible] نیشاپوری صاحب تفسیر حقائق ہیں وفات ۴۱۲ھ میں ہوئی ہے اور ابو اسحاق احمد ثعلبی نیشاپوری [illegible] ان کی تفسیر [illegible] ابو محمد عبداللہ جوینی والد امام الحرمین ان کی تفسیر کا نام بھی کبیر ہے اور ابو القاسم عبدالکریم قشیری متوفی ۴۶۵ھ اور ابو الحسن علی بن احمد نیشاپوری بھی ہیں۔ چھٹے طبقہ میں وہ لوگ ہیں کہ جن کو روایت میں کم دخل ہے جیسا کہ زمخشری اور ثعلبی اور امام فخر الدین رازی۔ ساتویں طبقہ میں ابو القاسم حسین راغب اصفہانی مصنف المفردات فی غریب القرآن ان کی وفات ۵۰۲ھ [illegible] ہوئی ہے اور ابو حامد محمد بن محمد غزالی ملقب بزین [illegible]

مدلل کی متعلق باتوں کے سلف کی مروجہ تفاسیر کا لب لباب اور عجیب و غریب کتاب ہے خدا قبول کرے کہ اس سے اپنے بندوں کو اور مجھ کو اور میرے متعلقین کو دنیا و آخرت میں بہرہ مند و خورسند فرما دے آمین۔ اے میرے خالق و قدوس گو تیری نذر کرنے کے قابل میرا یہ کام اور یہ کلام نہیں مگر تیری رحمت جو کہ واسع ہے اور اوراق لیل و نہار پر بقلم جلی لکھی ہوئی ہے اس کا یہی مقتضی ہے کہ اس کو بھی مقبول کرے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔